معارف الاخبار

و

"ثقۃ الاسلام کلینیؒ" اور "کافی"

منشورات

مکتبۃ سلطان المدارس لکھنؤ

از

محقق خبیر مولانا حکیم سید ذوالفقار حسنین صاحب قبلہ

قدس سرہ

معارف الاخبار

و

ثقۃ الاسلام کلینیؒ اور کافی

منشورات

مکتبۃ سلطان المدارس لکھنؤ

از

محقق خبیر مولانا حکیم سید ذوالفقار حسنین صاحب قبلہ

قدس سرہ

قیمت -/45 روپیہ

مؤلف کا تعارف

مولانا موصوف کا سادات بارہا سے تعلق تھا، فیلسوف عصر امام کلام، مولانا، سید ظہور الحسین صاحب قدس سرہ سے شرف تلمذ حاصل تھا، مولانا ایک عالم باعمل، محقق اور حکیم حاذق تھے، آخر عمر میں ریاست رامپور میں مہتمم شعبۂ تالیف سے منسلک رہے آپ کا سنہ ولادت ۲۷ر مارچ سنہ ۱۸۹۴ء مطابق ماہ مبارک سنہ ۱۳۱۱ھ وفات ۱۱ر جنوری سنہ ۱۹۶۶ء مطابق ۱۸ر ماہ مبارک سنہ ۱۳۸۵ھ ہے ان کی یہ دونوں تصانیف بمقتضائے فتویٰ آغائے حکیم طاب ثراہ دوبارہ اسلئے شائع کی جارہی ہیں تاکہ ایک دینی درسگاہ کو مادی فیض اور تشنگان علوم دین کو علمی فیض، خود مرحوم کو اخروی فیض کے ساتھ ساتھ ان کا علمی فیض باقی وجاری رہے۔

آخر میں مرحوم اور اس گود میں جس میں آپ کی تربیت ہوئی ہے کی ارواح کو ایک سورۂ فاتحہ سے نوازیں۔

شکریہ

مہتمم نشریات

سید ظفر عباس رضوی بقلمہ

سلطان المدارس لکھنؤ

معارف الاخبار

عالم باعمل، محقق باخبر مولانا حکیم سید ذوالفقار حسنین دامت برکاتہم سرکار ظہیر الملۃ حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا السید ظہور حسن طاب ثراہ کے ارشد تلامذہ میں ہیں موصوف عرصۂ دراز تک کتب خانہ ریاست رام پور میں بعہدہ مہتمم تالیفات مامور رہ کر علمی مشاغل میں منہمک رہے۔ اور اب تک رام پور ہی میں قیام ہے موصوف اعلیٰ مراتب علمیہ پر فائز ہونے کے ساتھ عملی زندگی میں اپنے استاذ مرحوم کی سیرت کا آئینہ ہیں۔ جناب ممدوح کا یہ گرانقدر رسالہ ایک ایسے موضوع پہ ہے جس سے اردو زبان قریب قریب تہی دست تھی۔ اس موضوع پر کسی تالیف کی شدید ضرورت تھی ہم جناب مؤلف کے شکریہ کے ساتھ اس علمی خزانے کو العلم میں باقساط شائع کرتے رہیں گے۔

حدیث کی تعریف

محدثین کی اصطلاح میں معصوم کے قول کو اور اس کلام کو

حدیث کہتے جو معصوم کے قول یا فعل یا تقریر کی حکایت کرے۔

فوائد

۱۔ معصوم کا اشارہ اور کتابت بھی قول معصوم میں داخل ہے۔

۲۔ فعل معصوم ترک کو بھی شامل ہے۔

۳۔ تقریر معصوم سے وہ فعل مراد ہے جو کسی معصوم کے سامنے واقع ہوا ہو اور معصوم نے اس کو ملاحظہ فرما کر سکوت کیا ہو اور اس سے ممانعت نہ کی ہو۔

اسی طرح تقریر معصوم میں وہ فعل بھی داخل ہے جو کسی معصوم کے زمانہ میں واقع ہوا ہو۔ اور جب معصوم کو اس پر اطلاع ہوئی ہو تو اس کی ممانعت نہ فرمائی ہو۔

۴۔ جس کلام کی انتہا کسی معصوم پر نہ ہو وہ ہمارے نزدیک حدیث نہیں ہے۔

صحابہ اور تابعین کے کلام کو بطور مجاز حدیث کہا جاتا ہے البتہ اہلسنت وجماعت کے نزدیک نبی۔ صحابی اور تابعی میں سے ہر ایک کا کلام حدیث ہے۔

محدثین کے نزدیک "خبر" اور "اثر" بھی حدیث ہی کے مرادف ہے[1]

---

[1] کچھ لوگوں نے ان دونوں میں فرق بھی کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث تو معصوم

ہیں۔

حدیث کا حجّت ہونا

حدیث معصوم ہمارے لئے حجت ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا نجات اُخروی کے لئے ضروری ہے۔

حدیث چونکہ معصوم کے قول فعل اور تقریر تینوں چیزوں کو شامل ہے اس لئے ہر ایک کے حجت ہونے کے متعلق جدا جدا بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

قول معصوم کا حجّت ہونا

معصوم اگر رسولؐ ہے تو اس کے قول کا حجت ہونا ضروریات دین میں داخل ہے۔ اور اگر معصوم امام ہے تو اس کے قول کا حجت ہونا ضروریات مذہب میں داخل ہے۔

(بقیہ حاشیہ صــ) کے کلام فعل اور تقریر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور خبر رسولؐ امامؑ صحابی تابعی اور دیگر علماء وصالحین وغیرہ سب کے کلام فعل اور تقریر کو شامل ہے اسی لئے جس شخص کا مشغلہ تاریخ رہتا ہے اُسے اخباری اور جس کا مشغلہ سنت نبویہ رہی ہے اُسے محدث کہتے ہیں۔ اور اثر اُن دونوں سے اعم ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اثر کہیں گے خواہ اس کے معنی کچھ ہی قرار دیے جائیں اور بعض کہتے ہیں کہ اثر خبر کے مساوی ہے۔ اور بعض نے بیان کیا ہے کہ اثر تو صحابی کے قول و فعل اور تقریر کو کہتے ہیں حدیث نبیؐ کے قول و فعل اور تقریر کو کہتے ہیں۔ اور

قول معصوم کے حجت ہونے پر عقل و نقل دونوں پر دلالت کرتی ہیں

قول معصوم کے حجت ہونے پر عقلی دلیل

انبیاء و مرسلین کی بعثت اور ائمہ کا تقرر خدا کی طرف سے ہدایت خلق کے لئے ہوتا ہے اور وہ خدا کے احکام بندوں تک پہنچاتے ہیں تاکہ بندے ان پر عمل کر کے نجات اُخروی حاصل کر سکیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب انبیاء اور ائمہ کے اقوال لوگوں کے لئے حجت ہوں تاکہ وہ ان کے موافق عمل کر سکیں۔ اور نبی و امام سے جو فوائد ہیں وہ اسی وقت پورے ہو سکتے ہیں جب ان کے اقوال کو حجت قرار دیا جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہوگا تو انبیاء کی بعثت اور ائمہ کا تقرر عبث و بیکار ہو جائے گا لہٰذا ان کے اقوال کا حجت ہونا ضروری ہے۔

قول معصوم کے حجت ہونے پر نقلی دلیل

قرآن شریف کی آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ معصوم کا قول حجت ہے۔

۱۔ خداوند عالم قرآن شریف پارہ ۵ سورۃ النساء میں ارشاد فرماتا ہے: رکوع ۵

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج

اے ایمان دارو خدا کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اور جو تم میں سے صاحبانِ امر ہوں ان کی اطاعت کرو۔

آیت میں اولی الامر سے ائمہ طاہرین علیہم السلام مراد ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسولؐ اور امامؑ کی اطاعت لازم ہے اور جو کچھ وہ فرمائیں اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۲۔ خداوند عالم قرآن شریف (پارہ ۶ سورۃ المائدہ) میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ۝

(اے ایمان والو) تمہارے حاکم تو بس یہی ہیں۔ خدا اور اس کا رسولؐ، اور وہ مومنین جو پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

آیت میں ولی سے اولیٰ بالتصرف اور حاکم مراد ہے اور ایمان والوں سے جن کے اوصاف مذکور ہیں ائمہ اطہار مراد ہیں۔ آیت نے اس امر کو واضح کر دیا کہ رسولؐ اور ائمہ حاکم ہیں۔ لہٰذا ان کے اقوال پر عمل کرنا لوگوں کے لئے ضروری ہوگا اور ان کے ارشادات لوگوں کے لئے حجت ہوں گے ورنہ ان کا حاکم ہونا بے سود ہوگا۔

فعل معصوم کا حجّت ہونا

جس طرح معصوم کا قول حجت ہے اسی طرح معصوم کا فعل بھی حجت ہے اس لئے کہ معصوم سے جو فعل بھی صادر ہوگا وہ حسن ہی ہوگا۔ اس سے کوئی قبیح فعل صادر ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ عصمت صدور قبیح سے مانع ہے۔

فعل معصوم کے حجت ہونے پر آیات قرآنیہ سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔

پہلی آیت خداوند عالم قرآن شریف (پارہ ۲۱ رکوع ۱۹ سورۃ الاحزاب) میں ارشاد فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا ۝

(مسلمانو) تمہارے لئے تو (پیروی کرنے کو) خود رسول اللہ کا ایک اچھا نمونہ تھا۔ مگر ہاں یہ اُس شخص کے واسطے ہے جو خدا اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور خدا کی یاد بکثرت کرتا ہو۔

آیہ مبارکہ میں خدا اور روز آخرت کی امید رکھنے والوں کے لئے رسول خدا کی تاسی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہر مسلمان کے لئے خدا اور روز آخرت کی امید رکھنا ضروری ہے لہذا رسولوں کی تاسی کرنا بھی ضروری ہوگا۔

دوسری آیت خداوند عالم قرآن شریف (پارہ ۹ رکوع ۱۰

سورۃ الاحزاب) میں ارشاد فرماتا ہے۔

فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

پس (لوگو) اللہ اور اس کے رسولؐ نبی اُمّی (محمدؐ) پر ایمان لاؤ جو (خود بھی) اللہ اور اس کی باتوں پر (دل سے) ایمان رکھتا ہے اور اسی کے قدم بقدم چلو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

آیۂ مبارکہ میں خداوند عالم نے رسول کے اتباع کا حکم دیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگ ہدایت پائیں۔

بہرحال ان آیات میں خداوند عالم نے رسولؐ کی تأسی اور ان کا اتباع کرنے کا حکم دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ کا فعل حجت ہے۔

بعثت انبیاء اور تقرر ائمہ کی غرض ایک ہی ہے اور وہ ہدایت خلق اور احکام الہیہ بندوں تک پہنچانا ہے لہذا اشتراک علت کی جہت سے تأسی اور اتباع میں ائمہ کا بھی وہی حکم ہوگا جو انبیاء و مرسلین کا ہے جس طرح رسولؐ کی تأسی اور ان کا اتباع لازمی ہے اسی طرح ائمہ کی تأسی اور ان کا اتباع بھی ضروری ہے۔ پس جس طرح رسول کا فعل حجت ہوگا اسی طرح ائمہ طاہرینؑ کا فعل بھی حجت ہوگا۔

تأسی اور اتباع کے معنی

خداوند عالم نے رسولؐ کی تأسی اور ان کے اتباع کا حکم دیا ہے۔

اور اشتراک علت کی وجہ ائمہ طاہرینؑ کی تأسی و اتباع کا بھی یہی حکم ہے۔ لہٰذا ضرور ہے کہ پہلے ہم تأسی اور اتباع کے معنی بیان کر دیں تا کہ یہ امر واضح ہو سکے کہ معصوم کی تأسی اور اتباع سے کیا مراد ہے۔ تأسی سے مقصد ہوا کرتا ہے کہ فعل کسی غیر کے فعل کو اس عنوان سے کرنا کہ اس کے فعل کی صورت اور غرض اور اس فعل کی صورت و غرض متحد و یکساں ہو۔

تأسی اور اتباع میں دو چیزوں کا لحاظ ضروری ہوا کرتا ہے۔

۱۔ فعل کی صورت

۲۔ فعل کی وجہ (اور نیت) جس کے سبب سے فعل واقع ہوا۔

جب تک فعل کی صورت اور فعل کی وجہ میں موافقت نہ ہو گی تأسی نہیں ہو سکتی۔

مثلاً اگر رسولؐ نے نماز پڑھی اور ہم نے بجائے اس کے روزہ رکھ لیا یا حج کیا یا اعتکاف کیا تو یہ ہرگز تأسی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ رسولؐ کے فعل (نماز پڑھنے) کی صورت اور ہمارے فعل (روزہ رکھنے یا حج کرنے یا اعتکاف کرنے) کی صورت ایک نہیں ہے بلکہ دونوں کی صورتوں میں اختلاف ہے اسی طرح اگر رسولؐ نے سنت کی نیت سے نماز پڑھی اور ہم نے وجوب کی نیت سے یا رسولؐ نے وجوب کی نیت سے نماز پڑھی اور ہم نے سنت کی نیت سے تب بھی تأسی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ رسولؐ اور ہمارے فعل (نماز پڑھنے) کی صورت تو یکساں ہے مگر وجہ میں اتحاد نہیں ہے۔ ایک جگہ وجہ وجوب ہے اور دوسری جگہ سنت۔

اسی طرح اگر رسولؐ نے چند درہم بہ نیت زکوٰۃ لئے تو جو شخص کسی سے بہ نیت غصب یا بہ نیت قیمت مبیع لے تو وہ تاسی کرنے والا نہیں ہو سکتا اس لئے فعل کی صورت اگرچہ متحد ہے مگر وجہ فعل میں اختلاف ہے۔ پس اگر فعل کی صورت میں مخالفت ہو اور وجہ میں موافقت ہو تو تاسی نہیں ہو سکتی تاسی صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جب فعل کی صورت اور فعل کی وجہ دونوں میں اتحاد ہو۔

اب یہ غور طلب ہے کہ جب معصوم کا فعل حجت ہے اور ہم پر ان کی تاسی لازم ہے تو کیا ضروری ہے کہ معصوم سے جو افعال بھی صادر ہوئے اور جس وجہ سے ہیں ان تمام افعال کو اسی وجہ اور نیت سے بجالانا چاہیئے۔ یہ مسئلہ ذرا تفصیل چاہتا ہے جسے ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

معصوم سے جو افعال صادر ہوئے وہ چند قسم کے ہیں۔

وہ افعال جن کا معصوم سے مخصوص ہونا جیسے رسولؐ کے لئے تہجد و وتر کا واجب ہونا، صوم وصال کا مباح ہونا۔ نکاح میں چار سے زائد ازواج کا جائز ہونا۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایسے افعال جن کا معصوم سے مخصوص ہونا کسی شرعی دلیل سے معلوم ہو جائے ان میں ہم شریک نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ایسے افعال میں تاسی نہ کی جائے گی بلکہ تاسی کرنا قبیح ہوگی اس لئے کہ ہر ایک کے مصالح جداگانہ ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ دینے حج ادا کرنے میں مالدار اور فقیر کی

تکلیف یکساں نہیں ۔عبادات کی بجاآوری میں صحیح اور مریض کا حکم ایک نہیں صحیح آدمیوں میں بھی مسافر اور حاضر کا نماز روزہ کی ادائیگی میں ایک حکم نہیں ولیکن اگر فقیر کی تکلیف ہر مالدار یا بیمار کی تکلیف ہر صحیح مسافر کی تکلیف ہر حاضر عمل کرے تو اس کے لئے قبیح ہے۔

اسی طرح اگر ان افعال کو جو معصوم کے ساتھ مخصوص ہیں ہم بھی اسی صورت و وجہ سے بجالائیں تو ہمارے لئے قبیح ہوگا۔

(فائدہ) مگر اس صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم رسولؐ کی تأسی نہیں کرتے جیسے زن حائضہ کو زمانۂ حیض میں نماز نہ ادا کرنے کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ معصوم کا اتباع اور تأسی نہیں کرتی اس لئے کہ زمانۂ حیض میں اس کی تکلیف یہی ہے۔

۲ ۔ وہ افعال جو کسی معصوم سے بیان حکم کے لئے صادر ہوں ایسے افعال کی تأسی اور ان کا اتباع لازم ہے اگر وہ فعل بیان وجوب کے لئے ہوگا تو اس فعل کی تأسی ہم پر واجب ہوگی۔ اور اگر وہ فعل بیان ندب کے لئے ہوگا تو اس فعل کی تأسی ہم پر مندوب ہوگی۔

(فائدہ) یہ بیان یا تو صریحاً ہوگا جیسے:

صلّوا کما رأیتمونی اصلّی۔

اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

یا قرائن سے معلوم ہوگا جیسے معصوم نے کوئی ایسا لفظ ارشاد فرمایا ہو جو مجمل ہو یا عام ہو مگر اس سے مراد مخصوص ہو اور اس خصوصیت کو بیان

نہ کیا ہو۔ پھر ضرورت کے وقت ایک فعل بجالائے ہوں جس میں بیان کی صلاحیت ہو تو وہ بیان ہو گا تاکہ وقت حاجت سے بیان کا موخر ہونا لازم نہ آئے۔

۳۔ وہ افعال جو طبعی و خلقی ہوں۔ اور نفس فعل کے علاوہ ان میں کسی اور خصوصیت کا اعتبار نہ ہو جیسے مطلق کھانا، پینا، سونا، جاگنا، پھرنا، وغیرہ۔

ایسے افعال معصومینؑ کے لئے بھی مباح ہیں اور ہمارے لئے بھی اور اباحت میں وہ اور ہم شریک ہیں۔

(فائدہ) ایسے افعال میں اگر خصوصیات کا بھی لحاظ کیا جائے جو اصل فعل سے خارج ہوں جیسے صبح کو کھانا۔ شام کو کھانا، جو کی روٹی کھانا۔ اس غرض سے کھانا کہ عبادت کرنے پر قوت حاصل ہو یا فعل میں اس قسم کی کسی اور خصوصیت کا لحاظ کرنا تو ان خصوصیات کے ساتھ وہ افعال معصوم کے لئے تو راجح ہوں گے اس لئے کہ معصومین علیہم السلام کے نفوس قدسیہ اس امر کے خوگر ہیں کہ اگر وہ عادی افعال بھی بجالائیں تو وہ صرف بعنوان عادت نہ ہوں بلکہ ان میں اور بھی اغراض صحیحہ موجود ہوں جو تقرب الٰہی کا سبب ہوں جس پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔

ان اولیاء اللہ سکتوا فکان سکوتھم فکراً
و تکلموا فکان کلامھم ذکراً و نظروا فکان
نظرھم عبرۃ و نطقوا فکان نطقھم حکمۃ و

مشو ہکان مشیہ ہم بین الناس برکۃ

اولیا رشد اگر سکوت کرتے ہیں تو اُن کا سکوت تفکر ہوتا ہے اور کلام کرتے ہیں تو اُن کا کلام ذکر ہوتا ہے اور نظر کرتے ہیں تو ان کی نظر عبرت ہوتی ہے اور گویا ہوتے ہیں تو ان کی گویائی حکمت ہوتی ہے اور چلتے ہیں تو ان کا چلنا لوگوں میں برکت ہوتا ہے۔

اگر ایسے افعال بنظر تاسی و اتباع یا بہ نیت تقرب الٰہی ہم بھی کسی غرض صحیح سے بجالائیں تو ہمارے لئے ان کی بجا آوری راجح ہوگی اور یہ افعال ہمارے لئے مباح رہیں گے، اور اگر کسی امر قبیح کی نیت سے بجالائیں تو وہ مرجوح یا حرام ہوں گے جیسے اس غرض سے کھانا کھانا کہ زنا پر تقویت ہو۔

۴۔ وہ افعال جو بہ نیت قربت بجالائے جائیں اور قصدِ قربت معلوم بھی ہو جائے، ایسے افعال کی بجا آوری ہمارے لئے راجح ہوگی اس لئے کہ معصوم کا بہ قصد قربت بجالانا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ فعل عبادات میں داخل ہے۔

معصومینؑ اور ہم عبادات میں شریک ہیں اگر کسی دلیل سے خصوصیت معلوم نہ ہو جائے تو عبادات میں ان کا اور ہمارا ایک حکم ہے جس پر بہت سی احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔

عمر بن ابی مقدام کی روایت میں ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنا۔ حضرت نے

ارشاد فرمایا کہ

انی لاعجب ممن یرغب عن ان یتوضا اثنین اثنین وقد توضأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اثنین اثنین۔

مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو اعضائے وضو کو دو دو دفعہ دھونے کے خلاف ہے حالانکہ جناب رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے وضو میں دُو دُو دفعہ دھویا ہے۔

اگر عبادات میں رسول خدا اور ہماری شرکت نہ ہوتی تو امام جعفر صادقؑ کا یہ احتجاج درست نہ ہوتا، بہر حال جب اس فعل کا عبادت ہونا اور ہمارا اور معصوم کا عبادت میں شریک ہونا معلوم ہوگیا تو اب یہ امر باقی رہ جاتا ہے کہ اُسے ہم واجب سمجھیں یا سنت اس لئے کہ عبادات کا انحصار وجوب وندب ہی میں ہے اس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے بعض کا خیال وجوب کے متعلق ہے، بعض ندب کے قائل ہیں اور بعض اباحت کے اور بعض نے توقف بھی کیا ہے، مگر اصل یہ ہے کہ ایسے افعال رجحان پر محمول ہوں گے اور بلا کسی دلیل کے وجوب یا ندب کی تخصیص کر لینا ترجیح بلا مرجح ہوگی، اس لئے رجحان ہی کا خیال اولیٰ ہوگا، اس لئے کہ قدر یقینی وہی ہے۔

اور وجوب وندب کی خصوصیت کا احتمال اگرچہ موجود ہے مگر اصالت برائت ہر ایک کی تعین سے مانع ہے۔

اور اس مقام پر اباحت کا خیال کرنا تو سرے ہی سے ناموزوں ہے

اس لئے کہ معصوم کے فعل میں اباحت مرجوح ہے۔ فعل معصوم میں رجحان کا نہ ہونا شان نبوت و امامت کے خلاف ہے۔

۵۔ وہ افعال جن میں نیت قربت ظاہر ہو، اگرچہ ایسے افعال میں بھی وہی اختلاف ہے جو سابقاً مذکور ہوا مگر یہ بھی رجحان پر محمول ہوں گے اس لئے کہ معصوم سے کسی فعل کا صادر ہونا خود اس کے راجح ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

تقریر معصوم کا حجّت ہونا

جس طرح معصوم کا قول اور فعل حجت ہے اسی طرح اس کی تقریر بھی حجت ہے اس لئے کہ معصوم کے سامنے اگر کوئی قبیح فعل کیا جائے یا ان کے زمانہ میں کیا جائے جس کا ان کو علم بھی ہو گیا ہو اور اُن کی ممانعت فائدہ بخش بھی ہو اور باوجود اس کے کہ وہ منع نہ کریں اور سکوت فرمائیں تو یہ ان کا سکوت حرام ہوگا اس لئے کہ فعل قبیح پر سکوت کرنا گویا اُس کی بجاآوری پر رضامندی کو ظاہر کرتا ہے ورنہ کم از کم قبیح پر اعانت تو ضرور ہے اور یہ دونوں شان عصمت کے خلاف ہیں۔ پس کسی معصوم کا کسی فعل پر مطلع ہو کر سکوت فرمانا اور اس کے بجالانے کی ممانعت نہ کرنا اس فعل کے جائز ہونے کی دلیل ہوگا۔

(فائدہ) معصوم کا کسی فعل پر مطلع ہو کر سکوت کرنا اور اس کی ممانعت نہ فرمانا اس فعل کے جواز پر اسی وقت دلالت کرے گا۔

۱۔ جب معصوم کا سکوت فرمانا تقیہ کی وجہ سے نہ ہو پس اگر کسی معصوم نے تقیہ کی وجہ سے سکوت فرمایا اور ممانعت نہ فرمائی تو یہ سکوت اس فعل کے جائز ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

۲۔ جب معصوم کو علم ہو کہ ممانعت کرنا بیکار نہ ہوگا پس اگر کسی معصوم کو علم ہے کہ اس فعل سے ممانعت بیکار ہے اور وہ اُسے ترک نہ کرے گا تو ایسی حالت میں معصوم کا ممانعت نہ کرنا اور سکوت فرمانا اس فعل کے جواز کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

۳۔ معصوم نے قبل ازیں اس فعل کی ممانعت نہ کی ہو پس اگر کسی معصوم نے کسی فعل سے ممانعت فرمادی اور پھر باوجود منع کرنے کے بھی وہ فعل بجالایا گیا تو اس سے معصوم کا منع نہ کرنا اور سکوت فرمانا اس فعل کے جائز ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

احادیث کا ماخذ

اسلامی دنیا میں بڑا اختلاف ہے کہ احادیث کا ماخذ کیا ہے، شیعوں کی احادیث تو تمام تر جناب رسولخدا، اور ائمۂ اطہار سے (جو اہلبیتؑ رسولؐ ہیں) ماخوذ ہیں؛

ان میں بہت سی حدیثیں تو ایسی ہیں جن کا سلسلۂ سند جناب رسولؐ خدا پر منتہی ہوتا ہے اور بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن کا سلسلۂ سند ائمہ اطہار ہی میں سے کسی امام پر ختم ہو جاتا ہے۔

ایسی حدیثیں شاذونادر ہیں جو اس طریقہ کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے حاصل کی گئی ہوں بخلاف اہل سنت وجماعت کے ان کے یہاں احادیث کو ائمہ اطہار سے کم لیا جاتا ہے وہ اصحاب سے حاصل کرتے ہیں، ان کے یہاں جس طرح رسولؐ خدا کا قول وفعل اور تقریر حدیث ہے اُسی طرح اصحاب کا قول وفعل اور تقریر بھی حدیث ہے۔

اس اختلاف کی وجہ سے اسلام کے بہت سے ٹکڑے ہو گئے، اور دین اسلام کی ان بیش بہا تعلیمات کا ملنا جن کے سامنے عقلا کو سرِ نیاز خم کرنا پڑتا تھا دشوار ہو گیا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے کے لئے بہت دشواریاں ہو گئیں اور وہ کونسا راستہ اختیار کرے جس سے اسلام کی سچی تعلیمات کا پتہ چل سکے اور اس کے واقعی احکام معلوم ہو جائیں تا کہ ان پر عمل پیرا ہو کر فلاح دارین حاصل کر سکے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر یہ مسئلہ واضح کر دیا جائے کہ ماخذ احادیث کیا ہونا چاہیئے تا کہ طالبان صراط مستقیم کے لئے حق وباطل واضح ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ احادیث کو ائمہ اطہار سے حاصل کرنے میں فلاح دارین حاصل ہو سکتی ہے یا دوسرے طریقوں سے احادیث کو حاصل کرنا موجب فلاح ہے۔

جب آپ نظر انصاف سے غور کریں گے معلوم ہوگا کہ اسلام کا اتباع کرنے والوں کو احادیث ائمہ اطہار ہی سے حاصل کرنی چاہییں، اگر ان کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے احادیث کو لیا جائے گا تو حقیقی اسلام جس کو محمد عربی خدا کی طرف سے لائے تھے ہاتھ نہ آئے گا، جس کی چند وجہیں یہ ہیں

پہلی وجہ - جناب رسولؐ خدا، تمام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے تھے آپ کی شریعت تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ اور قیامت تک رہنے والی ہے خداوند عالم نے وہ تمام احکام جن کی لوگوں کو عہد نبوی میں یا اس کے بعد قیامت تک ضرورت پیش آنے والی تھی اپنے رسولؐ کو تعلیم کر دیے تھے جس پر آیہ مبارکہ اکملت لکم دینکم شاہد صدق ہے۔ رسولؐ خدا اپنی زندگی میں ان احکام کے خزینہ دار اور محافظ تھے، زمانہ کی ضرورتوں اور حالات کے مطابق یہ احکام مسلمانوں کو تعلیم کرتے رہتے تھے، اور مسلمان ان پر عمل پیرا ہو کر دین و دنیا کی فلاح حاصل کرتے تھے یہی وہ احکام تھے جن میں مسلمانوں کی ترقیوں کا راز مضمر تھا۔

رسولؐ خدا کی حیات میں تو کسی شخص کو ان احکام کے حاصل کرنے میں کسی قسم کی کوئی دشواری ہی نہ تھی، جس وقت ضرورت ہوئی خدمت نبوی میں حاضر ہو کر دریافت کر لیا۔

اب سوال یہ ہے کہ رسولؐ خدا کے بعد یہ احکام کہاں معلوم ہو سکتے ہیں اور اُن کا خزینہ دار اور محافظ کون ہے ائمہ اہلبیتؑ یا اصحاب جہاں سے یہ احکام معلوم ہو سکتے ہوں اسی کو احادیث کا ماخذ دینا ضروری ہو گا، جہاں تک غور کیا جاتا ہے اور تاریخ و سیر کی کتابیں بتاتی ہیں وہ یہی ہے کہ رسولؐ خدا نے ان احکام کا خزینہ دار اور محافظ اپنے اہلبیتؑ کو بنایا تھا نہ اصحاب کو اور حالات بھی بتاتے ہیں کہ ان احکام کے خزینہ دار اور محافظ اہلبیتؑ رسولؐ ہی ہو سکتے تھے نہ کہ اصحاب۔

یہ تو ظاہر ہے کہ پیغمبرِ اسلام نے یہ تمام احکام امت کی ہر فرد اور ہر مسلمان کو تعلیم نہ کئے تھے اور یہ ممکن بھی نہ تھا کہ ہر شخص کو کل احکام تعلیم فرما دیتے، بقدر ضرورت اور حسب حاجت آپ احکام تعلیم فرماتے رہتے تھے اس لئے تمام مسلمان نہ احکام الٰہیہ کے خزینہ دار ہو سکتے تھے۔ نہ اُن کے محافظ بلکہ جو احکام حضرت نے اپنی زندگی میں تعلیم بھی فرما دیئے اُن کی حفاظت و بقا بھی صرف تعلیم کر دینے سے نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ حضرت اس کا خاص طور سے کوئی اہتمام و انتظام نہ فرمائیں اگر تھوڑا سا تامل کیا جائے تو یہ امر بخوبی واضح و آشکار ہو جائے گا،

دنیا ایک فطرت پر چل رہی ہے، دنیا والوں میں مزاج کا اختلاف ہر زمانہ میں رہا ہے اگر آج مختلف خیالات کے لوگ ہیں تو یہ اس زمانہ کی خصوصیت نہیں ہے گذشتہ زمانہ میں بھی کوئی وقت آپ ایسا نہیں بتا سکیں گے جب لوگوں کے مذاق اور خیالات میں اختلاف نہ رہا ہو یہ طبیعتوں کا اختلاف کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ اختلاف طبائع جس طرح آج نظر آ رہا ہے اسی طرح عہد رسول میں بھی دکھائی دیتا ہے، اور اسی طرح اس کے قبل بھی تھا، جہاں تک تاریخ رہبری کر سکتی ہے اور جس زمانہ سے تاریخ کا آغاز ہوا ہے اس وقت سے لے کر آج تک کے حالات کا مطالعہ کرنے سے آپ اس نتیجہ پر ضرور پہنچیں گے کہ طبیعتوں کا اختلاف ہر زمانہ میں رہا ہے اور طبیعتوں کا جو رنگ آج نظر آ رہا ہے وہ عہد رسول میں بھی تھا اور اس سے پیشتر بھی، اب ایک سرسری نظر عہد رسول

کے مسلمانوں پر ڈالئے ان کی طبیعتوں کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس امر کا اندازہ فرمائیے کہ ان میں کتنے مسلمان ایسے تھے جو ان احکام الٰہیہ کے خزینہ دار اور محافظ بن سکتے تھے جن کے خزینہ دار اور محافظ تاجدارِ نبوت خاتم المرسلین تھے، اسی لئے یہ مسئلہ واضح و آشکار ہو جائے گا کہ کون سے مسلمان محافظ ہونے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے تھے۔

جب تک پیغمبر اسلام کا قیام مکہ معظمہ میں رہا اس وقت تک تو حضرت کو اشاعت اسلام کا کچھ زیادہ موقع نہیں ملا، اور وہاں کے دوران قیام میں مسلمانوں کی تعداد کچھ زیادہ بڑھنے نہ پائی، مکہ میں مسلمان انگلیوں پر گنے جانے کے قابل تھے البتہ جب آنحضرتؐ مدینہ تشریف لائے اور آپ کو تھوڑا سا اطمینان میسر ہوا تو اسلام کا دائرہ بڑھنا شروع ہوا، اور مسلمانوں کی تعداد کچھ کم و بیش ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی یہ سب کچھ حضرت کی دس سالہ کوششوں کا نتیجہ تھا جو مدینہ میں کی تھیں۔

ان ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں میں کتنے مسلمان ایسے تھے جو احکام الٰہیہ کے خزینہ دار اور شریعت محمدیہ کے محافظ بن سکتے تھے، اگر ہر ہر مسلمان کے متعلق گفتگو کی جائے تو بہت طول ہوگا جس کا زائد فائدہ بھی نہیں ہے اس لئے میں ان تمام مسلمانوں کو ان کے کاروبار اور مشاغل کے اعتبار سے مختلف گروہ اور جماعتوں میں تقسیم کرتا ہوں ہر گروہ کے متعلق اس امر کا اندازہ کرنے میں سہولت و آسانی ہوگی کہ ان میں سے کونسا گروہ ایسا ہے جس کو احکام الٰہیہ کا خزانہ دار اور محافظ قرار دیا جا سکے۔

پہلا گروہ - اسلام لانے والوں میں بہت سے مسلمان ایسے تھے جو بادیہ نشین تھے، جنگلوں پہاڑوں میں بود و باش رکھتے تھے، ان لوگوں کے پاس مکانات نہ تھے خیموں میں رہتے تھے، جہاں پانی کا چشمہ دیکھا وہیں خیمہ لگا کر رہ پڑے، آج یہاں ہیں تو کل وہاں کسی ایک جگہ سکونت نہ رکھتے تھے، اونٹوں، بھیڑ، بکریوں کو چراتے پھرتے تھے اور ان کے تمام اوقات اسی میں صرف ہوتے تھے، یہ لوگ خدمت نبوی میں کس قدر حاضر رہتے تھے صرف اس قدر کہ اگر مسلمان ہوئے اور اپنے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے پیچھے ہولئے، ان کی عقلیں بھی بہت کم تھیں اور اچھے بُرے میں امتیاز کرنے کی زیادہ قوت بھی نہ رکھتے تھے۔

ان کو احکام الٰہیہ پر زیادہ اطلاع بھی نہ ہوتی تھی اور نہ اُن کو یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ حضرت سے احکام الٰہیہ کو حاصل کرتے رہیں گے یہ گروہ ہرگز اس قابل نہ تھا کہ احکام الٰہیہ کا خزینہ دار اور اس کا محافظ بن سکے، ان کو اپنے مشاغل ہی سے فرصت نہ تھی جو احکام الٰہیہ کو حاصل کر کے ان کی محافظت کی فکر کریں نہ اُن کی عقلیں ایسی تھیں جو اس کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔

دوسرا گروہ - بہت سے مسلمان ایسے تھے جو زراعت پیشہ تھے ان لوگوں کا زیادہ وقت کھیتی باڑی اور اس کی ضروریات کو پورا کرنے میں صرف ہوتا تھا، کھیتوں کا جوتنا، بیج کا بونا، پانی دینا، زراعت کی حفاظت اس کا کاٹنا وغیرہ ایسے کام تھے جن میں محنت شاقہ برداشت کرنی پڑتی تھی، اُن لوگوں کو اتنا موقع نہیں مل سکتا تھا کہ اپنے بیشتر اوقات خدمت نبوی

اور احکام الٰہیہ کی تحصیل میں صرف کریں جب موقع مل گیا خدمت نبویؐ میں حاضری دیدی، ان کے سامنے حضرت نے جو حکم دیا اس کو سن لیا اگر کوئی مسئلہ کبھی پوچھنا ہوا پوچھ لیا جب ان کو تمام احکام پر اطلاع نہیں ہوسکتی تھی جو حضرت مختلف اوقات میں بیان فرمایا کرتے تھے تو یہ ان کی حفاظت کیوں کر کرسکتے تھے۔

تیسرا گروہ۔ بہت سے مسلمان تجارت پیشہ تھے ان میں جو لوگ کہ تجارتی کاروبار باہر کرتے تھے اور ان کے تجارتی تعلقات دوسرے شہروں اور ملکوں سے تھے ان کا زیادہ وقت سفر میں گزرتا تھا۔ جب لوگ سفر میں ہوتے تھے تو ان کا خدمت نبویؐ کی حاضری سے محروم رہنا لازمی تھا، البتہ جب سفر سے واپس آتے تھے تو کبھی کبھی حاضری کا موقع مل جاتا تھا۔ بیشتر اوقات اس کام میں صرف ہوتے تھے کہ جو سامان دوسرے ملکوں سے لے کر آئے ہیں ان کو فروخت کر ڈالیں اور دوسرے ممالک میں لے جانے کے لئے یہاں کے سامان کو فراہم کریں، ان کو صرف اسی قدر موقع مل جاتا تھا کہ جس وقت دربار نبویؐ میں باریابی ہو جائے تو جو مسئلہ حضرت سے دریافت کرنا ہو پوچھ لیں یا ان کی موجودگی میں جو حکم الٰہی حضرت بیان فرمائیں اُسے سُن لیں، یہ لوگ بھی اس امر کی صلاحیت نہ رکھتے تھے کہ کل احکام الٰہیہ کے محافظ بن سکیں۔

اب رہے وہ تجارت پیشہ مسلمان جو بیرونی تعلقات نہ رکھتے تھے بلکہ شہر میں دوکانیں رکھتے تھے یا پھیری کے طور پر چیزیں فروخت کرتے تھے ان کا

تمام دن تو بازار میں صرف ہوجاتا تھا، شام کو گھر آکر پڑ رہتے تھے، اُن کو خدمت نبوی میں حاضری کا کتنا موقع ملتا تھا، جب اپنے تجارتی کاروبار سے فارغ ہوتے ہوں گے شرف حضوری حاصل کر لیتے ہوں گے اور جن میں دیانتداری غالب ہوگی وہ نماز پنجگانہ میں بھی التزاماً شرکت کر لیتے ہوں گے مگر یہ ضرور ہے کہ ان کی غیر حاضری کے اوقات حاضری کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوں گے ایسی صورت میں یہ لوگ بھی اس قابل نہیں ہو سکتے کہ ان کو شریعت کے تمام احکام کا محافظ بنایا جا سکے۔

چوتھا گروہ۔ بہت سے مسلمان ایسے بھی تھے جو صنعت و حرفت سے معاش پیدا کرتے تھے، کوئی لوہاری کا کام کرتا تھا کوئی بڑھئی کا کام، کوئی عمارت کا کام کرتا تھا، یہ لوگ بھی تمام دن اپنے کاروبار میں مصروف رہتے تھے اور شام کو تھکے ہارے اپنے مکانوں پر آکر پڑ رہتے تھے ان کو بھی خدمت نبوی میں حاضر رہنے کا کچھ زیادہ موقع نہیں مل سکتا اور یہ بھی اس قابل نہ تھے کہ محافظت شریعت کر سکیں۔

پانچواں گروہ۔ بہت سے مسلمان ایسے تھے جو مزدوری پیشہ تھے ان کے بیشتر اوقات مزدوری کی تلاش اور مزدوری کرنے میں بسر ہوتے تھے، ان کو بھی حاضر خدمت نبویؐ ہونے کا تھوڑا ہی سا موقع ملتا تھا، اور یہ گروہ بھی محافظ شریعت ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔

چھٹا گروہ۔ بہت سے مسلمان فقیر و گداگر تھے۔ یہ بیچارے فقر و فاقے کے مارے اپنی پریشانیوں میں گرفتار رہتے تھے، کبھی اس کے پاس

جاتے کبھی اُس کے پاس یونہی مارے مارے پھرتے تھے یہ شب و روز روٹی کی فکر میں سرگرداں و پریشان رہتے تھے ان کو یہ موقع کہاں تھا کہ ہر وقت خدمت نبوی میں حاضر رہ کر احکام کو حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ بھی اس امر کی صلاحیت نہ رکھتے تھے کہ حفاظت شریعت کا اہم کام ان سے متعلق ہو سکے اور یہ اس امر کو برداشت کر لیں۔

ساتواں گروہ - اسلام لانے والوں میں بہت سی عورتیں اور بچے بھی تھے، عورتیں اپنے گھروں میں رہتی تھیں ان کو اپنے گھروں کے کاروبار سے فرصت نہ ہوتی تھی، بچے بھی گھروں میں رہتے تھے یا اگر ذرا بڑے ہوئے تو اپنے ہم سن بچوں کے ساتھ کھیل کود لہو ولعب میں مصروف رہتے تھے۔

یہ گروہ بھی خدمت نبوی میں حاضر رہنے والا نہ تھا نہ حفاظت شریعت ایسے اہم کام کی انجام دہی کا سزاوار تھا۔

آٹھواں گروہ - بہت سے مسلمان ایسے تھے جو نافہم اور عوام میں شامل تھے، یہ لوگ بھی حفاظت شریعت کا بیڑا نہ اٹھا سکتے تھے۔

بہرحال مسلمانوں کے یہ مختلف گروہ جن کا تذکرہ کیا گیا ایسے تھے جن کے متعلق کوئی سمجھ دار آدمی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ دین خدا کے حافظ اور علوم پیغمبر کے وارث اور شریعت کے تمام احکام کے خزینہ دار بن سکتے تھے اس لئے کہ یہ لوگ اپنے کاروبار اور مشاغل میں ایسے مصروف تھے کہ اُن کو خدمت نبوی میں حاضری کا موقع ہی بہت کم ملتا تھا، اگر کبھی کبھار زیارت کا موقع مل بھی گیا تو کسی نے حدیث کو سُنا کسی نے نہ سُنا اور سُننے والوں

میں بھی کسی نے سمجھا کسی نے نہ سمجھا اور سمجھنے والوں میں بھی کسی کو یاد رہا کسی کو یاد نہ رہا، جیسا کہ اس وقت بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ آنحضرتؐ کی وفات کو ایک ہزار تین سو سینتالیس برس کا زمانہ گذر چکا ہے ہم اسلام میں پیدا ہوئے، اسلام کو میراث میں پایا اور اسلام پر نشو و نما پائی مگر اسلام کے بہت سے احکام سے ناواقف ہیں اور کسی ایک مسئلہ کو بھی نہ اچھی طرح حفظ کیا نہ اس کی واقفیت حاصل کی، اگر کسی مسئلہ کو سنتے ہیں تو سمجھتے نہیں اور اگر سمجھ بھی جاتے ہیں تو وہ یاد بھی نہیں رہتا، جب ہم لوگوں کی یہ حالت ہے جن کی گھٹی میں اسلام پڑا ہوا ہے تو ان لوگوں کی کیا حالت ہوگی جو تازہ مسلمان تھے کفر و شرک اور یہودیت و نصرانیت کو چھوڑ کر نئے نئے مسلمان ہوئے تھے یہ لوگ تو بقدر کفایت بھی حفظ نہ کر سکتے تھے چہ جائیکہ ان تمام مسائل کے حافظ ہو جائیں جن کی عالم میں تا قیامت ضرورت پڑنے والی تھی۔

یہ تمام گروہ وہ تھے جو کاروباری تھے اور ان کو خدمت نبویؐ میں حاضری کا بہت کم موقع ملتا تھا البتہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کوئی ایسا کاروبار نہ کرتے تھے جس میں ان کے تمام اوقات مستغرق ہو جائیں یا بیکار تھے اور ان کی دلی خواہش بھی رہتی تھی کہ خدمت نبویؐ میں حضوری کا شرف حاصل کریں یہ لوگ دربار نبویؐ میں حاضر ہوتے رہتے تھے مگر ان کو حضوری کا شرف کب اور کیونکر حاصل ہوتا تھا، جب پیغمبرؐ اسلام حرم سرا میں رونق افروز ہوتے تھے تو یہ لوگ باریاب نہ ہو سکتے تھے ان کو حاضری کا صرف اسی وقت موقع مل سکتا تھا جب آنحضرت باہر تشریف فرما

ہوں۔

جب حضرت باہر رونق افروز ہوتے تھے تو یہ لوگ حاضر ہوتے تھے مگر ایسا نہ تھا کہ ایسے وقت میں سب کے سب حاضر ہوں بلکہ صورت یہ ہوتی تھی کہ کبھی کچھ لوگ حاضر ہو گئے کبھی کچھ لوگ کبھی کسی نے شرف حضوری حاصل کر لیا کبھی کسی نے اس لئے کہ یہ لوگ بھی ذاتی ضروریات رکھتے تھے کبھی کسی کو کچھ خریدنا ہوتا تھا کبھی مسافرت پیش آجاتی تھی اور سفر پہ چلے جاتے تھے کبھی بیمار ہو جاتے تھے اور حاضر نہ ہو سکتے تھے، کبھی بیوی بچے بیمار پڑ جاتے تھے اور ان کو تیمارداری کرنی پڑتی تھی اسی طرح دنیا کی بہت سی ضرورتیں تھیں جو حاضری سے مانع ہو جاتی تھیں اور وہ باوجود خواہش کے ہمہ اوقات حاضری کا شرف حاصل کر سکنے سے محروم رہتے تھے۔

اب رہے وہ لوگ جو حاضری دیتے تھے، یہ ظاہر ہے کہ وہ سب کے سب نہ مُلّا تھے نہ طالب علم جس مذاق وطبیعت کے عام طور سے لوگ ہوتے ہیں ویسے ہی وہ بھی تھے۔

ان حاضر ہونے والوں کے سامنے جو کچھ حضرت احکام الٰہی بیان فرماتے تھے یا جو احادیث ارشاد فرماتے تھے ان کو سب سُنتے بھی نہ تھے بلکہ ان میں کچھ ایسے بھی ہوتے تھے جو اپنے کسی خیال یا فکر میں مستغرق ہوئے کہ ان کو پتہ بھی نہ چلا کہ حضرت نے کیا ارشاد فرمایا ایسے لوگ بھی یقیناً حافظ شریعت ہونے کی اہلیت وصلاحیت نہ رکھتے تھے۔

اب رہے وہ لوگ جو سنتے تھے مگر سب ایسے نہ تھے کہ جو کچھ اُنھ[illegible]
سنا ہے اُسے سمجھ بھی لیں جیسا کہ آج کل بھی ہوتا ہے واعظ منبر پر مذہبی مسا[illegible]
بیان کرتا ہے مگر جب بہت سے لوگ زیرِ منبر ایسے ہوتے ہیں جو نہیں سمجھ[illegible]
صرف واعظ کے الفاظ سن لیتے ہیں، جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آ[illegible]
نے بھی اپنی ایک حدیث میں ایسے لوگوں کی طرف ان الفاظ میں ارشاد فر[illegible]
ہے :-

فکم من حامل فقه غیر فقیه -

بہت سے حامل فقہ ہوتے ہیں مگر فقیہ نہیں ہوتے -

ایسے لوگ بھی حافظ شریعت ہونے کی قابلیت نہیں رکھتے اب رہ[illegible]
وہ لوگ جو حضرت رسولِ خدا سے جن احادیث کو سنتے تھے ان کو سمجھ بھی لی[illegible]
تھے مگر ان سب کی قوت حافظہ یکساں نہ تھی آخر وہ بھی انسان تھے جو کچھ
سنتے تھے اس میں سے کچھ یاد رہ جاتا تھا کچھ فراموش کر جاتے تھے ان میں
جن کی قوت حافظہ کمزور تھی وہ یقیناً حافظ شریعت ہونے کی صلاحیت
نہ رکھتے تھے، البتہ جن کی قوت حافظہ زبردست تھی اور جو کچھ سنتے تھے اُسے
یاد بھی رکھتے تھے وہ سب بھی عادل و ثقہ نہ تھے کہ جو کچھ بیان کریں لوگ
اُسے یاد بھی کر لیں، ان میں سچے جھوٹے سب ہی قسم کے آدمی تھے، ان میں
جو عادل و ثقہ نہ تھے وہ حافظ شریعت ہونے کی اہلیت نہ رکھتے تھے مسلمانوں
کے اتنے بڑے مجمع میں سے صرف وہ گنے چنے چند مسلمان باقی رہ جاتے
ہیں جو خدمت رسول میں باریاب ہوتے رہتے تھے احادیث کو سنتے سمجھتے

یاد کر لیتے تھے اور اس کے ساتھ عادل وثقہ بھی تھے، مگر یہ چند آدمی حقیقۃً حافظ شریعت ہو سکتے ہیں یا نہیں اگر آپ تھوڑا سا تأمل کریں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ ہرگز شریعت اسلامیہ اور احکام الہیہ کے محافظ نہیں بن سکتے، یہ اگر زیادہ سے زیادہ محافظ ہو سکتے ہیں تو صرف ان احکام کے جن کو اُنھوں نے سنا، اور جو احکام ان کی غیبت میں بیان کئے گئے اور انھوں نے ان کو سنا ہی نہیں تو یہ ان کے محافظ کیوں کر ہو سکتے ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اس وقت تو خدمت نبوی میں ہوتے ہی نہ تھے جب حضرت حرم سرا میں رونق افروز ہوں اس لئے یہ ان احکام کے محافظ بھی نہیں ہو سکتے جن کو حضرت نے حرم سرا میں ارشاد فرمایا ہو، اب رہے وہ اوقات جن میں حضرت باہر تشریف فرما ہوتے تھے ان تمام اوقات میں یہ سب کے سب حاضر نہ ہوتے تھے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا، کسی وقت کوئی ہوتا تھا اور کسی وقت کوئی، ان حاضر ہونے والوں کے متعلق یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جا سکتا کہ باہر حضرت نے جس قدر احکام ارشاد فرمائے وہ سب اُنھوں نے سُن کر حفظ کر لئے، اگر دعوےٰ ہو سکتا ہے تو صرف اسی قدر کہ جس وقت جو شخص موجود ہوا اور حضرت نے اس کے سامنے جو احکام بیان فرمائے وہ اس نے یاد کر لئے لہٰذا یہ ان تمام احکام کے کس طرح محافظ ہو سکتے تھے جو حضرت نے بیان فرمائے۔

یہ تو ان لوگوں کی حالت تھی جو مدینہ میں بود و باش رکھتے تھے،

جو لوگ مدینہ سے باہر دوسرے شہروں اور ملکوں میں قیام رکھتے تھے ان کو تو ویسے ہی حاضری کا موقع نہیں مل سکتا تھا اگر سال چھ مہینہ میں کوئی شخص خدمت نبوی میں حاضر ہو کر ایک آدھ مسئلہ سُن گیا تو کیا وہ شریعت اسلامیہ کی محافظت کا بیڑا اٹھا سکتا ہے ہرگز نہیں۔

دوسرے شہروں کے مسلمان عموماً جنگی ضرورتوں سے بلائے جاتے تھے اس میں شبہ نہیں کہ یہ لوگ زیارت نبوی کے مشتاق بھی ہوتے اور ان کی دلی خواہش بھی ہوتی تھی کہ حضرت کی زبان مبارک سے احادیث سنیں مگر یہ لوگ جنات یا فرشتے نہ تھے انسان تھے، اور انسانی لوازم رکھتے تھے اس زمانہ کا سفر آج کل کا سفر نہ تھا اس زمانہ میں نہ موٹریں تھیں نہ لاریاں نہ ریلیں نہ ہوائی جہاز بیچارے گھوڑوں، گدھوں، خچروں اور اونٹوں پر سفر کرتے تھے وہ بیچارے جب سے آتے واپسی تک دردِ سفر میں گرفتار رہتے تھے، خچروں اور اونٹوں پر سامان کا بار کرنا اتارنا، اسلحہ جنگ کو درست کرنا جاسوسی کرنا یہ ایسے کام نہ تھے جن کی مصروفیت کچھ کم ہو پھر سفر میں طرح طرح کی تکلیفوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا وہ کتنے احکام حاصل کر کے یاد کر سکتے تھے پھر ان میں ہر قسم کے آدمی ہوتے تھے بیشتر طبقہ تو ایسے ہی لوگوں کا ہوتا تھا جو عوام کہے جا سکیں سمجھ دار تو تھوڑے ہی سے ہوتے تھے۔

شریعت اسلامیہ دنیا کی آخری شریعت ہے اور قیامت تک کوئی اور شریعت آنے والی نہیں، قیامت تک جس قدر احکام کی ضرورت پیش

آنے والی تھی خدا نے اپنے رسولؐ کو تعلیم کر دیے تھے، رسولؐ نے اپنی زندگی میں صرف انھیں تعلیم دی جو ان کے زمانہ میں پیش آئے اور قیامت تک پیش آنے والی ضرورتوں کے احکام نہ بتا سکتے تھے۔

جن احکام کو رسولؐ اللہ نے تعلیم کر دیا ان کی حفاظت کے لئے مسلمانوں میں کوئی صلاحیت نہیں رکھتا، اور جو احکام کہ رسولؐ اللہ نے اپنی زندگی میں عام امت کو تعلیم نہ کئے تھے کہ کون اُن کی محافظت کی ذمہ داری لے سکتا ہے۔

اب آپ خود غور فرمائیں کہ واقعہ ایسا ہی تھا یا نہیں، جن لوگوں نے دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اور جو لوگ دنیا کے حالات کو جانچنے کا صحیح مذاق رکھتے ہیں ان کو یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ حالات ایسے ہی تھے، غور کیجئے کہ ان حالات کے ہوتے ہوئے اگر پیغمبر ہمارے درمیان سے کسی کو باقاعدہ محافظ شریعت بنائے ہوئے بغیر اٹھ جائیں تو کیا ان کے دین کا دنیا میں کوئی اثر باقی رہ سکتا ہے، بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ اس کا دارومدار ایسے گنے چنے چند صحابیوں کے اوپر ہو جن میں سے کسی نے چند کلمے آنحضرت سے کسی مسئلہ کے متعلق سُنے ہوں اور کسی نے کسی مسئلہ کے متعلق چند کلمے سن لئے ہوں اور وہ بھی کچھ وکو جن میں کچھ بھول گئے ہوں کچھ یاد رہے ہوں، کسی کو سہو ہوتا ہو کوئی دروغ بافی کرتا ہو کسی نے ناسخ کو سنا ہو اور کسی نے منسوخ کو اور پھر یہ بھی مختلف شہروں میں متفرق و منتشر ہو گئے ہوں جس نے منسوخ کو سُن لیا ناسخ کو نہ سنا وہ منسوخ ہی کی تبلیغ کی

اشاعت کرتا ہو اور جس نے ناسخ کو سُن لیا وہ اس کی تعلیم دیتا ہو۔

انصاف تو کیجئے کہ کیا یہ دین الٰہی ہے جو اس خرابی کی حالت میں منتشر ہو رہا ہے ان حالات میں اگر لوگ متفق ہو کر کسی شخص کو محافظ شریعت بنا دیں تو وہ مسلمانوں کے کس مرض کی دوا بن سکتا ہے اور مسلمانوں کو کیا دینی فائدہ پہنچ سکتا ہے، اگر تمام افراد امت بھی متفقہ طور سے کسی شخص کو خلیفہ رسول اور محافظ شریعت بنا دیں تو کیا خداوند عالم ان تمام احکام شریعت کو رسو لِ خدا پر رفتہ رفتہ نازل ہوئے تھے دفعتاً اس کے قلب پر منکشف کر دے ہرگز نہیں نہ یہ طریقہ الٰہیہ ہے نہ اس کی کوئی مثال ہم کو ان تیرہ سو برس کے اندر ملتی ہے پھر ہمارا کسی شخص کو منتخب کر دینا دین الٰہی کے مناسب نہ ہو گا اس لئے کہ جب اس کو خود ہی احکام الٰہیہ پر اطلاع نہیں تو دوسروں کو کیا بتائے گا اور اگر کچھ بتائے گا تو وہ واقعی حکم نہ ہو گا بلکہ اس کی عقل آرائی کا نتیجہ ہو گا ہم کو تو خدا کے واقعی حکم کی ضرورت ہے۔ نہ کسی بندہ کے تجویز کئے ہوئے حکم کی۔

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ طریقہ خود اس دین کے باطل ہونے کی کھلی ہوئی دلیل ہو گی، ہر شخص ایسے مذہب کی طعن و تشنیع کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا، حالانکہ یہ طریقہ خود چند روز کے بعد ختم ہو جانے والا ہے، اور وہ تھوڑے سے لوگ جنھوں نے چند حدیثیں یاد کر لی ہوں تمام ہو جانے والے ہیں اور وہ لوگ بھی ایسے مختلف شہروں میں منتشر ہوں اور ہر ایک کے پاس کچھ ایسی حدیثیں ہوں جو دوسرے لوگوں کے پاس نہ ہوں یہی وجہ

ہے کہ جس حدیث پر مکہ کا رہنے والا مطلع ہوتا تھا شامی اس سے ناواقف ہوتا تھا، اور جس حدیث کو مدینہ میں رہنے والا جانتا تھا اس سے مصر میں رہنے والا ناواقف ہوتا تھا خود ان کی زندگی ہی میں اور ان کے بعد تو لازمی طور سے ضرورت ہوگی اصول کو اپنی طرف سے تراشا جائے جیسا کہ ہوا بھی، اسی لئے لوگوں نے دین خدا میں اجتہاد کی بنیاد ڈالی اور احکام جاننے کے لئے کچھ اصول مقرر کر لئے۔

اور مسلمانوں کا پہلا طبقہ جو شرف صحابیت رکھتا تھا اس کے اجتہاد کو تجویز کر دیا گیا تاکہ معینہ اصول سے احکام تراش کر تعلیم کریں، اجتہاد کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے جب خدا کا واقعی حکم معلوم نہ ہو اور اصول سے استنباط کیا جائے اصحاب کے لئے اجتہاد تجویز کرنا اس کے یہ معنی ہیں کہ اصحاب بھی حکم خدا کے واقعی احکام پر مطلع نہ تھے اور اصول سے احکام تراش کر کے بیان کرتے تھے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اگر دین کو سمجھنے اور خدائی احکام دریافت کرنے کے لئے اصول کافی ہیں تو پھر ہم کو نبیؐ کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اگر پیغمبرؐ کی موجودگی میں اصول بیکار ہیں تو اس کے بعد وہ کیونکر کارآمد ہو سکتے ہیں۔

دین الٰہی کی حفاظت کا تو یہی طریقہ ہے کہ پیغمبرؐ اسلام خود کسی کو یہ احکام بتا دیں تاکہ وہ ان کی حفاظت کرے اور امت کو خدا کے واقعی احکام بتلائے اور اس کو احکام تراشنے اور اصول سے معلوم کرنے کی ضرورت نہ ہو،

جس طریقہ سے رسول خداؐ خدا کے واقعی احکام بتاتے تھے اسی طرح وہ بھی بتائے۔

رسول خداؐ نے اپنی شریعت کی حفاظت کے لئے ائمہ اہلبیتؑ کو منتخب فرمایا جن میں سب سے پہلی فرد امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔

حضرتؐ نے وہ تمام احکام جو خداوند عالم نے ان کو تعلیم فرمائے تھے حضرت علیؑ کو صرف بتا ہی نہیں دئے بلکہ لکھوا بھی دئے اور وہ کتاب امیر المومنینؑ کے پاس رہی اور ان سے ان کے جانشینوں کی طرف منتقل ہوتی رہی، اور ائمہ اظہار ضرورت کے وقت اس کتاب سے احکام لے کر بیان کرتے تھے، اس کتاب کا تفصیلی تذکرہ ہم کتب احادیث کی تصنیف کے سلسلہ میں کریں گے۔

امیر المومنینؑ نے رسولؐ کی گود میں پرورش فرمائی تھی، اور جلوت وخلوت میں حاضر رہا کرتے تھے، اور برابر احکام کے متعلق دریافت کرتے تھے، اور جب دریافت نہ کرتے تھے تو رسول خداؐ خود سے بیان کردینا شروع کردیتے تھے۔

حضرت امیر المومنینؑ کو احکام شریعت اس طریقہ سے تعلیم کردیے تھے کہ حضرت ان کے متعلق ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

علی خازن وعیبة علمی۔

علیؑ میرے علم کے خزینہ دار اور میرے علم کے ظرف ہیں۔

اور ایک حدیث میں حضرت رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے ارشاد

فرمایا:-

انت وارثی وحامل لوائی

(اے علیؑ) تم ہی میرے وارث اور میری لوا کے حامل ہو۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے علوم بطور میراث حضرت علیؑ کی طرف منتقل ہوئے اور وہی آنحضرت کے وارث ہوئے اور انبیاء کی میراث درہم ودینار نہیں ہوا کرتے بلکہ ان کی میراث وہی علوم ہوتے ہیں جو خداوند عالم ان کو عطا فرماتا ہے اور آنحضرتؐ کی مشہور حدیث

انا مدینۃ العلم وعلیؓ بابھا فمن اَرَادَ العلم فلیاتھا من بابھا۔

میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں پس جو علم چاہے وہ دروازہ سے آئے۔

بھی) اس امر میں صریح تر ہے کہ جو علم رسولؐ کا خواہاں ہو وہ حضرت علیؑ سے علم حاصل کرے۔

بہرحال جناب رسولؐ خدا کے ارشادات اس امر کو صاف بیان کر رہے ہیں کہ علوم محمدیہ کے خزینہ دار اور وارث حضرت علیؑ ہی ہیں اور وہ علوم انھیں کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتے ہیں، حضرت علیؑ ائمہ اطہار کی

لہ اس حدیث کو ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے ۱۲

سہ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں چار طریقوں سے روایت کیا ہے ۱۲

پہلی فرد ہیں لہٰذا آنحضرتؐ کے علوم ائمہ اطہار ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں وہی حضرات علوم رسولؐ کے سلسلہ بہ سلسلہ خزینہ دار و وارث رہے ہیں، اور خود رسول خداؐ نے اس امر کی تصریح بھی فرما دی ہے کہ اسلامی تعلیمات اور علوم رسولؐ حاصل کرنے کے لئے جس طرح علیؑ ابن ابیطالبؑ کی اقتدا کرنا لازم ہے اسی طرح باقی ائمہ کی بھی اقتدا لازم ہے۔

چنانچہ حافظ ابونعیم نے اپنی مشہور کتاب حلیۃ الاولیاء میں بروایت عکرمہ ابن عباس سے روایت کی ہے، ابن عباس کا بیان ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا کہ :-

من سرہ ان یحیی حیاتی و یموت مماتی ولیکن جنۃ عدن غرسھا ربی فلیوال علیا من بعدی ولیوال ولیہ ولیقتد بالائمۃ من بعدی فانھم عترتی خلقوا من طینتی ورزقوا فھما وعلما وویل للمکذبین بفضلھم من امتی المقاطعین فیھم صلتی لا انالھم اللہ شفاعتی۔

جسے یہ امر اچھا معلوم ہو کہ میری ایسی زندگی جیئے اور میری طرح مرے اور اس باغ میں رہے جسے میرے رب نے لگایا ہے اُسے چاہیے کہ میرے بعد علیؑ کی ولایت اختیار کرے اور ان ائمہ کی اقتدا کرے جو میرے بعد ہیں وہی

میری عترت ہیں وہ میری ہی طینت سے خلق ہیں انھیں
خدا نے علم وفہم سب دیا ہے ۔ ان لوگوں پر میری امت کے
وائے ہو جو اُن کے فضل کو جھٹلائیں اور ان کے بارے میں
میرے روابط کو قطع کریں خدا کرے انھیں میری شفاعت
نصیب نہ ہو۔

اور موفق خوارزمی نے ابوالقاسم بن جعفر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب سے نقل کیا ہے ، وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے پدر بزرگوار سے انھوں نے حضرت امام حسینؑ سے روایت کی ہے ، حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے نانا حضرت رسولخدا کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ

من احبّ ان یحیی حیاتی ویموت مماتی ویدخل الجنّة الّتی وعدنی ربی فلیتول علیًّا وذرّیته الطاهرین ائمة الهدیٰ ومصابیح الدجیٰ من بعده فانهم لن یخرجوکم من باب الهدیٰ الی باب الضّلاله۔

جو یہ چاہتا ہے کہ میری زندگی جئے اور میری موت مرے اور اس جنت میں داخل ہو جس کا وعدہ مجھ سے میرے رب نے کیا ہے تو اُسے چاہئے کہ علیؑ اور اُن کی ذریت طاہرین کی محبت اختیار کرے جو علیؑ کے بعد ائمہ ہدیٰ ہیں اور تاریکی میں چراغ

ہیں وہ تم کو ہدایت کے دروازہ سے نہ خارج ہونے دیں گے۔ نہ گمراہی کے دروازہ میں داخل ہونے دیں گے۔

متذکرۂ بالا روایات اس امر پر اچھی طرح روشنی ڈال رہی ہیں کہ حضرت علیؑ، اور ائمہ اطہار کی (جو ذریت رسولؐ ہیں) اقتدا کرنا چاہئے کیونکہ یہ کبھی ہدایت سے پھیر کر ضلالت کی طرف نہ لے جائیں گے۔

اور اقتدا کے یہی معنی ہیں کہ ان کو ماخذ احادیث قرار دے کر ان سے احادیث حاصل کر کے عمل کیا جائے۔

دوسری وجہ۔ خداوند عالم نے اہلبیتؑ رسالتؐ کو خلعت عصمت وطہارت سے آراستہ فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف (پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب) میں ارشاد فرماتا ہے۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھلبیت ویطھرکم تطھیراً ۝

اے (پیغمبرؐ کے) اہلبیتؑ خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) برائی سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔ ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔

اور یہ تو اتر ثابت ہے کہ آیۂ مبارکہ میں اہلبیت اطہار ہی مراد ہیں چنانچہ سنن ترمذی میں مناقب اصحاب کا تذکرہ کرنے کے بعد ام سلمہ سے روایت ہے کہ

ان النبی جلل علی الحسنؑ والحسینؑ وعلیؑ و

فاطمہ کساء ثم قال اللّٰھم ھؤلاء اھلبیتی وخاصتی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرًا۔

رسولؐ خدا نے امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کو چادر اڑھائی اور فرمایا خداوندا یہی میرے اہلبیتؑ اور مخصوصین ہیں ان سے برائی کو دور رکھ اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھ۔

اور ترمذی ہی نے جامع میں عمر بن ابی سلمہ ربیب رسول خدا سے روایت کی ہے کہ:

یہ آیت جناب رسولؐ خدا پر ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی پس حضرتؐ نے حضرت فاطمہؑ، امام حسنؑ، اور امام حسینؑ کو بلا کر کساء اڑھائی، حضرت علیؑ، آنحضرتؐ کے پس پشت بیٹھے ہوئے تھے، پس حضرتؐ نے ارشاد فرمایا اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرًا۔

اور امام احمد بن حنبل نے بھی اسے آٹھ طریقوں سے روایت کیا ہے جن کے الفاظ تو مختلف ہیں مگر معنی میں اتفاق ہے۔ انھوں نے یہی فرمایا ہے کہ یہ آیت جناب رسولؐ خدا، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ حضرت حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور اسی کے مثل امام بخاری

اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں اور حمیدی نے بین الصحیحین میں روایت کی ہے۔

اور امام ثعلبی نے اسے سات طریقوں سے نقل کیا ہے، اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خدا (نزول آیت کے وقت سے) چھ[1] ماہ تک روزانہ فجر کے وقت حضرت سیدہؑ کے دروازہ پر تشریف لے جا کر فرمایا کرتے تھے۔

الصلوٰۃ یا اھل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

اے اہلبیتؑ! نماز! اللہ نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ تم سے ہر طرح کی برائی کو دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔

اور حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ یہ حدیث شرط مسلم کے موافق صحیح الاسناد ہے اور امام احمد فارس بغوی صاحب مجمل نے تطہیر کے معنی یہ بتائے ہیں۔ ھو التنزّہ عن الاثم والقبائح۔

جس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت رسولؐ ہر قسم کے گناہ اور برائیوں سے پاک تھے اور عصمت کے بھی یہی معنی ہیں۔

---

[1] اور بروایت ابن عباس سات ماہ تک اور بروایت ابن جریر اور ابن المنذر اور طبرانی آنحضرتؐ کا یہ طریقہ آٹھ ماہ تک جاری رہا۔ ۱۲

جب خداوند عالم نے اہلبیتؑ اطہار کو معصوم قرار دیا ہے تو ان سے جو کچھ بھی معلوم ہوگا وہ حق وصواب اور ہدایت ہی ہدایت ہوگا اس لئے کہ ایسے امر کی تعلیم دینا جو لوگوں کے لئے موجب ضلالت وگمراہی ہو گناہ کبیرہ ہے۔ اور اہلبیتؑ رسول کے علاوہ کسی شخص کی عصمت پر نہ کوئی دلیل قائم ہے نہ کوئی قائل ہے خواہ وہ صحابی ہو یا تابعی اور جو شخص جامۂ عصمت سے آراستہ نہ ہو اُس کے اوپر کبھی یہ اطمینان نہیں ہو سکتا کہ یہ جو کچھ بتائے گا وہ حق وصواب اور ہدایت ہی ہدایت ہوگا۔

ایسی صورت میں ہر عقل سلیم یہی حکم دے گی کہ احادیث کا ماخذ اور احکام الٰہیہ کا خزینہ دار ان ہی اشخاص کو قرار دیا جائے جو جامۂ عصمت سے آراستہ ہوں تاکہ ان سے جو کچھ معلوم ہو وہ حق وصواب اور خدا کا واقعی حکم ہو اور اس میں خطا کا کوئی احتمال نہ ہو اور یہ صرف اہلبیت رسول ہی کے ساتھ مخصوص ہے لہذا ماخذ احادیث بھی اہلبیتؑ رسالت ہی ہوں گے۔

تنبیہ:۔ جو لوگ کہ اہلبیت رسولؐ کے علاوہ صحابہ وغیرہ سے احادیث حاصل کرتے ہیں اور اُن کو ماخذ احکام الٰہیہ قرار دیتے ہیں وہ خود بھی اپنے خیال میں خطا سے محفوظ نہیں ہیں اس لئے کہ وہ صحابہ کو مجتہد مانتے ہیں اور مجتہد کے لئے اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ:۔

انہ قد یصیب وقد یخطی۔

وہ اپنے اجتہاد میں کبھی ثواب پر ہوتا ہے اور کبھی خطا کرتا ہے۔

خطا کرنے والوں کو احکام الٰہیہ و احادیث کا ماخذ قرار دینا اور ان کی احادیث پر اپنے مذہب کا دارومدار قرار دینا قرین دانشمندی نہیں ہے۔

اور جو لوگ اہلبیت اطہار کو ماخذ احادیث قرار دیتے ہیں ان کو غلطی سے محفوظ رہنے کا اطمینان ہے اس لئے کہ وہ ائمہ اطہار کو بایں معنی مجتہد نہیں مانتے اس لئے کہ ان کو خدا کا واقعی حکم اسی طرح معلوم ہے جس طرح جناب رسولؐ خدا کو معلوم تھا کیونکہ جناب رسول خدا اپنے علوم میراث میں اپنے اہلبیتؑ کو دے گئے تھے لہذا اہلبیتؑ کو اجتہاد کی ضرورت ہی نہ تھی۔

—— اجتہاد کی تو اُسی شخص کو ضرورت ہوا کرتی ہے جس کو خدا کا واقعی حکم معلوم نہ ہو۔

اب ارباب انصاف خود فیصلہ کرلیں کہ خدا کے احکام اور اپنے مذہب کا دارومدار ان لوگوں کے اقوال وارشادات پر قرار دینا چاہئیے جو خدا کے احکام پر واقعی اطلاع رکھتے ہیں یا اُن لوگوں کے اقوال وارشادات پر جو احکام الٰہیہ کو اپنی رائے اور قیاس سے بتاتے ہیں۔

تیسری وجہ - اہلبیتؑ اطہار کی محبت کو خداوند عالم نے واجب کیا ہے بلکہ اس کو اجر رسالت قرار بھی دیا ہے چنانچہ قرآن شریف (سورۃ الشوریٰ پارہ ۲۵) میں ارشاد فرمایا ہے کہ:-

قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ۔

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ میں اس (تبلیغ رسالت)

کا اپنے قربت داروں (اہلبیتؑ) کی محبت کے سوا تم سے
کوئی صلہ نہیں مانگتا۔

شیخ مومن شبلنجی نورالابصار میں لکھتے ہیں کہ امام ابوالحسین بغوی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس کی طرف مرفوع کر کے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا حضرت یہ کون لوگ ہیں جن کی مودت کا خدا نے ہمیں حکم دیا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ و فاطمہؑ اوران کے دونوں فرزند۔ (حسنؑ و حسینؑ)

اور امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور علامہ زمخشری اور ثعلبی نے اپنی اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے فرزند حسنؑ اور حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

پروردگار عالم آنے والی چیزوں کا اسی طرح علم رکھتا ہے۔ جس طرح گذشتہ چیزوں کا اُسے علم ہوتا ہے اسی لئے اس نے اہلبیتؑ اطہار کی محبت کو واجب ولازم کر دیا کیونکہ محب محبوب کی مرضی کا پابند ہو جاتا ہے۔

جب لوگ اہلبیتؑ رسولؐ سے محبت کریں گے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ اہلبیتؑ کی مرضی کو اپنی مرضی پر مقدم کریں ورنہ محبت صادق نہ آئے گی۔ اور رسولؐ خدا کے بعد اہلبیتؑ رسولؐ ہی ایسے جو جامۂ عصمت وطہارت سے آراستہ ہونے کی وجہ سے مرضی معبود سے ذرہ برابر بھی تجاوز

نہیں کرتے اور جب لوگ اہلبیت رسولؐ کو دوست رکھنے کی وجہ سے ان کی مرضی کے موافق عمل کریں گے وہ حقیقتہً مرضی معبود پر عمل ہوگا۔

اور اہلبیتؑ رسولؐ کے علاوہ اور کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو ذرا برابر بھی مرضی معبود سے تجاوز اور معصیت نہ کرے اسی لئے اہلبیتؑ کے علاوہ نہ کسی کی محبت کو واجب کیا نہ اجر رسالت قرار دیا۔

اس آیۂ مبارکہ سے اہلبیت اطہار کی محبت ہر شخص پر واجب و لازم ہوئی اور محبت میں ضروری ہے کہ محبوب کے طریقہ پر عمل کیا جائے اس کی تعلیمات سے سبق لیا جائے۔

اہلبیتؑ رسولؐ کے طریقہ کا اتباع نہ کرنا، احکام الٰہیہ اور احادیث کو اُن سے حاصل نہ کرنا اور پھر محبت کا دعویٰ کرنا بجائے مفید ہونے کے اور وزر و وبال کا سبب ہو جائے گا۔ چنانچہ شیخ محمد صبان اپنی مشہور کتاب "اسعاف الراغبین" میں اہلبیتؑ اطہار کے فضائل و مناقب اور ان کی محبت کے واجب و لازم ہونے اور بغض و عداوت کو سبب عذاب آخرت اور دخول نار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فالزم یا اخی محبتھم ومودتھم واحذر عداوتھم وان تقع فیھم بشیٔ و مخافۃ ان تقع فیما تقدم من الوعید۔

واعلم ان المحبۃ المعتبرۃ الممدوحۃ ھی ما کانت مع سنۃ المحبوب اذ مجرد محبتھم

من غیر اتباع لسنتھم لا تفید مدعیھا شیئا من الخیر بل تکون علیہ وبالا وعن ابا فی الدنیا والاخرۃ علی ان ھذہ لیست محبۃ فی الحقیقۃ اذ حقیقہ المحبتہ المیل الی المحبوب وایثار محبوباتہ ومرضیاتہ علی محبوبات النفس و موضیاتھا والتادب باخلاقہ وآدابہ۔

اے برادر اہلبیت کرام کی محبت ومودت کو اپنے اوپر واجب ولازم کرلو اور ان کی عداوت ودشمنی سے بچتے رہو ان کے بارہ میں کوئی بیجا بات مت کہو کہیں اس وعید میں مبتلا نہ ہوجاؤ جس کا ہم پہلے تذکرہ کر آئے ہیں۔

اور اس امر کو خوب جان لو کہ وہی محبت معتبر وممدوح ہے جو طریقہ محبوب کے اتباع کے ساتھ ہو اس لئے کہ بغیر ان کے طریقہ کا اتباع کئے ہوئے ان سے محبت کرنا محبت کا دعوے کرنے والے کے کچھ مفید نہیں بلکہ دنیا وآخرت میں اس پر وزر وبال اور عذاب ہے۔

علاوہ بریں ایسی محبت درحقیقت محبت بھی تو نہیں ہے کیونکہ حقیقی محبت تو یہ ہے کہ محبوب کی طرف میل ہو اور اس کی محبوبات ومرضیات کو نفس کی محبوبات ومرضیات پر اختیار کیا جائے" بہرحال جبکہ خداوند عالم نے ہم کو اہلبیتؑ اطہار

کی محبت کا حکم دیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محبت اس وقت تک صادق نہیں آسکتی جب تک کہ طریقہ محبوب کا اتباع نہ کیا جائے اور طریقہ محبوب کا اس وقت تک اتباع نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان کے ارشادات کو حاصل نہ کیا جائے لہٰذا اہلبیتؑ سے محبت کرنا ان کے طریقہ کا اتباع کرنا ان سے احادیث حاصل کر کے عمل کرنا ہمارا فرض ہوگا، اور چونکہ اہلبیتؑ کے علاوہ کسی اور شخص کی محبت نہ ہم پر واجب کی گئی ہے نہ اجرِ رسالت قرار دی گئی ہے اس لئے طریقہ اہلبیتؑ کے علاوہ کسی اور طریقہ کا اتباع اور اہلبیتؑ رسولؐ کے علاوہ کسی اور کو ماخذ احکام و احادیث قرار دینا ہم پر لازم نہ ہوگا بلکہ اس کا ترک کرنا ضروری ہوگا۔

اس صورت میں ماخذ احادیث صرف اہلبیتؑ رسالتؐ ہی قرار دیئے جا سکتے ہیں نہ اصحاب وغیرہ۔

چوتھی وجہ۔ جناب رسولؐ خدا نے اپنی حیات کے آخری ایام میں مسلمانوں کو وصیت فرمائی۔

لہ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں تین طریقوں سے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں بھی تین طریقوں سے اور امام حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں دو طریقوں سے اور رزین العبدری نے جمع بین الصحاح الستہ میں اور ثعلبی اپنی تفسیر اور ابن مغازلی نے اپنی کتاب مناقب میں روایت کیا ہے ۱۲۔

انی ترکت فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی۔

میں نے تم میں ایسی چیزیں چھوڑی ہیں اگر ان سے تمسک کرو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے وہ چیزیں کیا ہیں خدا کی کتاب اور میری عترت

اس حدیث میں جناب رسولؐ خداؐ نے اپنے بعد کے زمانہ کے لئے مسلمانوں کو دو چیزوں سے تمسک کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۱) کتاب خدا۔

(۲) اہلبیتؑ اطہار۔

اور اس امر کی ضمانت فرمائی ہے کہ جب تک ان دونوں سے تمسک رکھا جائے گا ضلالت و گمراہی سے حفاظت رہے گی قرآن سے تمسک کرنے کا یہ مقصود ہے کہ اس سے خداوندی احکام حاصل کئے جائیں لہذا اہلبیتؑ سے تمسک کرنے کا بھی یہی مقصود ہوگا اس لئے کہ دونوں کا تذکرہ ساتھ ساتھ ہے لہذا ہر مومن کا فرض ہوگیا اگر وہ ہدایت کا طالب ہے اور ضلالت و گمراہی سے یقینی طور پر بچنا چاہتا ہے تو قرآن کے ساتھ ساتھ اہلبیتؑ سے تمسک کرے اور احادیث کو ان سے حاصل کرے اور اگر احادیث کو اہلبیتؑ سے حاصل کر کے عمل نہ کرے گا بلکہ ان کے علاوہ اور کسی (صحابہ وغیرہ) سے حاصل کرے گا تو گمراہی سے محفوظ نہ رہ سکے گا اور حضرت رسولؐ خدا کی ضمانت اس کے لئے شامل نہ ہوگی اس لئے کہ آنحضرتؐ نے گمراہی سے

محافظت کی ضمانت اہلبیتؑ سے تمسک کرنے میں فرمائی ہے نہ اُن کے علاوہ کسی اور سے تمسک کرتے ہیں۔

ہر عاقل کا فرض ہے کہ ماخذ احادیث صرف اسی کو قرار دے جس میں گمراہی کا اندیشہ نہ ہو اور ہدایت کا اطمینان ہو اور ایسی ذات بمفاد حدیث رسولؐ صرف اہلبیتؑ اطہار کی ذات ہے لہٰذا انھیں کو ماخذ احادیث قرار دینا معین ہوگا ورنہ دین اسلام سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی مشہور کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" میں تحریر فرماتے ہیں:-

باتفاق شیعہ و سنّی یہ حدیث ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ انّی تارك فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی احد ھما اعظم من الآخر کتاب اللہ و عترتی۔

پس معلوم ہوا کہ مقدمات دینی اور احکام شرعی میں پیغمبرؐ نے ہمیں وہ عظیم القدر چیزوں کے حوالہ کیا ہے، پس جو مذہب کہ امور شرعیہ میں ان دونوں کے مخالف ہوگا خواہ عقیدہ میں یا عمل میں باطل و نامعتبر ہے اور جو ان دو بزرگ چیزوں سے انکار کرے وہ گمراہ اور دین سے خارج ہے۔

ائمۂ اطہار کی احادیث پیغمبرؐ خدا کی احادیث ہیں

ائمۂ اطہارؑ میں سے جو امام جو حدیث بھی بیان کرتا تھا وہ حقیقت میں جناب سرور کائناتؐ کی حدیث ہوتی تھی بلکہ ان کا جو کلام ہوتا تھا وہ بعینہ آنحضرتؐ کا کلام یا اس سے ماخوذ و مستنبط ہوتا تھا، اسی وجہ سے فرقۂ شیعہ کا یہ معمول رہا کہ جب حدیث کا سلسلۂ سند ائمۂ اہلبیتؑ میں سے کسی امام پر پہنچ جاتا ہے تو اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور اس کی ضرورت نہیں سمجھے کہ ہر ہر حدیث کی سند جناب رسولؐ خدا تک پہنچ جائیں۔

اور ائمہ اطہار کا بھی ابتداء سے یہی طرزِ عمل چلا آیا ہے کہ جب وہ کسی حدیث کو اپنے شیعوں سے بیان کرتے تھے تو اس میں سلسلۂ سند کو اپنے آبائے طاہرین کی وساطت سے جناب رسول خدا تک کے جانے کی ضرورت نہ سمجھے اسی لئے اکثر اوقات غیر معنعن احادیث بیان فرما دیا کرتے تھے، البتہ کبھی کبھی مصلحت و ضرورت کے لحاظ سے بعض حدیثوں کا سلسلۂ سند جناب رسولؐ خدا تک پہنچا کر بیان فرمایا کرتے تھے۔

امام محمد باقرؑ نے ایک مرتبہ اس کو بیان بھی فرما دیا ہے کہ میں جو حدیث اور سند بیان کروں اس کا سلسلۂ سند جناب رسولؐ خدا تک پہنچتا ہے چنانچہ حضرتؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

جب میں کوئی حدیث بلا سند بیان کروں تو میری سند میرے باپ سے ہے جنھوں نے اپنے آبائے طاہرین (امام

حسینؑ اور حضرت علیؑ) کے واسطے سے حضرت رسولؐ خدا سے انھوں نے جبرئیل امین سے انھوں نے خداوند عالم سے اس کی روایت کیا ہے۔

اور جناب امام جعفر صادقؑ نے بھی ایک موقع پر اس امر کو بیان کر دیا ہے کہ ہماری احادیث آنحضرتؐ کی احادیث ہیں چنانچہ ہشام بن سالم اور حماد بن عثمان وغیرہ ناقل ہیں کہ ہم نے حضرتؑ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

حدیثی حدیث ابی وحدیث ابی حدیث جدّی وحدیث جدّی حدیث الحسینؑ و حدیث الحسینؑ حدیث الحسنؑ وحدیث الحسنؑ حدیث امیرالمومنینؑ وحدیث امیرالمومنینؑ حدیث رسول اللہ وحدیث رسول اللہ قول اللہ عزوجل۔

میری حدیث میرے باپ کی حدیث ہے، اور میرے باپ کی حدیث میرے دادا کی حدیث ہے، اور میرے دادا کی حدیث امام حسینؑ کی حدیث ہے اور امام حسینؑ کی حدیث امام حسنؑ کی حدیث ہے اور امام حسنؑ کی حدیث امیرالمومنینؑ کی حدیث ہے، اور امیرالمومنینؑ کی حدیث جناب رسولؐ خدا کی حدیث ہے اور جناب رسولؐ خدا کی حدیث خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

حضرت کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ائمہ اطہار میں سے ہر امامؑ کی حدیث آنحضرتؐ کی حدیث اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اور حدیث امامؑ اور حدیث رسولؐ حقیقت میں ایک ہی شئے ہے، اور جو شخص ذرا سی بھی سمجھ رکھتا ہے اسے اس حدیث کی صداقت و راست گوئی اور حدیث امامؑ حدیث رسولؐ کے متحد ہونے میں ذرا سا شبہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ رسول اللہؐ نے اپنی احادیث میراث میں امیرالمومنینؑ کے حوالہ کی تھیں اور انھوں نے امام حسنؑ کو دیں اور امام حسنؑ نے امام حسینؑ کو اور یہ میراث امام حسینؑ سے امام زین العابدینؑ کی طرف اور ان سے امام محمد باقرؑ کی طرف ان سے امام جعفر صادقؑ کی طرف منتقل ہوئی تھیں۔

یہ احادیث ہی تھیں جو ہر ایک امامؑ کی طرف منتقل ہوتی رہیں اور جس امامؑ کے پاس پہنچیں اسی کی طرف منسوب ہوئیں۔

اس کی مثال بعینہ یوں ہی سمجھے کہ کسی شخص نے مرنے کے بعد کچھ بیش قیمت جواہرات چھوڑے جو اس کے بیٹے کو میراث میں ملے اس کے بعد یہ میراث پوتے کی طرف منتقل ہوئی اور اسی طرح اس سے اس کے بیٹے کی طرف اور اس سے اس کے بیٹے کی طرف، آخر میں جس کی طرف وہ جواہرات منتقل ہوئے ہیں اگر وہ کہنے لگے کہ میرے جواہرات میرے باپ کے جواہرات ہیں اور میرے باپ کے جواہرات میرے دادا کے جواہرات ہیں اور میرے دادا کے جواہرات میرے پردادا کے جواہرات ہیں تو اس کی صداقت و راستگوئی میں کسی اشتباہ کی کب گنجائش ہو سکتی ہے، اسی طرح اس میں بھی کوئی شک و شبہ

نہیں ہو سکتا کہ ہر امامؑ کی حدیث آنحضرتؐ کی حدیث تھی، یہ ایک واقعہ تھا جو امام جعفر صادقؑ نے اپنی حدیث میں ارشاد فرمایا۔

بہر حال ائمہ اطہار میں سے ہر امام کی احادیث آنحضرتؐ کی احادیث ہوئی ہیں خواہ وہ سلسلہ سند آنحضرتؐ تک پہنچائیں یا نہ پہنچائیں۔

خبر کی تقسیم

بعض خبریں تو عقل کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہیں جیسے ایک دو کا نصف ہے یا ہر حادث کے لئے محدث کی ضرورت ہے۔

اور بعض چیزیں حس کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہیں جیسے زید نے یہ کہا یا زید نے یہ کیا اس لئے کہ کسی شخص کا کچھ کہنا حاسۂ سمع سے اور کسی شخص کا کچھ کرنا حاسۂ بصر سے معلوم ہوا کرتا ہے۔

محسوس چیزیں جس طرح حس کرنے والے کو معلوم ہو جاتی ہیں اسی طرح حس نہ کرنے والوں کو بھی حس کرنے والوں کی خبر سے معلوم ہو جاتی ہیں۔

خبر میں صدق و کذب کے دونوں پہلو ہوا کرتے ہیں نہ ہر خبر قابل اعتبار ہو سکتی ہے نہ اس پر عمل کیا جا سکتا ہے لہذا ایک ایسا معیار قائم کر دینے کی ضرورت ہے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ کونسی خبر قابل اعتبار ہو سکتی ہے اور کونسی نہیں۔

حدیث معصوم کے ارشادات، افعال، تقریر سے خبر دینے کا نام ہے

جس شخص نے اُن کو خود سُن کر یا دیکھ کر احساس نہیں کیا اس کو ان پر اطلاع کا ذریعہ خبر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا بالخصوص موجودہ زمانہ میں جبکہ ہم معصومینؑ کے ارشادات کو خود سن سکتے ہیں نہ ان کے افعال کو دیکھ سکتے ہیں۔

اس زمانہ میں معصومینؑ کے ارشادات اور افعال پر خبر کے علاوہ کسی دوسرے ذریعہ سے اطلاع ہی نہیں ہو سکتی اس لئے ضرورت ہے کہ مختصر طور سے خبر کے اقسام بیان کر دیے جائیں تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کس خبر سے علم حاصل ہو جاتا ہے اور کس خبر سے صرف ظن (گمان) حاصل ہوتا ہے۔

خبر کی قسمیں

خبر کی دو قسمیں ہیں :۔

اوّل۔ متواتر[1] جس سے وہ خبر مراد ہے جسے اتنے لوگوں نے بیان کیا ہو جن کی محض خبر ہی سے علم حاصل ہو جائے خبر دینے والوں کا

---

[1] متواتر کے تحقق اور خبر متواتر سے علم حاصل ہونے میں چار شرطیں ہیں، دو خبر دینے والوں میں اور دو خبر سننے والوں میں، خبر دینے والوں میں یہ شرط ہے کہ (۱) ابتداء سے انتہا تک ہر طبقہ میں اس کثرت سے خبر دینے والے ہوں کہ ان کے کذب و افتراء پر متفق ہو جانے کو عقل تجویز نہ کرتی ہو۔ (۲) جس چیز کے متعلق خبر دی گئی ہے اس کا تعلق محسوسات سے ہو اور خبر سننے والوں میں

کبھی تو صرف ایک طبقہ ہوتا ہے جس سے وہ جماعت مراد ہے جس نے کسی چیز کا خود احساس کر کے خبر دی ہو یعنی کسی معصوم کو فرماتے ہوئے خود سنا ہو یا اُن کو کوئی فعل بجالاتے دیکھا ہو اس کے بعد خبر دی ہو کہ معصوم نے یہ ارشاد فرمایا انھوں نے ایسا کیا، اس طبقہ میں جب اتنی کثرت سے لوگ ہوں گے جن کی صرف خبر ہی سے علم حاصل ہو جائے تو اس طبقہ کی خبر خبر متواتر کہلائے گی۔

اور کبھی خبر دینے والوں کے دو طبقے ہوتے ہیں اور وہ اس طرح کہ خبر دینے والوں نے خود تو اس چیز کا احساس نہ کیا ہو جس سے خبر دے رہے ہیں مگر ایسی جماعت سے اس خبر کو حاصل کیا ہو جنھوں نے خود احساس کیا ہے۔

دوسرے طبقہ نے جس خبر کو بیان کیا ہے وہ اسی وقت متواتر ہوگی جب اس میں بھی پہلے طبقہ کی طرح اتنے لوگ خبر دینے والے ہوں جن کی صرف خبر ہی سے علم حاصل ہو جائے چونکہ اخبار متواترہ میں بیشتر متعدد طبقات ہوتے ہیں اس لئے اُن میں تمام طبقات مساوی ہونے چاہئیں اور ابتدائی درمیانی انتہائی تمام طبقات میں خبر دینے والوں کی اتنی کثرت ہونی چاہیئے جن کی صرف خبر سے علم حاصل ہو جائے، اگر کسی ایک طبقہ میں بھی اتنے لوگ

(بقیہ ص ___) یہ شرط ہے کہ (۱) خبر سننے والوں کو پہلے سے اس کا علم نہ ہو۔
(۲) خبر سننے والوں کو پہلے سے اس کے خلاف کوئی شبہ نہ ہو اور نہ مضمون خبر کے خلاف وہ کوئی عقیدہ رکھتے ہوں ۱۲۔

نہ ہوں گے تو خبر متواتر نہ ہوگی ۔

خبر متواتر کی قسمیں

خبر متواتر کی دو قسمیں ہیں ۔

(۱) متواتر لفظی، جس سے وہ خبر مراد ہے جس میں خبر دینے والوں کے الفاظ متفق ہوں ۔ جیسے :۔

۱ ۔ قرآن شریف ۔

۲ ۔ یا جناب رسولؐ خدا کی حدیث ۔

من کذب علیّ متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النّار

کہ بعینہ انھیں الفاظ کو بہت سے اصحابؓ نے جناب رسولؐ خدا سے نقل کیا ہے اور بعد میں راویوں کی تعداد بڑھتی ہی چلی گئی ۔

۳ ۔ یا جناب رسولؐ خدا کی حدیث ۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ

کہ جسے بہت سے اصحاب نے انھیں الفاظ کے ساتھ جناب رسولؐ خدا سے نقل کیا ہے اور بعد والے طبقات میں بھی اس کے راوی تواتر سے زیادہ ہی رہے ۔

اور حدیث انما الاعمال بالنیات ۔

؎ ان کی تعداد بعض لوگوں نے چالیس اور بعض نے باسٹھ تحریر کی ہے ۱۲

گو اگرچہ قریب قریب علما را اسلام اور راویان حدیث نے نقل کیا ہے
مگر وہ متواتر نہیں ہے اس لئے کہ اس حدیث کے راوی اگرچہ اب حد تواتر سے
بھی زیادہ ہیں مگر یہ تواتر ابتدا میں نہ تھا درمیان میں طاری ہوا ہے اور حدیث
اسی وقت متواتر کہی جاسکتی ہے جب تمام طبقات میں تواتر ہو۔

(۲) متواتر معنوی جس سے وہ خبر مراد ہے جس میں خبر دینے والوں
کے الفاظ تو مختلف ہوں مگر ان سب خبروں میں ایک ایسا امر موجود ہو جو تمام خبروں
میں مشترک ہو یعنی کچھ راوی ایک واقعہ کا ذکر کریں اور کچھ راوی دوسرا واقعہ نقل
کریں اور کچھ راوی تیسرے واقعہ کی خبر دیں مگر یہ تمام واقعات ایک مشترک
امر پر مشتمل ہوں اسی قدر مشترک کو "متواتر معنوی" یا متواتر من جہۃ المعنی"
کہا جائے گا جس طرح کہ کچھ لوگ یہ خبر دیں کہ حاتم نے ایک سائل کو سو دینار دیے
اور کچھ لوگ بیان کریں کہ سو اونٹ بخش دیے اور کچھ لوگ روایت کریں کہ پچاس
گھوڑے عطا کر دیے، یہاں تک راوی تواتر کی حد تک پہنچ جائیں تو ان خبروں
سے یہ معلوم ہوگا کہ حاتم نے مال دیا جو ان تمام خبروں میں مشترک ہے اور مال کا
دینا سخاوت کی دلیل ہے لہٰذا ان مختلف خبروں سے حاتم کے سخی ہونے پر تواتر معنوی[1]

---

[1] اور تواتر معنوی سے حاتم کی سخاوت کا علم حاصل ہو جائے گا اس لئے کہ تمام اخبار آحاد یعنی حاتم کے سخی ہونے میں مشترک ہیں، اور ان میں ہر چیز کا راوی بالصراحت اس امر مشترک کا بھی راوی ہے اور جب بیان کرنے والے تواتر تک پہنچ جائیں گے تو یہ امر مشترک بھی متواتر ہو جائے گا البتہ متواتر معنوی ہوگا۔ ۱۲

ہو گا یا جیسے حضرت علیؑ کی شجاعت اس لئے کہ بہت سے لوگوں نے متعدد لڑائیوں میں آپ کی بہادری کے مختلف کارنامے ذکر کئے ہیں اگرچہ ہر ہر خبر پر تواتر نہیں ہے مگر قدر شجاعت "ہر خبر" سے معلوم ہوتی ہے یا جیسے اصول ہائے شرائع، نماز ہائے یومیہ کا وجوب، رکعات نماز کی تعداد، زکوٰۃ و حج وغیرہ کہ جو روایات و اخبار اُن کو ثابت کرتی ہیں وہ متواتر معنوی ہیں۔

دوم، احاد۔ جس سے وہ خبر مراد ہے جس کو نقل کرنے والے خبر متواتر کی حد تک نہ پہنچیں خواہ وہ تعداد میں کم ہوں یا زیادہ۔

خبر آحاد سے علم تو حاصل نہیں ہوتا مگر ظن ہو جایا کرتا ہے البتہ اگر قرائن کو بھی شامل کر دیا جائے تو خبر آحاد سے علم حاصل ہو جاتا ہے جیسے اگر کوئی شخص اپنے قریب بہ مرگ فرزند کے مرنے کی خبر دے اور ساتھ ساتھ یہ قرائن بھی موجود ہوں کہ وہ سر و پا برہنہ اور گریہ و زاری میں مصروف ہو، اس کے گھر میں سے رونے چیخنے کی آوازیں آرہی ہوں، تجہیز و تکفین کا سامان ہو رہا ہو تو سننے والے کو خبر واحد ہی سے علم و یقین حاصل ہو جائے گا اور اسے خبر دینے والے کے فرزند کی موت میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے گا۔

بہر حال جب قرائن کا لحاظ نہ کیا جائے اور صرف خبر ہی کو دیکھا جائے تو خبر متواتر سے علم و یقین حاصل ہو گا خواہ وہ متواتر لفظی ہو یا متواتر معنوی اور خبر آحاد سے صرف ظن حاصل ہو گا نہ علم و یقین۔

احادیث پر عمل

خبر متواتر سے چونکہ علم و یقین حاصل ہو جاتا ہے اس لئے حدیث متواتر پر عمل کرنا واجب ہے خواہ حدیث متواتر لفظی ہو یا متواتر معنوی۔

اور جو حدیث اخبار احاد میں داخل ہو اور اس کے ساتھ ایسے قرائن بھی موجود ہوں جن سے علم حاصل ہو جائے تو وہ حدیث بھی حدیث متواتر کے حکم میں ہوگی، اور اس خبر واحد پر عمل کرنا اسی طرح واجب ہوگا جس طرح حدیث متواتر پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

اور جو قرائن کہ حدیث کو اخبار آحاد کے حکم سے خارج کر کے اخبار متواتر کے حکم میں داخل کر دیتے ہیں جن کی وجہ سے اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حدیث ادلۂ عقلیہ اور مقتضائے عقل کے موافق ہو۔

۲۔ حدیث ظاہر قرآن کے موافق ہو۔

۳۔ حدیث سنّت قطعیہ کے موافق ہو۔

۴۔ حدیث اس امر کے موافق ہو جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہو

۵۔ حدیث اس امر کے موافق ہو جس پر فرقہ حقہ کا اجماع ہو چکا ہو۔

جس حدیث میں متذکرہ بالا قرائن میں سے کوئی قرینہ موجود ہوگا تو اس پر عمل کرنا واجب ہو جائے گا۔

اور جو حدیث اخبار آحاد میں داخل ہو اور ایسے قرائن سے خالی ہو جن کی وجہ سے علم حاصل ہو جائے تو اس پر عمل کرنے کے جائز ہونے میں اختلاف ہے۔

بعض متقدمین علماء جیسے سید مرتضیٰ، ابو المکارم بن زہرہ، قاضی

ابو القسم عبد العزیز بن البراج محمد بن ادریس الحلّی تو خبر واحد پر عمل کرنے کو جائز نہیں سمجھے مگر بیشتر متقدمین اور جمہور متأخرین اس امر کے قائل ہیں کہ اخبار آحاد پر عمل کرنا جائز ہے بلکہ اس پر اتفاق کا دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے۔

خبر واحد پر عمل کرنا جائز ہے

اور خبر واحد پر عمل کرنا کئی وجہ سے جائز ہے۔

پہلی وجہ ۔ خداوندعالم نے قرآن شریف (پارہ ۱۱ سورۃ التوبہ) میں ارشاد فرمایا ہے:۔

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔

پس ان کے لئے ہر فرقہ (گروہ) میں سے ایک طائفہ (جماعت) اس غرض سے کیوں نہیں نکلتا کہ دین کا علم حاصل کرے، اور جب اپنی قوم میں پلٹ کر آئے تو ان کو (عذاب آخرت سے) ڈرائے تاکہ وہ لوگ ڈریں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب طائفہ (جماعت قوم کو (عذاب آخرت سے) ڈرائے تو قوم پر بھی اُن کے ڈرانے سے ڈرنا اور خوف کرنا واجب ہے اس لئے کہ آیت میں "لعل" مذکور ہے جو تمنا کے لئے آیا کرتا ہے اور خدا کے لئے کسی امر کی تمنا کرنا صحیح نہیں بلکہ محال ہے۔ اس لئے یہاں مجازی معنی "طلب" مراد

ہوں گے کیونکہ یہی اقرب مجازات ہیں، اور یہ طلب بعنوانِ وجوب ہوگی اس لئے
کہ تمنا کرنے والا اس امر پر کبھی راضی نہیں ہوتا کہ جس چیز کی تمنا کر رہا ہے وہ
پوری نہ ہو اور وجوب کے بھی یہی معنی ہیں۔

پس جب طائفہ کے خوف دلانے سے قوم پر خوف کرنا واجب ہے تو اس کے
یہ معنی ہوں گے کہ خبر واحد پر عمل کرنا بھی واجب ہے اس لئے کہ طائفہ کی خبر خبر واحد
ہے کیونکہ فرقہ تو اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں کم از کم تین آدمی ہوں پس طائفہ
فرقہ کا بعض حصہ اور تین آدمیوں کے کچھ آدمی ایک یا دو ہوں گے اور ہر حال
میں طائفہ کی خبر خبر واحد ہی رہے گی۔

دوسری وجہ - خداوند عالم (پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات میں) ارشاد
فرماتا ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ
بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا

اے ایمان دارو اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر
لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔

اس آیت میں خداوند عالم نے خبر فاسق کی جانچ کا حکم دیا ہے جس سے
پتہ چلتا ہے کہ خبر عادل کی جانچ لازم نہ ہوگی، اگر خبر عادل کو قبول نہ کیا جائے گا
تو پھر فاسق و عادل دونوں کا حکم ایک ہی ہو جائے گا جو صحیح نہیں ہے لامحالہ
خبر عادل کو قبول کرنا لازم ہوگا۔ جب خبر عادل کو قبول کرنا واجب ہوا تو اس
کے یہ معنی ہوں گے کہ اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے۔

تیسری وجہ - ائمہ اطہار کے اصحاب اور ان کے بعد بھی علماء نے اخبار آحاد کے جمع کرنے اور ان کی نقل و اشاعت میں بہت کچھ اہتمام کیا ہے اسی طرح راویان حدیث کے حالات کی جستجو ان کی جرح و تعدیل میں بہت زیادہ سعی و کوشش کی ہے، اور اتنا اہتمام اس قدر سعی و کوشش صرف خبر واحد پر عمل کرنے کے لئے ہی ہو سکتی ہے۔ اگر خبر واحد پر عمل کرنا جائز نہ ہوتا تو ان کا یہ اہتمام یہ سعی و کوشش محض بیکار اور بے فائدہ ہوتی۔

چوتھی وجہ - دنیا جانتی ہے کہ جناب رسول خدا کے زمانہ میں خبر واحد پر عمل ہوتا رہا عامہ اور خاصہ سب نے ایسے واقعات بکثرت لکھے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب برابر خبر واحد پر عمل کرتے رہتے تھے مگر جناب رسول خدا یا ائمہ اطہار میں سے کسی نے بھی اس طریقہ عمل سے کسی شخص کو نہیں روکا جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس پر راضی تھے بلکہ حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ وہ امر کہ تجویز ہی نہ کرتے تھے بلکہ اس کا حکم بھی دیتے رہتے تھے۔

جناب رسول خدا احکام الٰہیہ کی تعلیم کے لئے اصحاب کو شہروں کا والی مقرر کر کے بھیجتے تھے، کسی صحابی کو کسی شہر میں اور کسی صحابی کو کسی شہر میں، اور یہ اصحاب اپنے اپنے شہروں میں جا کر اہل شہر سے خدا و رسول کے احکام بیان کرتے تھے، اور خدا اور رسول کا جو حکم بھی وہ بیان کرتے تھے اہل شہر اس کو تسلیم کر لیتے اور اس پر عمل کرتے تھے مگر نہ جناب رسول خدا نے کبھی اس امر کا خیال نہ کیا کہ ایک شہر میں اتنے والی مقرر کئے جائیں کہ وہ حد تواتر تک پہنچ جائیں تاکہ اہل شہر ان کے بیان کردہ احکام پر عمل کر سکیں، اور نہ کبھی اہل شہر نے

اپنے والی سے یہ عرض کیا کہ ہم آپ کے بتائے ہوئے احکام پر خبرِ واحد ہونے کی وجہ سے کیونکر عمل کریں، خبر احد پر عمل کرنا تو جائز ہی نہیں ہے اور ائمہ کے اصحاب کی بھی یہی حالت تھی کہ جو اصحاب ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے وہ ان سے مسائل دریافت کرتے اور وہاں سے نکل کر مومنین سے عمل کرنے کے لئے بیان کرتے تھے اور مومنین ان سے حاصل کرکے عمل کرتے تھے ——————————— حالانکہ خبرِ واحد سے علم و یقین حاصل نہیں ہوتا، اور ائمہ اطہار اپنے اصحاب کے اس طرزِ عمل پر مطلع بھی تھے مگر کبھی اُنھوں نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی اور باوجودیکہ ائمہ اطہار سے ہر قسم کے احکام میں بکثرت روایات منقول ہوئی ہیں مگر کوئی روایت ایسی نہیں ہے جو اس طریقۂ عمل کے خلاف ہو بلکہ جو روایات ملتی ہیں وہ ایسی ہی ہیں جو خبرِ واحد پر عمل کرنے کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

چنانچہ کشی نے بسند صحیح عبدالعزیز المہتدی اور حسن بن علی بن یقطین سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ:-

قلت لابی الحسن الرضاؑ جعلت فداك انی لا اكاد اصل اليك اسالك عن كل ما احتاج اليه من معالم دینی افیونس بن عبد الرحمٰن ثقة آخذ عنه ما احتاج اليه من معالم دینی فقال نعم۔

ہم نے حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم

آپ تک نہیں پہنچ سکتے تو مذہبی ضرورتوں کو آپ سے دریافت کرلیں، کیا یونس بن عبد الرحمٰن (آپ کے نزدیک) ثقہ ہیں کہ ہم ان سے مذہبی ضرورتوں کو حاصل کر لیا کریں حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں (یونس ثقہ ہیں) تم ان سے مذہبی مسائل لے لیا کرو۔

بہر حال ہمارے بیان سے واضح ہو گیا کہ جو خبر واحد قرائن سے خالی ہو اس پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔

راویان حدیث کے شرائط

یہ امر کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ہر خبر اس قابل نہیں ہوتی کہ اُسے جامۂ قبولیت پہنا دیا جائے نہ ہر حدیث اس قابل ہوتی ہے کہ اس پر آنکھ بند کر عمل کر لیا جائے۔

روایت کا اعتبار راوی کے معتبر ہونے پر ہے ہر کس و ناکس کی روایت معتبر نہیں سمجھی جا سکتی اس لئے خبر واحد کو معتبر سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے علماء نے راویوں میں چند شرطیں مقرر کر دی ہیں۔

اوّل - راوی کا بالغ ہونا۔

پس اگر کوئی غیر ممیز بچہ یا کوئی ممیز بچہ بھی قبل بلوغ روایت کرے تو اس پر عمل کرنا صحیح نہ ہوگا۔

دوّم - راوی کا عاقل ہونا۔

پس اگر کوئی مجنون روایت کرے تو اس پر عمل کرنا صحیح نہ ہوگا، البتہ
جس شخص کو جنون کا دورہ پڑتا ہے جب وہ کسی روایت کو افاقہ کی حالت میں
جب جنون کا کوئی اثر نہ ہو روایت کرے تو اس پر عمل کرنا صحیح ہوگا۔

سوم۔ راوی کا مسلمان ہونا۔

پس اگر کوئی غیر مسلم روایت کرے تو اس پر عمل کرنا صحیح نہ ہوگا

چہارم۔ راوی کا مومن ہونا۔

راوی کے مومن ہونے سے اس کا "اثنا عشری" ہونا مراد ہے۔
اس شرط کی بنا پر غیر مسلم اہلسنّت وجماعت اور ان فرقوں کے اشخاص
کی روایتوں پر عمل کرنا صحیح نہ ہوگا، جو امامیہ تو ہیں مگر اثنا عشری نہیں ہیں۔
جیسے فطحیہ، اسماعیلیہ، واقفیہ، اور ناووسیہ وغیرہ

تنبیہ۔ امامیہ اثنا عشریہ کے علاوہ اسلام کے دیگر فرقوں کے
اشخاص کی روایات پر عمل کرنے نہ کرنے کے متعلق قدرے تفصیل ہے جس کا
اس مقام پر بیان کر دینا ضروری ہے۔

(۱) اگر کوئی راوی مسلمان ہو جو باعتبار اعتقادات امامیہ اثنا عشری
نہ ہو اور ائمہ اطہار سے کوئی روایت نقل کرے تو فرقہ امامیہ کی احادیث پر
نظر کرنے کی ضرورت ہوگی۔

اگر کوئی معتبر حدیث اس روایت کے موافق موجود ہو تو اس روایت
پر عمل کیا جائے گا، اور اگر کوئی معتبر حدیث اس روایت کے مخالف موجود ہو
تو اس روایت پر عمل نہ کیا جائے گا اور اگر کوئی معتبر حدیث اس روایت کے

موافق یا مخالف موجود نہ ہو اور مضمون روایت کے خلاف کوئی قول نہ ہو تو
اس روایت پر عمل کیا جائے گا۔ بشرطیکہ راوی معتبر ہو اس لئے کہ امام
جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

اذا نزلت بکم حادثہ لا تجدون حکمھا
فیما روی عنا فانظروا الی ما رووہ عن علی
فاعملوا بہ

جب تمھیں کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس کا حکم تمھیں
ہماری مرویات میں نہ ملے تو مخالفین حضرت علیؑ نے جو روایت
کی ہو، اس پر نظر کر کے عمل کرلو۔

اسی وجہ سے فرقہ امامیہ نے حفص بن غیاث، غیاث بن کلوب،
نوح بن دراج اور سکونی وغیرہ کی ان روایات پر عمل کیا ہے جو ائمہ اطہار
سے منقول ہیں اور ان کے خلاف نہ کوئی معتبر حدیث موجود ہے نہ کوئی قول
حالانکہ یہ اہلسنت وجماعت ہیں۔

(۲) اسی طرح اگر امامیہ اثنا عشری کے علاوہ شیعہ فرقہ کا کوئی شخص
روایت کرے اور اس روایت کے موافق کوئی حدیث معتبر موجود ہو تو اس پر
عمل کیا جائے گا، اور اگر کوئی حدیث معتبر اس روایت کے خلاف موجود ہو تو
اس روایت پر عمل نہ کیا جائے گا، اور اگر کوئی موافق و مخالف نہ ہو اور فرقہ
امامیہ میں اس روایت کے خلاف عمل بھی نہ ہو رہا ہو اور راوی بھی معتبر ہو
تو اس کی روایت پر عمل کیا جائے گا اسی لئے گروہ امامیہ نے فطحیہ مثل عبداللہ

بن بکیر وغیرہ کے اخبار اور واقفیہ مثل سماعہ بن مہران اور علی بن ابی حمزہ اور عثمان بن عیسیٰ کے اخبار اور ان کے بعد بنو فضال[1] اور بنو سماعہ اور طاطریوں وغیرہ کی ان روایات پر عمل کیا ہے جن کے خلاف فرقہ امامیہ میں کوئی معتبر حدیث نہیں ہے۔

(۳) اگر کوئی راوی غالی ہو اور اس کا علم ہو کہ اس نے یہ روایت حالت استقامت میں نقل کی ہے تو قابل عمل ہو گی اور حالت غلو کی قابل عمل نہ ہو گی اسی لئے گروہ امامیہ نے ابوالخطاب محمد بن ابی زینب کی روایتوں پر عمل کیا ہے جو انھوں نے حالت استقامت میں نقل کی ان روایتوں کو چھوڑ دیا ہے جو حالت غلو میں نقل کی ہیں، اور یہی حال احمد بن ہلال العبرتائی اور ابن ابی عذافر وغیرہ کا ہے۔

(۴) اور جو لوگ متہم یا ضعفا میں داخل ہیں ان کی نقل کی ہوئی روایات کا بھی یہی حال ہے، اگر کوئی ایسی حدیث موجود ہو جو اس کی صحت پر روشنی ڈالتی ہو تو اس روایت پر عمل کر لیا جائے گا اور اگر کوئی ایسی حدیث موجود نہ ہو تو توقف کیا جائے گا اسی لئے علماء نے اس قسم کی روایات میں توقف کیا ہے اور ان کو نقل نہیں بلکہ اپنے مصنفات کی فہرستوں سے ان کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔

---

[1] بنو فضال سے حسن بن علی بن فضال کے بیٹے احمد، محمد اور علی مراد ہیں، اور یہ سب کے سب فطحی مذہب تھے ۱۲۔

پنجم ۔ راوی کا عادل ہونا ۔

راوی کے عادل ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ گناہان کبیرہ سے بچتا ہو اور گناہان صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو اور ایسے امور بجا نہ لاتا ہو ۔

پس غیر عادل اور فاسق کی روایت پر عمل کرنا صحیح نہ ہوگا ۔

ششم ۔ راوی کا ضابط ہونا ۔

راوی کے ضابط ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کا حافظہ قوی اور یادداشت زیادہ ہو اس لئے کہ جو شخص بھولتا زیادہ ہوگا وہ حدیث میں کمی زیادتی اور تغیر و تبدل کر دے گا اور اصل مقصود معلوم نہ ہو سکے گا اور اگر واسطہ کو بھول جائے گا تو حدیث کی سند میں شبہ پڑ جائے گا اور یہ نہ معلوم ہو سکے گا یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف ۔

اور ضابط ہونے سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ بالکل بھولتا ہی نہ ہو اس لئے کہ اگر یہ شرط ہوگی تو پھر معصوم کی حدیث کے علاوہ کسی دوسری کی بیان کی ہوئی حدیث پر عمل ہی نہ کیا جا سکے گا ۔ کیونکہ معصوم کے علاوہ کوئی شخص بھی سہو و نسیاں سے محفوظ نہیں رہ سکتا ۔

تنبیہ ۔ (۱) راوی میں مرد اور آزاد ہونے کی شرط نہیں ہے اس لئے کہ عورت اور عبد (غلام) دونوں کی روایتوں کو متقدمین و متاخرین نے قبول کیا ہے ۔

(۲) اسی طرح راوی میں یہ شرط بھی نہیں ہے کہ وہ فقہ اور عربیت کا عالم ہو اس لئے کہ یہاں روایت سے غرض ہے نہ درایت سے اور جناب

رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

نصر اللہ امرأً سمع مقالتی فوعاھا و اداھا کما سمعھا۔

خدا اُس شخص کی مدد کرے جو میری بات سُنے اور اُسے یاد رکھے اور جس طرح سنے اُسی طرح دوسرے تک پہنچائے۔

حدیث کے اقسام

راویوں کے اوصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے علمائے متأخرین نے حدیث کی چار قسمیں قرار دی ہیں۔

اول - صحیح - جس سے وہ حدیث مراد ہے جس کے سلسلۂ سند میں تمام راوی امامیہ مذہب رکھتے ہوں، اور سب کے سب توثیق کے ساتھ ممدوح ہوں یعنی ہر ایک کی مدح و تعریف میں انہ ثقۃ (وہ معتمد علیہ ہے) یا انہ صحیح الحدیث (اس کی حدیث صحیح ہوتی ہے) کہا گیا ہو یا اور ایسے ہی الفاظ سے تعریف کی گئی ہو جو اس کے ثقہ اور معتمد علیہ ہونے پر دلالت کرتے ہوں۔

راویوں کے اعتبار سے صحیح کے درجات میں تفاوت ہو جاتا ہے مثلاً اگر کسی حدیث کو ایسا شخص روایت کرے جو امامیہ اور ثقہ ہونے کے ساتھ فقیہ، متقی، پرہیزگار اور ضابط بھی ہو جیسے ابن ابی عمیر تو ان کی روایت ان لوگوں کے مقابلہ میں صحیح تر ہوگی جن میں یہ اوصاف کم ہوں۔

دوم حسن، جس سے وہ حدیث مراد ہے جس کے سلسلۂ اسناد میں تمام راوی امامیہ مذہب رکھتے ہوں اور سب کے سب یا بعض ممدوح تو ہوں مگر توثیق (اور معتمد علیہ ہونے) کے ساتھ مدح نہ کی گئی ہو بلکہ ان کی مدح اور تعریف میں انہ مستحسن یا انہ حافظ یا انہ ضابط وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں۔

راویوں کے اعتبار سے حسن کے درجات میں بھی تفاوت ہو جاتا ہے مثلاً جس حدیث کو ایسا شخص روایت کرے جس کی مدح کثرت سے ہوتی ہو جیسے ابراہیم بن ہاشم تو وہ حدیث ان لوگوں کی حدیث کے مقابلہ میں زیادہ حسن ہوگی جن کی مدح کم ہوتی ہو۔

سوم، موثق۔ جس سے وہ حدیث مراد ہے جس کے سلسلۂ سند میں سب کے سب یا بعض راوی امامیہ مذہب نہ رکھتے ہوں مگر توثیق[1] (اور معتمد علیہ ہونے) کے ساتھ ہر ایک کی مدح کی گئی ہو اور اسی کو "قوی" بھی کہتے ہیں اور کبھی اس روایت پر بھی قوی کا اطلاق کرتے ہیں جس کے راوی امامیہ مذہب تو ہوں مگر ان کی مدح اور مذمت سے سکوت ہو جیسے نوح بن دراج، ناجیہ بن عمارۃ الصیداوی اور احمد بن عبداللہ بن جعفر الحمیری وغیرہ۔

---

[1] راویوں کی توثیق اگر ہمارے اصحاب نے کی ہے تو حدیث موثق ہوگی ورنہ نہیں صحاح اہلسنت میں جو حدیثیں موجود ہیں وہ ہمارے نزدیک اسی لئے موثق نہیں ہیں کہ ان کے راویوں کی توثیق ہمارے اصحاب نے نہیں کی بلکہ اہل سنت نے کی ہے۔

راویوں کے اعتبار سے موثق (قوی) کے درجات میں بھی تفاوت ہوتا ہے جس حدیث کے سلسلہ اسناد میں علی بن فضال اور ابان بن عثمان ایسے اشخاص ہوں گے تو وہ زیادہ موثق اور قوی تر ہوگی۔

چہارم **ضعیف**۔ جس سے وہ حدیث مراد ہے جس کے راویوں میں صحیح، حسن اور موثق میں سے کسی کے راوی کے اوصاف موجود نہ ہوں۔

پس اگر حدیث کے راویوں میں کوئی ایک راوی مذموم یا فاسد العقیدہ یا مجہول ہو تو وہ حدیث ضعیف سمجھی جائے گی۔

جس طرح حدیث صحیح، حسن، اور موثق کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے حدیث ضعیف کے درجات میں بھی تفاوت ہوتا ہے، جس قدر شرائط صحت سے دوری ہوتی جائے گی اتنا ہی ضعف بڑھتا جائے گا۔

حدیث کی متذکرہ بالا چاروں قسموں میں ابتدائی تین قسموں کا حدیث معتبر میں شمار ہوتا ہے اور آخری قسم ضعیف کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا فرق

حدیث معتبر کی تین قسمیں متاخرین نے قرار دی ہیں، ورنہ متقدمین میں حدیث معتبر صرف صحیح ہی سمجھی جاتی تھی۔

اس جدید اصطلاح کے بانی مبانی علامہ حلی علیہ الرحمہ ہیں متقدمین کے یہاں حدیث کے صحیح ہونے کا وہ معیار نہ تھا جو متاخرین نے قرار دیا ہے، متقدمین ہر اس حدیث کو صحیح کہتے تھے جس میں کوئی ذکری سبب ایسا موجود ہو جبکہ

وجہ سے ان کو حدیث پر وثوق و اعتماد ہو جائے۔

متقدمین کے نزدیک حدیث پر وثوق و اعتماد کے حسب ذیل اسباب تھے ان میں سے جو سبب بھی کسی حدیث میں پایا جاتا وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہوتی۔

(۱) حدیث کا "اصول اربعماۃ" میں سے بہت سی اصولوں میں موجود ہونا۔

(۲) حدیث کا ایک یا دو یا اس سے زائد اصول میں مختلف طریقوں اور متعدد سندوں سے مکرر ہونا۔

(۳) حدیث کا کسی ایسی اصل میں موجود ہونا جو ان لوگوں میں سے کسی کی طرف منسوب ہو جن کی تصدیق پر اجماع ہو چکا ہو جیسے زرارہ بن مسلم اور فضیل بن یسار۔

(۴) حدیث کا کسی ایسی اصل میں موجود رہنا جو ان لوگوں کی طرف منسوب ہو جن کی روایت کے صحیح ہونے پر اجماع ہو جیسے صفوان بن یحییٰ یونس بن عبدالرحمٰن اور احمد ابن ابی نصر۔[1]

(۵) حدیث کا کسی ایسی اصل میں موجود ہونا جو ان لوگوں کی طرف منسوب ہو جن کی روایت پر عمل کرنے کے متعلق اجماع ہو چکا ہو جیسے عمار الساباطی۔

---

[1] بعض کتابوں میں احمد ابن محمد بن ابی نصر ہے۔

(۶) حدیث کا کسی ایسی کتاب میں موجود ہونا جو ائمہ اطہار میں سے کسی امام کے ظہور میں پیش کی گئی ہو جس پر انھوں نے مولّف کی مدح و ثنا کی ہو جیسے عبید اللہ الحلبی کی کتاب جو حضرت امام جعفر صادقؑ کے حضور میں پیش کی گئی، اور یونس بن عبدالرحمٰن اور فضل بن شاذان کی کتابیں جو حضرت امام حسن عسکریؑ کے حضور میں پیش کی گئیں۔

(۷) حدیث کا کسی ایسی کتاب میں موجود ہونا جس پر متقدمین علما کو وثوق و اعتماد رہا ہو خواہ اس کا مولف امامیہ مذہب رکھتا ہو جیسے حریز بن عبداللہ السجستانی کی کتاب الصلوٰۃ اور بنی سعید اور علی بن مہزیار کی کتابیں، خواہ اس کا مولف غیر امامیہ مذہب ہو جیسے حفص بن غیاث القاضی اور حسین بن عبید اللہ السعدی کی کتابیں اور علی بن الحسن الطاہرین کی کتاب القبلہ۔

متاخرین نے جو متقدمین کے طریقہ کو چھوڑ کر نئی اصطلاح قائم کرلی اس کا سبب یہ ہوا کہ متاخرین اور سلف صالحین کے مابین زمانہ بہت زیادہ گذر چکا، حکام جور کے تسلط غلبہ کی وجہ سے بہت سے اصول ضایع و برباد ہو گئے اور ان کے خوف سے لوگوں نے ان کو ظاہر کرنا اور ان کی نقل دینا چھوڑ دیا اور احادیث کی کتب مشہورہ میں جمع ہو جانے کی وجہ سے متاخرین پر یہ مشتبہ ہو گیا کہ کتب معتبرہ میں جو روایات ہیں ان میں کون کونسی روایتیں اصول معتمدہ سے لی گئی ہیں اور کونسی روایتیں دوسرے مقام سے حاصل کی گئی ہیں، نیز یہ بات بھی مشتبہ رہی کہ کون سی روایتیں ایسی

تھیں جو اصول میں مکرر واقع تھیں اور کونسی غیر مکرر علاوہ بریں اور بہت سے قرائن بھی مخفی رہ گئے اس لئے متاخرین کو ضرورت پڑی کہ وہ ایسا قانون بنالیں جس کی وجہ سے معتبر اور غیر معتبر احادیث میں امتیاز ہو سکے۔

بہر حال اس جدید اصطلاح کی بنا پر جو متاخرین نے قرار دی ہے حدیث صحیح پر عمل کرنے میں کوئی اشکال ہی نہیں اس لئے کہ تمام راوی عادل و ثقہ اور صحیح الاعتقاد ہوتے ہیں اتنا ضرور ہے کہ حدیث صحیح پر ہر حالت میں عمل نہیں کیا جاسکتا، اس پر اسی وقت عمل ہو سکے گا جب وہ شاذ نہ ہو، اور احادیث صحیحہ بھی اس کے معارض نہ ہوں اگر کوئی حدیث صحیح اس حدیث صحیح کے معارض ہوگی تو پھر ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے اسباب ترجیح تلاش کرنا پڑیں گے اور جس کی ترجیح کے اسباب موجود ہوں گے اسی کو ترجیح دے کر عمل کریں گے۔

اور حدیث حسن پر عمل کرنے کے متعلق اختلاف ہے بعض علماء کا تو خیال ہے کہ حدیث صحیح کی طرح حدیث حسن پر بھی عمل کیا جائے گا، مگر جو لوگ قبول روایت میں ایمان وعدالت کو شرط قرار دیتے ہیں وہ حدیث حسن پر عمل کرنے کو تجویز ہی نہیں کرتے۔

اور بعض علماء نے اس میں ذرا تفصیل کر دی ہے، ان کا خیال ہے کہ اگر حدیث حسن کا مضمون ہمارے اصحاب میں مشہور ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

اور بعض علماء تو اس حدیث حسن کو جس کا مضمون اصحاب میں مشہور ہو اس صحیح حدیث پر مقدم کر دیتے ہیں جس کا مضمون اصحاب میں مشہور نہ ہو۔

حدیث موثق پر عمل کرنے نہ کرنے کے متعلق بھی علماء میں وہی اختلاف ہے جو حدیث حسن کے متعلق ہے، بعض علماء حدیث موثق پر عمل کرنے کو تجویز کرتے ہیں اور بعض ممنوع قرار دیتے ہیں، اور بعض مضمون حدیث کی شہرت کے ساتھ اس پر عمل کو تجویز کرتے ہیں ورنہ نہیں۔

اور حدیث ضعیف کا کوئی اعتبار نہیں نہ اس پر عمل کیا جا سکتا ہے، البتہ اگر کسی حدیث پر عمل کیا جانا مشہور ہو بالخصوص قدماء اصحاب میں تو اس شہرت کی بنا پر عمل[1] کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ شہرت کی وجہ سے راوی کے صادق ہونے کا گمان قوی تر ہو جاتا ہے اگرچہ سلسلۂ سند میں ضعف ہو جس طرح کہ فرق اسلامیہ اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل کے اقوال انھیں کے راویوں کی روایت سے معلوم ہو جاتے ہیں؛ حالانکہ وہ سب ہمارے نزدیک ضعیف ہیں، اور قصص و مواعظ مندوبات و مکروہات اور فضائل اعمال میں بھی حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے اس لئے کہ روایات معتبرہ میں جناب رسولؐ خدا سے منقول ہے جسے عامہ اور خاصہ نے روایت کیا ہے، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ

من بلغه ثواب علی عمل ففعله التماس ذالك الثواب اوتيه وان لم يكن كما بلغه

جس شخص تک کسی عمل پر ثواب کا وعدہ پہنچا ہو اور عمل بامید ثواب بجا لائے تو اُسے ثواب مل جائے گا چاہے اس سے

---

[1] مگر اس وقت اسے "مقبول" کہیں گے۔

جیسا کہا گیا ہے ویسا نہ بھی ہو۔

اور جناب رسول خدا سے عامہ و خاصہ نے روایت کی ہے۔

من بلغه عن الله فضيلة فاخذها وعمل بما فيها ايمانا بالله ورجاء ثوابه اعطاه الله تعالىٰ ذالك وان لم يكن كذلك۔

اور ہشام بن سالم نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے حدیث حسن نقل کی ہے حضرت نے ارشاد فرمایا :-

من سمع شيئاً من الثواب علىٰ شيء ففعله كان له اجره وان لم يكن على ما بلغه۔

تنبیہ۔ قصص وغیرہ کے متعلق حدیث ضعیف پر اسی وقت عمل ہو سکتا ہے جب سننے والا ان کی صحت و عدم صحت سے خالی الذہن ہو اور اُسے ان کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ نہ رکھتا ہو۔

پس اگر کسی شخص کو اس واقعہ کی صحیح نہ ہونے کا علم ہے جس کا حدیث ضعیف میں تذکرہ ہے یا اُسے اس واقعہ کی صحت میں شبہ ہے تو وہ حدیث ضعیف پر عمل کرکے اُسے بیان نہیں کر سکتا البتہ اگر وہ خالی الذہن ہے تو بیان کر سکتا ہے۔

اور ثواب اعمال کے متعلق جو احادیث نقل کی گئی ہیں وہ صرف اُسی شخص کے متعلق ہیں جو خالی الذہن ہو۔

حدیث کی دوسری تقسیم

حدیث کی جو چار قسمیں بیان کی گئی ہیں وہ "اصول حدیث" کہلا[تی]
ہیں، ان میں سے تین قسمیں تو اہل تسنن اور اہل تشیع دونوں کے یہاں پا[ئی]
جاتی ہیں مگر موثق اہل سنت کے یہاں حدیث کی کوئی قسم نہیں ہے۔

متذکرۂ بالا چاروں قسموں کے علاوہ حدیث کی اور بھی قسمیں کی گئی ہی[ں]
مگر وہ سب فرعی ہیں، اور یہ قسمیں کسی ایک اعتبار سے نہیں بلکہ مختلف اعتبا[رات]
سے مقرر کی گئی ہیں، اور وہ سب کی سب متذکرہ بالا چار قسموں میں سے کس[ی]
ایک قسم کی طرف رجوع کرتی ہیں۔

مختلف اعتبارات سے حدیث کی چھبیس ۲۶ قسمیں قرار دی گئی ہی[ں]
جن میں سے اٹھارہ ۱۸ قسمیں تو متذکرۂ بالا چاروں قسموں کی حدیث میں مشترک ہ[یں]
اور ما بقی آٹھ قسمیں حدیث ضعیف کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اگر فرعی چھبیس ۲۶ قسموں میں اصلی چار قسمیں بھی شریک کر دی جائیں
حدیث کی کل تیس ۳۰ قسمیں ہو جاتی ہیں جو قسمیں کہ چاروں قسم کی احادیث میں مشتر[ک]
ہیں وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) **مسند** - اس سے وہ حدیث مراد ہے جس کی سند کا سلس[لہ]
راوی سے معصوم تک ملا ہوا ہو، اور اس سلسلہ میں کوئی راوی کم نہ ہو۔

(۲) **متصل** - اس سے وہ حدیث مراد ہے جس کے سلسلہ
سند میں جتنے بھی راوی ہوں ان میں سے ہر راوی نے اپنے پہلے راوی

...حاصل کیا ہو، خواہ خود سن کر نقل کیا ہو یا اجازہ و مناولت کے ذریعہ سے
...اسی کے حکم میں ہے حاصل کر کے نقل کیا ہو، اور یہ سلسلہ اسی عنوان
...کسی معصوم یا غیر معصوم (صحابی) سے جا ملا ہو۔ متصل کو موصول بھی کہتے

...اجازہ اور مناولہ دونوں کا وہی حکم ہے جو سننے کا ہے اس مقام پر اس امر
...کی ضرورت ہے کہ یہ بتا دیا جائے کہ اجازہ اور مناولہ سے کیا مراد ہے۔

اجازہ کی توضیح اجازہ سے یہ مطلب ہے کہ شیخ کسی شخص کو حدیث کی روایت اور اُسے بیان کرنے کی اجازت دے دے۔

...چند طریقوں سے ہوتا ہے۔

(۱) کسی مخصوص شخص کو کسی خاص چیز کی اجازت دینا جیسے شیخ کا یہ
...کہنا کہ:

اجزتك التهذيب او الكتب الاربعة۔

میں نے تمہیں کتاب تہذیب یا کتب اربعہ (کی احادیث کو بیان کرنے اور ان کی روایت) کی اجازت دی۔

(۲) کسی مخصوص شخص کو غیر متعین چیز کی اجازت دینا جیسے شیخ کا یہ کہنا کہ:

اجزتك الزاوية عن مسموعاتي و مقرواتي

میں نے تمہیں اپنی سنی ہوئی اور پڑھی ہوئی احادیث کو روایت (اور بیان) کرنے کی اجازت دی۔

(۳) مرفوع - اس سے وہ حدیث مراد ہے جو کسی معصوم
طرف منسوب کی گئی ہو چونکہ حدیث کا اطلاق معصوم کے قول و فعل و تق

(بقیہ حاشیہ صـــ)
(۳) غیر معین شخص کو مخصوص چیز کی اجازت دینا جیسے شیخ کا یہ کہنا کہ
اجزت التھذیب او الکتب الاربعہ بجمیع
الطلبہ او لاھل زمانی
میں نے تمام طلبہ یا اپنے زمانہ والوں کو کتاب تہذیب یا کتب
اربعہ (کی احادیث کو بیان کرنے) کی اجازت دی
(۴) غیر معین شخص کو غیر معین چیز کی اجازت دینا جیسے شیخ کا یہ کہنا کہ
اجزت مسموعاتی و مقرواتی لکل اھل
زمانی۔
میں نے اپنے تمام زمانے والوں کو اپنی سنی ہوئی اور پڑھی ہوئی
احادیث (کو روایت کرنے) کی اجازت دی۔

مناولہ کی توضیح اور مناولہ سے شیخ کا اپنے شاگرد کو حدیث کی کتا
دینا مراد ہے، خواہ وہ کتاب اجازہ کے ساتھ دی ہو جیسے شیخ کا اپنے شاگرد کو حد
کی کتاب دیتے وقت یہ کہنا کہ :-
ھذا اسماعی او روایتی عن فلان فاروہ
عنی و اجزت لك روایۃ عنی۔
یہ فلاں شخص سے میری سنی ہوئی یا روایت کی ہوئی حدیثیں

تینوں چیزوں پر ہوتا ہے اس لئے ان میں جو چیز بھی معصوم کی طرف منسوب کی جائے گی وہ مرفوع کے تحت میں آجائے گی ۔

قول کے منسوب ہونے کی یہ صورت ہے کہ آنحضرتؐ کے اصحاب یا ائمہ طاہرین کے اصحاب میں سے کوئی صحابی بیان کرے کہ :۔

سمعت رسول الله يقول كذا او سمعت الصادق يقول كذا ۔

میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا کہ انھوں نے ایسا فرمایا یا امام جعفر صادق سے میں نے سنا کہ انھوں نے ایسا فرمایا ۔

اس میں صحابی نے قول کو جناب رسولؐ خدا یا امام جعفر صادقؑ کی منسوب کیا ہے ۔

فعل کے منسوب ہونے کی یہ صورت ہے کہ آنحضرتؐ کے اصحاب یا ائمہ طاہرینؑ کے اصحاب میں سے کوئی صحابی بیان کرے کہ ۔

(بقیہ حاشیہ صـــــ)

ہیں تم ان کی مجھ سے روایت کرو اور میں تمھیں ان کی روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں ۔

خواہ اجازہ کے بغیر شیخ نے کتاب دی ہو، اور کتاب دیتے وقت صرف یہ کہا ہو

هذا اسماعی من فلان ۔

یہ حدثیں میری فلاں شخص سے سنی ہوئی ہیں ۱۲

رائیت رسول اللہ یفعل کذا او فعل کذا

او رائیت الرضا یفعل کذا او فعل کذا

میں نے جناب رسول خدا کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا یا آپؐ نے ایسا کیا۔ یا میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا یا حضرتؑ نے ایسا کیا۔

اس میں صحابی نے فعل کو جناب رسالت مآبؐ یا امام رضاؑ کی طرف منسوب کیا ہے تقریر کے منسوب ہونے کی یہ صورت ہے کہ آنحضرتؐ کے اصحاب یا ائمۂ اطہار کے اصحاب میں سے کوئی صحابی بیان کرے کہ

فعلت بحضرۃ الرّسول کذا او فعل فلان بحضرتہ کذا۔ او فعلت بحضرۃ الجواد کذا و فعل فلاں بحضرۃ کذا۔

میں نے جناب رسولؐ خدا کی موجودگی میں ایسا کیا یا فلاں شخص نے ان جناب کی موجودگی میں ایسا کیا۔ میں نے حضرت جواد کے سامنے ایسا کیا یا فلاں شخص نے ان جناب کے سامنے ایسا کیا۔

اور اس کے ساتھ یہ بیان نہ کرے کہ آنحضرتؐ یا امامؑ نے[1] اس فعل سے ممانعت فرمائی اس میں صحابی نے تقریر کو حضرت رسولؐ خدا یا حضرت جواد

---

[1] اگر مقام تقیہ نہ ہو۔

کی طرف منسوب کیا ہے۔

تنبیہ۔ حدیث کے مرفوع ہونے کا معیار صرف یہ ہے کہ وہ معصوم کی طرف منسوب ہو اس میں سلسلۂ سند کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اگر کوئی حدیث کسی معصوم کی طرف منسوب کی گئی ہو اور اس کی سند کا سلسلہ راوی سے معصوم تک متصل ہو تب بھی وہ مرفوع کہلائے گی اور اگر سلسلۂ سند معصوم تک متصل نہ ہو بلکہ منقطع ہو گیا تو اُسے بھی مرفوع کہیں گے اس لئے کہ اُسے امامؑ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے مثال کے طور پر ثقۃ الاسلامؒ کی اس حدیث کو لے لیجئے جو کافی میں مذکور ہے۔

علی ابن ابراھیم رفعه الی ابی عبد اللهؑ
قال طلبة العلم ثلثة الخ

اس حدیث میں علی بن ابراہیم نے ایک قول کو حضرت امام جعفر صادقؑ کی طرف منسوب کیا ہے اس انتساب کی وجہ سے یہ حدیث مرفوع کہلائے گی اگرچہ سلسلۂ سند کے اعتبار سے یہ حدیث متصل نہیں ہے بلکہ منقطع ہے کیونکہ علی بن ابراہیم نے جس راوی کے ذریعہ سے حدیث کو معصوم تک پہنچایا ہے اس کا یہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہی حدیث علی بن ابراہیم کے لئے منقطع نہ ہو بلکہ متصل ہو اور ان کو اس راوی کا علم ہو جس نے اس حدیث کو حضرت سے حاصل کیا ہو۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث ثقۃ الاسلام کے لئے بھی متصل ہو خود

علی بن ابراہیم نے اس حدیث کو سند متصل سے بیان کیا ہو اور ثقۃ الاسلام نے سند کو حذف کر دیا ہو۔

بہر حال، حدیث جب معصوم کی طرف منسوب ہو گی تو وہ مرفوع کہلائیگی خواہ سلسلۂ سند کے اعتبار سے وہ متصل ہو یا اس کی سند میں سے بعض راوی چھوٹ گئے ہوں یا وہ مبہم ہو گئے ہوں یا بعض راویوں نے ایسے لوگوں سے روایت کی ہو جن سے ملاقات نہ ہوئی ہو۔

(۴) **معنعن**۔ اس سے وہ حدیث مراد ہے جس کی سند کا سلسلہ فلان عن فلان۔ کہہ کر بیان کیا گیا ہو، اور حدیث فلان عن فلان یا اخبر فلان عن فلان۔ یا سمع فلان عن فلان کہہ کر نہ بیان کیا گیا ہو۔

تنبیہ معنعن حدیث کا سند کے اعتبار سے کیا حکم ہے اس میں اختلاف ہے اگر ایک راوی کا دوسرے سے اتصال نہ ہو تو وہ حدیث مرسل ومنقطع سمجھی جائے گی البتہ اگر ایک راوی کا دوسرے راوی سے ملاقات کرنا ممکن ہو اور تدلیس کا خوف نہ ہو تو وہ حدیث متصل ہو گی۔

(۵) **معلق**۔ اس سے وہ حدیث مراد ہے جس کی سند کے سلسلہ میں ابتداء ایک یا زیادہ راوی حذف کر دیے گئے ہوں، جیسے شیخ کا حدیث کو اس طرح بیان کرنا کو رویٰ عنہ زرارہ عن الباقر علیہ السّلام یا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ قال الصادق علیہ السّلام۔

تنبیہ - جو راوی حذف کردیے گئے ہوں اگر کسی ثقہ سے ان کا پتہ چل جائے بالخصوص راوی ہی کے ذریعہ سے تو معلق ، حدیث صحیح سے خارج نہ ہوگی جیسے شیخ الطائفہ کا اپنی دونوں کتابوں میں یا صدوق کا من یحضرہ الفقیہ میں محمد بن یعقوب یا احمد بن محمد یا ایسے اشخاص سے روایت کرنا جن سے انھوں نے ملاقات نہ کی ہو اور پھر آخر کتاب میں ہر ایک سے روایت پہنچنے کا سلسلہ بیان کر دینا تو اس صورت میں محذوف مذکور ہی کے حکم میں ہوں گے اس لئے کہ حذف تو کتابت یا لفظ میں ہے اور مقصود وہی ہے جو آخر کتاب میں مذکور ہے۔

اور اگر محذوف راوی کا کسی ثقہ راوی سے پتہ نہ چلے تو مُعلق صحیح سے خارج ہو کر مرسل کی طرح ہو جائے گی۔

(۶) **مفرد** - اس کی دو قسمیں ہیں۔

اوّل - مطلق - اس سے وہ حدیث مراد ہے کہ جسے تمام راویوں میں سے صرف ایک ہی راوی بیان کرے۔

دوم - نسبی - اس سے وہ حدیث مراد ہے جسے کسی خاص شہر والوں، جیسے مکّہ یا بصرہ یا کوفہ والوں نے ہی روایت کیا ہو۔

(۷) **مدرج** - اس سے وہ حدیث مراد ہے جس میں راوی کا کلام اس طریقہ سے داخل ہو گیا ہو کہ اس سے یہ گمان ہوتا ہو کہ یہ بھی حدیث کا جزو ہے۔

تنبیہ اور آج کی صورت یہ ہے کہ راوی کسی حدیث کو بیان

کرے پھر اپنا یا کسی دوسرے کا کلام ذکر کرے، بعد ازاں پھر متصل ہی حدیث کو بیان کرے اور سننے والے کو شبہ ہو کہ اُس نے اپنا یا دوسرے کا کلام ذکر کیا وہ بھی حدیث ہے اس میں جو کلام داخل کیا گیا ہے وہ مدرج کہلاتا ہے اور جس حدیث میں یہ کلام داخل ہوا ہے وہ حدیث مدرج فیہ ہو گی۔

ادراج کی چند قسمیں ہیں۔

(الف) وہ صورت جس کو ہم نے بیان کیا کہ حدیث کے درمیان میں راوی یا کسی اور کا کلام اس طریقہ سے داخل ہو جائے کہ اُس کے بھی خبر و حدیث ہونے کا وہم و گمان ہو۔

(ب) دو حدیثیں الگ دو سندوں کے ساتھ ہوں اور راوی نے ایک سند کو دوسری سند میں درج کر کے دونوں حدیثوں کو ایک ہی سند سے روایت کر دیا ہو، اور دوسری سند کو چھوڑ دیا ہو۔

(ج) ایک حدیث کو کسی جماعت نے مختلف سندوں سے روایت کیا ہو یعنی کسی نے کسی سند سے اور کسی نے کسی سند سے یا مختلف حدیث کو ایک سند سے روایت کیا ہو اور راوی نے سب کی روایتوں کو آپس میں درج کر کے نقل کر دیا ہو اور سند یا متن کے اختلاف کا تذکرہ نہ کیا ہو۔

(۸) مشہور۔ اس سے وہ حدیث مراد ہے۔

(الف) جو اہل حدیث میں شایع ہو اور اسے بہت سے راویوں نے نقل کیا ہو۔

(ب) جو اہل حدیث اور غیر اہل حدیث سب میں شایع ہو جیسے

حدیث انما الاعمال بالنیات۔

(ج) جو صرف غیر اہل حدیث میں شایع ہو اور اہل حدیث کے یہاں بے اصل ہو۔

تنبیہ بعض علما ونے بیان کیا ہے کہ چار حدیثیں ایسی ہیں جو لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں مگر ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اوّل من بشرنی بخروج اذار بشرته بالجنّة

دوم من اذی ذمیّا فانا خصمه یوم القیامه

سوم یوم نحرکم یوم صومکم

چهارم للسائل حقّ وان جآء علیٰ فرس

(۹) غریب[1] - اس کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل - وہ حدیث جو سند اور متن دونوں کے اعتبار سے غریب ہو اور اس کے متن کو فقط ایک ہی راوی نے نقل کیا ہو۔

دوم - وہ حدیث جو صرف سند کے اعتبار سے غریب ہو، متن کو تو بہت سے اصحاب جانتے ہوں مگر سند کو صرف ایک ہی راوی نے روایت کیا ہو۔

سوم - وہ حدیث جو صرف متن کے اعتبار سے غریب ہو اور اُسے

---

[1] غریب پر شاذ کا بھی اطلاق کیا گیا ہے مگر مشہور یہی ہے کہ غریب و شاذ دونوں ایک نہیں بلکہ ان میں مغایرت ہے جیسا کہ شاذ کی تعریف سے معلوم ہوگا۔ ۱۲

ایک ہی شخص جانتا ہو اور اسی سے جماعت کثیرہ نے نقل کیا ہے۔

یہ حدیث ایسی حالت میں "غریب مشہور" ہوگی اس لئے کہ یہ سند کی طرف اول میں تو غریب ہے اور طرف آخر میں مشہور۔

تنبیہ حدیث "انما الاعمال بالنیات بھی ایسی ہی ہے یعنی طرف اول تو غریب ہے کیونکہ اس حدیث کو اصحاب میں فقط حضرت عمرؓ ہی نے بیان کیا پھر تنہا علقمہ نے پھر تنہا محمد بن ابراہیم نے تنہا یحییٰ بن سعید نے اور طرف آخر میں مشہور ہوگئی اس لئے کہ جن راویوں کا ہم نے تذکرہ کیا ان کے بعد تو بہت سے راویوں نے نقل کیا ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو یحییٰ بن سعید سے دو سو (۲۰۰) سے زیادہ آدمیوں نے نقل کیا ہے، اور ابو اسمٰعیل الہروی سے حکایت ہے کہ انھوں نے اس کو یحییٰ بن سعید سے سات سو طریق سے لکھا ہے اس کے نظائر کتب احادیث میں بہت ملیں گے اس لئے کہ بہت سی ایسی حدیثیں ہیں کہ جنھیں ایک ہی شخص نے روایت کیا پھر اس کے راوی زیادہ ہوگئے

ؒ محدثین میں مشہور تو یہی ہے کہ اس حدیث کو حضرت عمرؓ، علقمہ، محمد بن ابراہیم یحییٰ بن سعید چار آدمیوں ہی نے یکے بعد دیگرے روایت کیا ہے تو بعض متاخرین نے دعویٰ کیا ہے کہ اس حدیث کو حضرت علیؓ، ابو سعید الخدری اور انس نے انھیں لفظوں سے اور بہت سے اصحاب نے اس کے معنی کو روایت کیا ہے اس صورت میں یہ حدیث غریب نہ رہے گی ۱۲

بالخصوص کتبِ احادیث تالیف ہونے کے بعد۔

(۱۰) **مصحف**۔ اس سے وہ حدیث مراد ہے جس میں کسی قسم کا تغیر واقع ہو گیا ہو۔ تصحیف کی تین قسمیں ہیں۔

اول، سند کی تصحیف یعنی حدیث کے سلسلۂ اسناد میں جو راوی ہیں ان میں سے کسی راوی کے نام میں تغیر واقع ہو گیا ہو جیسے مراجم ابو العوام کا مزاحم یا حریز کا جریر یا برید کا یزید

دوم، متن کی تصحیف یعنی حدیث کے الفاظ میں کچھ تغیر ہو گیا ہو جیسے حدیث ۔من صام رمضان واتبعه ستا من شوال میں بعض لوگوں کے ستا کے بجائے شتا روایت کیا ہے۔

تنبیہ۔ سند حدیث یا متن حدیث کے الفاظ میں جو تصحیف ہو جاتی ہے وہ عموماً بصارت یا سماعت کی غلطی سے ہوتی ہے آنکھ کی غلطی سے ان الفاظ میں تصحیف ہو جایا کرتی ہے جن میں تجانس خطی ہو اور وہ ایک ہی طریقہ سے لکھے جاتے ہوں جیسے ہمدانی اور ہمدانی یا حریز جریر وغیرہ۔

ان الفاظ میں تغیر ہوگا وہ صرف اس بنا پر کہ حروف کے تقارب کی وجہ سے نظر کو دھوکا ہوا اس لئے کہ یہ تغیر سماعت کی وجہ سے نہیں ہو سکتا اور بعض کا "عاصم الاحوال" کو "واصل الاحدب" کہنا آنکھ کی غلطی سے نہیں ہے اس لئے کہ کتابت کے اشتباہ سے ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ یہ سماعت کی غلطی سے ہوا۔

سوم، معنی کی تصحیف یعنی الفاظ حدیث کے معنوں میں تغیر واقع

ہوگیا ہو جیسے ابو موسیٰ بن المثنیٰ العنزی سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا کہ

نحن قوم لنا شرف نحن عنزہ صلیؐ الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

اس قول میں اُنھوں نے اس حدیث کا ابو موسی نے اپنے اس کلام میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں آنحضرتؐ کے متعلق مذکور ہے کہ۔ انہ صلی الی عنزہ

حالانکہ آنحضرتؐ کی حدیث عنزہ سے نیزہ مراد ہے، واقعہ یوں ہوا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت نے نماز پڑھی تو سامنے ایک نیزہ گاڑ دیا تاکہ وہ سامنے گذرنے والوں سے ایک قسم کا سترہ ہو جائے، چونکہ وہ سامنے گاڑا گیا تھا اسی لئے حدیث میں مذکور ہوا کہ آنحضرتؐ نے عنزہ (نیزہ) کی طرف نماز پڑھی، مگر ابو موسی جو بنی عنزہ سے تھا اُس کو اس حدیث کا عنزہ سے توہم ہوا اور عنزہ سے نیزے کے بجائے قبیلہ سمجھا اور اس کو اپنے قبیلہ کے شرف میں بیان کر دیا۔

یہ تصحیف حدیث کے لفظوں میں تو نہیں ہے اس لئے کہ لفظ وہی ہیں صرف معنی میں تصحیف اور تغیر واقع ہو گیا، اس لئے کہ حدیث میں تو عنزہ کے معنی نیزہ کے تھے اور ابو موسیٰ نے قبیلہ عنزہ مراد لئے۔

۱۱۔ عالی۔ اس سے وہ حدیث مراد ہے جس کے سلسلہ سند میں معصوم سے متصل ہونے کے باوجود راوی کم ہوں۔

تنبیہ جس حدیث کی سلسلہ سند عالی ہو اُسے اکثر علماء کے

نزدیک اس حدیث پر مزیت حاصل ہو جائے جو عالی نہ ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سند جس قدر عالی ہوگی اور اس میں وسائط کم ہوں گے اسی قدر اس میں غلطی کا خطرہ بھی کم ہوگا اس لئے کہ سند میں جتنے بھی راوی ہوں گے ان میں سے ہر راوی جائز الخطا ہوگا ایسی حالت میں جس سند میں راوی زیادہ ہوں گے اس میں خطا کا بھی احتمال زائد ہوگا اور جس سند میں راوی کم ہوں گے اس میں خطا کا احتمال بھی کم ہوگا۔ چنانچہ سند عالی میں راویوں کی تعداد کم ہوتی ہے لہذا اس میں خطا کا احتمال کم ہوگا مگر یہ ضروری ہے ہر وہ سند جو عالی ہو اُسے ہر اُس سند پر جو عالی نہ ہو ہر حالت میں مزیت ہی حاصل ہے اس لئے کہ سند عالی کے راویوں کے مقابلہ میں اگر سند غیر عالی کے راوی زیادہ ثقہ، زیادہ حافظ، زیادہ ضابط ہوں اور پھر اتصال بھی ظاہر تر ہو یعنی اس سند میں تصریح ہو کہ ہر ایک راوی نے اپنے راوی سے، ملاقات کی ہو تو ایسی سند غیر عالی ہونے کے باوجود اس سند پر مزیت لے جائیگی جو عالی ہو مگر اس کے راویوں میں یہ اوصاف کم ہوں، اور اتصال ظاہر نہ ہو۔

ملہ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اسلاف کے حالات میں ملے گا کہ وہ حدیث کو حاصل کرنے کے لئے دور دراز کا سفر اختیار کر کے مشائخ کی خدمت میں پہنچتے تھے اور احادیث کو ان سے حاصل کرتے تھے جس کی وجہ صرف یہی تھی کہ حدیث میں وسائط کی زیادتی نہ ہو اور حدیث عالی رہے ۱۲

علو کی قسمیں

علو کی چند قسمیں ہیں :-

(۱) حدیث کی جو سند معصوم سے قریب تر ہو یعنی ایک حدیث چند سندوں کے ساتھ مروی ہو، ان میں جو سند معصوم سے زیادہ قریب ہو گی اور اس میں راوی کم ہوں گے وہ عالی ہو گی -

(۲) حدیث کی جو سند ائمہ حدیث یعنی شیخ ابو جعفر بن یعقوب کلینی صاحب کافی اور شیخ ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی الملقب بالصدوق صاحب کتاب مدینۃ العلم و کتاب من لا یحضرہ الفقیہ و شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی الملقب بالشیخ الطائفہ صاحب کتاب التہذیب و کتاب الاستبصار وغیرہ سے قریب ہو وہ عالی ہو گی -

(۳) حدیث کی جس سند کے راوی نے حدیث کی پہلی سماعت کی ہو وہ عالی ہو گی اس لئے کہ اس کا زمانہ امام سے بہ نسبت دوسری سند کے قریب ہے -

(۴) بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ جس سند کے راوی نے پہلے وفات پائی ہو وہ حدیث عالی ہو گی جیسے شیخ شہید نے علامہ جمال الدین بن مطہر سے دو حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے ایک تو سید عمید الدین سے اور دوسری فخر الدین بن جمال بن مطہر سے وہ دونوں حدیثیں اگرچہ سند کے راویوں کی تعداد کے لحاظ سے تو برابر ہیں مگر سید عمید الدین نے جس

حدیث کی روایت کی وہ عالی ہوگی اس لئے انھوں نے فخر الدین سے قریب قریب پندرہ سال پیشتر وفات پائی۔

(۱۲) شاذ۔ اس حدیث سے وہ مراد ہے جس کو کسی ثقہ نے روایت کیا ہو مگر وہ جمہور کی حدیث کے خلاف ہو۔

شاذ حدیث کی ردّ و قبول کا معیار

شاذ حدیث جو جمہور کی حدیث کے خلاف ہو، وہ قبول اور قابل عمل ہوگی یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔

بعض علماء تو ہر شاذ حدیث کو اس بنا پر قبول کر لیتے ہیں کہ اس کا راوی ثقہ ہے ثقہ کا قول چونکہ معتبر ہوتا ہے اس لئے اس کی حدیث بھی مقبول اور قابل عمل ہوگی۔

اور بعض علماء ہر شاذ حدیث کو اس بنا پر رد کر دیتے ہیں کہ وہ جمہور کی حدیث کے خلاف ہے، جمہور کی حدیث چونکہ مشہور ہوتی ہے اس لئے اس میں صحت کا گمان زائد ہوتا ہے اور جس حدیث میں صحت کا گمان زائد ہو وہ مقبول ہوگی اور جو حدیث اس کے خلاف ہو وہ مردود ہوگی، شاذ حدیث کا مطلقاً قبول کر لینا یا اُسے رد کر دینا یک طرفہ فیصلہ ہے نہ تو مطلقاً قبول کی جا سکتی ہے نہ اُسے مطلقاً رد کیا جا سکتا ہے اسی لئے بعض علماء نے اس کے مقبول و مردود ہونے میں تفصیل کی ہے شاذ حدیث بعض حالات میں مقبول ہوگی اور بعض حالات میں مردود۔ اس کے رد و قبول کا ضابطہ یہ ہے۔

اگر شاذ حدیث کے راوی کے مقابلہ میں جمہور کی حدیث کے راویوں

میں حفظ حدیث اور ضبط و عدالت کا وصف زائد ہو وہ راجح ہو تو شاذ حدیث مقبول نہ ہوگی اسے رد کر دیا جائے گا اور ایسی حالت میں اس کو "شاذ مردود" کہیں گے اس لئے کہ اس کے راوی میں اوصاف ثلاثہ (حفظ ضبط عدالت) میں سے جو رجحان کا سبب ہو سکتے ہیں کوئی وصف بھی نہیں ہے۔

اگر جمہور کی حدیث کے راویوں کے مقابلہ میں شاذ حدیث کے راوی میں حفظ اور ضبط و عدالت کا وصف زائد ہو تو اُس (شاذ حدیث) کو رد نہ کیا جائے گا اور نہ وہ شاذ مردود کہلائے گی اس لئے کہ اس میں جہاں صفت مرجوحہ (شذوذ) موجود ہے وہاں صفت راجحہ (اوصاف ثلثہ کی زیادتی) بھی موجود ہے۔

ایسی صورت میں شاذ حدیث اور جمہور کی حدیث دونوں متعارض ہوں گی اور اس جہت سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی۔

اگر شاذ حدیث اور جمہور کی حدیث کے راوی مساوی ہوں تب بھی یہ (شاذ حدیث) رد نہ کی جائے گی اس لئے کہ راوی کا ثقہ ہونا حدیث کے مقبول ہونے کا سبب ہے مگر یہ چونکہ وصف جمہور کی حدیث کے راویوں میں بھی پایا جاتا ہے اس لئے اس کو ترجیح بھی نہ دی جا سکے گی۔

(۱۳) مسلسل،

(۱۴) مزید۔ اس سے وہ حدیث مراد ہے جس میں ان احادیث کے مقابلہ میں جو اسی معنی میں مروی ہیں کچھ زیادتی ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔

اوّل "مزید فی المتن" جس حدیث کے متن میں کچھ زیادتی

ہو یعنی اس حدیث میں کوئی کلمہ زائد ہو اور وہ ایسے معنی پر مشتمل ہو جو دوسری حدیث سے مستفاد نہیں ہوسکتے۔

یہ حدیث اس وقت مقبول ہوگی جب اس کا راوی ثقہ ہو اور اس میں جو زیادتی ہے وہ ثقات کی روایت سے منافات نہ رکھتی ہو اگرچہ وہ منافات عموم و خصوص ہی میں کیوں نہ ہو مثل اس کے کہ جس روایت میں زیادتی نہیں ہے وہ عام ہو اور اس زیادتی سے خاص ہو جاتی ہو یا وہ خاص ہو اور اس زیادتی سے عام ہو جاتی ہو جیسے حدیث۔

جعلت لنا الارض مسجدا وترابها طهورا۔

اس زیادتی کو بعض لوگوں نے روایت کیا ہے اور اکثر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

جعلت لنا الارض مسجداً وطهوراً

جمہور نے جو روایت کی ہے وہ عام ہے اس لئے کہ پتھر، ریگ، مٹی زمین کے تمام اصناف کو شامل ہے اور جو زیادتی کی روایت ہے وہ مٹی کے ساتھ مخصوص ہے۔

ان دونوں میں ایک قسم کی مخالفت ہے جس سے حکم تبدیل ہو جاتا ہے۔

دوم مزید فی الاسناد۔ جس حدیث کے سلسلۂ سند میں کسی راوی کی زیادتی ہو[1] یعنی بعض راویوں کی حدیث کے سلسلۂ سند میں مثلاً تین

---

[1] راوی کی زیادتی ابتدا میں ہو یا وسط میں یا آخر میں ۱۲

ہو یعنی اس حدیث میں کوئی کلمہ زائد ہو اور وہ ایسے معنی پر مشتمل ہو جو دوسری حدیث سے مستفاد نہیں ہوتے۔

یہ حدیث اس وقت مقبول ہوگی جب اس کا راوی ثقہ ہو اور اس میں جو زیادتی ہے وہ ثقات کی روایات سے منافات نہ رکھتی ہو اگرچہ وہ منافات عموم وخصوص ہی کی ہیں کیوں نہ ہو مثل اس کے کہ جس روایت میں زیادتی نہیں ہے وہ عام ہو اور اس زیادتی سے خاص ہو جاتی ہو یا وہ خاص ہو اور اس زیادتی سے عام ہو جاتی ہو جیسے حدیث۔

جعلت لنا الارض مسجدا وترابها طھورا۔

اس زیادتی کو بعض لوگوں نے روایت کیا ہے اور اکثر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔

جعلت لنا الارض مسجدًا وطھورًا

جمہور نے جو روایت کی ہے وہ عام ہے اس لئے کہ پتھر، ریگ، مٹی زمین کے تمام اصناف کو شامل ہے اور جو زیادتی کی روایت ہے وہ مٹی کے ساتھ مخصوص ہے۔

ان دونوں میں ایک قسم کی مخالفت ہے جس سے حکم تبدیل ہو جاتا ہے۔

دوم مزید فی الاسناد۔ جس حدیث کے سلسلۂ سند میں کسی راوی کی زیادتی[1] ہو یعنی بعض راویوں کی حدیث کے سلسلۂ سند میں مثلاً تین

---

[1] راوی کی زیادتی ابتدا میں ہو یا وسط میں یا آخر میں ۱۲

راوی ہوں اور اس حدیث کے سلسلۂ سند میں چار راوی، بعض کی حدیث ...
ہو اور یہ حدیث مسند ہو، بعض کی حدیث مقطوع ہو اور یہ موصول، بعض کی
حدیث مقطوع ہو (اور انھوں نے غیر معصوم پر وقف کیا ہو اور یہ حدیث مرفوع
ہو۔ (اور اس کے راوی نے حدیث کو معصوم کی طرف منسوب کر دیا ہو) مزید
فی الاسناد اسی طرح مقبول ہے جس طرح مزید فی المتن۔

(۱۵) "مختلف" جس سے وہ حدیث مراد ہے جو بظاہر[1] کسی
دوسری حدیث کے خلاف ہو اگر مختلف حدیثوں میں کوئی صورت جمع کی نکل
سکتی ہو تو کیا جمع کیا جائے گا ورنہ اگر ان میں سے ایک ناسخ اور دوسری
منسوخ ہو تو ناسخ مقدم کریں گے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو حدیث کی ترجیح
دینے کے اسباب پر نظر کریں گے اور جس حدیث میں اسباب ترجیح موجود
ہوں گے اس کو ترجیح دیں گے۔

(۱۶) ناسخ ومنسوخ

ناسخ وہ حدیث ہے جو کسی سابق حکم شرعی کو زائل اور باطل کر دے
اور منسوخ وہ حدیث ہے جس کا حکم کسی شرعی دلیل سے جو اس سے متاخر

---

[1] دو حدیثوں میں اختلاف کی صورت میں کبھی صورت جمع نکل آتی ہے جس سے
وہ اختلاف جاتا رہا ہے ایسے مقام پر اختلاف صرف ظاہری ہوتا ہے اور جہاں صورت
جمع پیدا نہیں ہو سکتی وہاں اختلاف ظاہری و باطنی دونوں طریقہ کا ہوتا ہے ...

زائل و باطل ہو جائے۔

تنبیہ۔ ناسخ ومنسوخ معلوم ہونے کے چند طریقے ہیں۔

اوّل۔ جناب رسول خدا (صلعم) کا نص فرما دینا جیسے آنحضرتؐ کا ارشاد کہ

کنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها۔

دوّم:۔ صحابی کا نقل کرنا جیسے یہ بیان کرنا کہ

كان اخر الامرين من رسول الله كذا۔

سوم:۔ تاریخ یعنی جو حدیث بعد کی ہوگی وہ پہلی حدیث کی ناسخ ہوگی کیوں کہ اصحاب سے مروی ہے۔

كنا نعمل بالاحدث فالاحدث

چھارم۔ اجماع جیسے شرابی کو چوتھی بار قتل کر دینے کی حدیث کہ جو اجماع اس کے خلاف قائم ہو چکا ہے اس حدیث کو منسوخ کر دیا۔

(۱۷) **غریب لفظاً** اس سے وہ حدیث مراد ہے جس کے متن میں کوئی ایسا مشکل لفظ جو قلت استعمال کی وجہ سے فہم سے دور ہو۔

(۱۸) **مقبول**۔ اس سے وہ حدیث مراد ہے جو قبول کر لی گئی ہو۔ اور اس کے مضمون پر عمل ہوتا ہو بغیر اس کے اس کی صحت وعدم صحت کی طرف توجہ والتفات کیا جاتا ہو۔

اور حدیث کی جو قسمیں کہ حدیث ضعیف کے ساتھ مخصوص ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) موقوف - اس کی دو قسمیں ہیں -

۱ - مطلق - جس سے وہ حدیث مراد ہے جو کسی معصوم کے صحابی سے مروی ہو - اور سلسلہ روایت معصوم تک نہ پہنچا ہو خواہ اس کی سند متصل ہو یا منقطع،

۲ - مقید - جس سے وہ حدیث مراد ہے جو صحابی معصوم کے علاوہ کسی اور سے مروی ہو جیسے

وقفه فلان علی فلان

جب کہ موقوف علیہ غیر صحابی ہو -

تنبیہ :- موقوف کے سلسلہ میں دو تین باتوں کا ظاہر کر دینا ضروری ہے -

اوّل - اگر کوئی صحابی کسی آیت کی تفسیر بیان کرے تو یہ موقوف ہوگی یا مرفوع، محدثین نے اس میں اختلاف کیا ہے، بعض کا تو یہ خیال ہے کہ یہ موقوف ہوگی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ مرفوع ہوگی - اور بعض محدثین نے اس میں تفصیل کی ہے اگر اس تفسیر کا تعلق آیت کی شان نزول سے ہے تو وہ مرفوع ہوگی جیسے جابر کا یہ بیان کہ

کانت الیهود تقول من اتی امرئته

فانزل الله تعالیٰ نسائکم حرث لکم فاتوا حرثکم

انی شئتم -

اور اگر اس کا تعلق شان نزول سے نہیں ہے اور معصوم کی طرف

نسبت بھی نہیں ہے تو موقوف ہوگی -

دوم - کسی صحابی کا یہ کہنا کہ -

كنا نفعل كذا او نقول كذا

موقوف ہوگا یا مرفوع ، اگر اس قسم کا کلام مطلق ہوگا اور اس میں کسی زمانہ کی قید نہ ہو - یا قید تو ہو مگر معصوم کے زمانہ کی طرف انتساب نہ ہو تو یہ موقوف قرار دیا جائے گا - اس لئے کہ اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ معصوم کو اس پر اطلاع ہوئی یا انھوں نے اس کے متعلق حکم دیا بلکہ یہ اطلاع ہونے نہ ہونے اور حکم دینے نہ دینے سے عام ہے لہٰذا وہ مرفوع نہیں قرار دیا جا سکتا اور اگر یہ کلام مطلق نہ ہو بلکہ زمانہ معصوم کی طرف منسوب ہو اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بیان کر دیا گیا ہو کہ معصوم کو اس پر اطلاع ہوئی اور انھوں نے ممانعت نہ فرمائی تو یہ مرفوع ہوگا، اور اگر یہ بیان نہ کیا گیا ہو کہ معصوم کو اس پر اطلاع ہوئی اور انھوں نے ممانعت نہ فرمائی تب بھی وہ مرفوع ہی ہوگا اس لئے اس کا ظاہر بتاتا ہے کہ معصوم کو اس پر اطلاع ہوئی ہوگی بلکہ اس کا ظاہر اس امر پر روشنی ڈالتا ہے کہ تمام صحابہ کا یہی طرز عمل تھا اس لئے کہ صحابی نے اس لفظ کو احتجاج کے لئے پیش کیا ہے اور اس وقت تک احتجاج درست نہیں ہو سکتا جب تک تمام صحابہ کا یہ عمل نہ ہو اس لئے کہ بعض کا فعل حجت نہیں ہے -

سوم - موقوف حجت نہیں ہے اگرچہ اس کی سند صحیح ہی ہو اس لئے کہ اس کا مرجع اس شخص کے قول کی طرف ہے جس پر وقف کیا گیا ہے اور

غیر معصوم ہونے کی وجہ سے اس کا قول حجت نہیں ہے کہ بعض اس کی حجیت کے قائل ہیں مگر ان کا قول ضعف سے خالی نہیں۔

(۲) مقطوع[1] - اس سے وہ حدیث مراد ہے جو کسی تابعی سے مروی ہو خواہ وہ اصحاب رسولؐ کا تابعی یا اصحاب ائمہؑ کا۔ مقطوع کو منقطع بھی کہتے ہیں۔

حدیث مقطوع حجت نہیں ہے اس لئے کہ جس کے قول پر توقف کیا گیا ہے اس کا قول حجت نہیں ہے۔

(۳) مرسل - اس سے وہ حدیث مراد ہے جس کو معصوم سے ایسے شخص نے روایت کی ہو جس نے ان سے ملاقات[2] نہ کی ہو اور حدیث کو بغیر واسطہ کے روایت کرے جیسے کوئی تابعی یوں روایت کرے کہ

قال رسول اللہ کذا

یا واسطہ کو بھول جائے اور اس کی تصریح کر دے یا باوجود جاننے کے واسطہ کو چھوڑ دے یا مبہم کر دے جیسے کہے عن رجل یا عن اصحابنا

---

[1] مقطوع موقوف مطلق سے تو اس لئے مغائر ہے کہ موقوف میں صحابی سے روایت ہوتی ہے اور مقطوع میں تابعی سے اور موقوف مقید سے اخص ہے اس لئے کہ موقوف تابعی اور غیر تابعی دونوں کو شامل ہے اور یہ تابعی کے ساتھ مخصوص ہے ۱۲

[2] ملاقات سے مراد ہے کہ راوی نے معصوم سے مل کر حدیث کو حاصل کیا ہو اور مطلق ملاقات مراد نہیں ہے ۱۲

ہمارے اصحاب میں مرسل کے یہی معنی مشہور و متعارف ہیں اور جمہور میں یہ معنی مشہور ہیں کہ تابعی واسطہ کا تذکرہ کئے بغیر حدیث کو حضرت رسول خداؐ سے روایت کرے جیسے سعید بن المسیب کا کہنا کہ

قال رسول اللہ کذا۔

حدیث مرسل بھی حجت نہیں ہے خواہ یہ حدیث کسی صحابی کی ہو یا غیر صحابی کی اور اس میں سے ایک راوی ساقط ہوا ہو یا زائد اس لئے کہ جو واسطہ (راوی) کم ہوگیا ہے اس کا حال معلوم نہیں کہ کیسا ہے ممکن ہے کہ ضعیف ہو البتہ جس شخص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ غیر ثقہ سے روایت ہی نہیں کرتا جیسے ابن ابی عمیر تو ان کی مرسل حدیث قبول کر لی جائے گی مگر اس صورت میں وہ مسند ہوگی۔

تنبیہ :۔ اگر مرسل حدیث کی سند میں سے ایک راوی کم ہوگیا ہو تو اس پر منقطع اور مقطوع کا بھی اطلاق کیا جائے گا اور اگر ایک سے زائد راوی کم ہو جائیں تو اس پر معضل کا بھی اطلاق ہوگا۔

(۴) **معلل** ۔ اس سے وہ حدیث مراد ہے جو ظاہر میں تو صحیح و سالم ہو مگر اس میں کوئی علت اور ایسا مخفی سبب موجود ہو جو حدیث کی صحت میں قدح کرتا ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔

اوّل :۔ یہ علت حدیث کے متن میں ہو جیسے :۔

۱۔ متن حدیث قواعد عربیت کے خلاف ہو۔

۲۔ حدیث کسی قطعی دلیل کے خلاف ہو۔

۳ - حدیث میں ایک ہی راوی کی طرف سے اضطراب موجود ہو جو عدم ضبط اور عدم تحقیق پر دلالت کرے۔

دوم - یہ علت حدیث کی سند میں ہو جیسے۔

۱ - حدیث کا راوی ایسا ہو جو ثقہ اور غیر ثقہ میں مشترک ہو یعنی جس شخص نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اسی نام کا ایک راوی اور بھی ہو اور ان دونوں راویوں میں ایک ثقہ ہو اور ایک غیر ثقہ اور اس کا علم نہ ہو کہ اس حدیث کو ثقہ راوی نے روایت کیا ہے یا غیر ثقہ نے،

۲ - اس حدیث کے راوی کی سند کے مخالف ہو اور ساتھ ہی ساتھ کچھ ایسے قرائن بھی موجود ہوں جن کی وجہ سے یہ وہم ہوتا ہو کہ موصول کو مرسل یا مرفوع کو موقوف کر دیا گیا یا ایک سند کو دوسری سند میں داخل کر دیا ہو یا ایسا ہی کوئی اور امر پیش آ جائے جس سے یہ گمان ہو کہ حدیث میں کچھ خلل واقع ہو گیا اور اس کے وجہ سے وہ حدیث کی عدم صحت کا حکم لگا دے یا حدیث کی صحت میں توقف کرے۔

(۵) مدلس - اس سے وہ حدیث مراد ہے جس کا عیب مخفی ہو اس کی دو قسمیں ہیں :-

اوّل - مدلس الاسناد - جس سے وہ حدیث مراد ہے جسے راوی نے اپنے کسی ہمعصر یا اس شخص سے روایت کیا ہو جس سے اس کی ملاقات تو ہوئی ہو مگر خود اس سے اس حدیث کو سنا البتہ بیان اس طریقہ

ے کیا ہو جس سے توہم[1] ہوتا ہو کہ راوی نے حدیث کو خود اس سے سنا ہے جیسے راوی کسی حدیث کو یہ کہہ کر بیان کرے کہ قال فلاں یا عن فلان یا حدث فلاں یا اخبر فلان ان الفاظ میں اگرچہ اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ راوی نے حدیث کو خود اس شخص سے سنا بھی ہے جس سے روایت کر رہا ہے مگر توہم ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ راوی کی اس سے ملاقات ہونا ثابت ہے۔ اور الفاظ عام ہیں لیکن اگر ایسے الفاظ میں بیان کر دے کہ جن میں اس امر کی تصریح ہو کہ راوی نے خود اس سے سنا ہے تو پھر تدلیس نہ رہے گی اور جھوٹ ہو جائے گا جیسے راوی حدیث یہ کہہ کر بیان کرے کہ حدثنا فلان یا اخبرنا فلان اس لئے کہ تدلیس میں ضروری ہے کہ جھوٹ نہ ہو۔

تنبیہ - تدلیس کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ راوی نے جس شخص سے حدیث کو سنا ہے اسے تو بیان کر دے مگر اس کے بعد ایسے راوی کو ساقط کر دے جو ضعیف یا صغیر السن ہو تاکہ حدیث کی خوبی میں کوئی قدح نہ ہو۔

---

[1] اس طریقہ سے بیان کرنے میں راوی یہ فائدہ سمجھتا ہے کہ جب یہ سمجھا جائے گا کہ حدیث براہ راست شیخ سے بیان کی گئی ہے تو اس سے زیادہ اچھا سمجھا جائے گا اور وہ بلکہ بھی زاید ہو جائے گی علو الاسناد ہوگی مگر یہ طریقہ اہل حدیث میں برا سمجھا جاتا رہا ہے یہاں تک بعض لوگوں نے تو کہہ دیا ہے کہ جس شخص کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ حدیث میں تدلیس کرتا ہے تو وہ مجروح اور مردود الروایۃ ہوگا ۱۲ -

دوم - مدلس[1] الشیوخ - جس سے وہ حدیث مراد ہے جو شیخ سے سُن کر روایت کیا جائے مگر کسی وجہ سے شیخ کا غیر معروف نام یا کنیت بتائے یا ایسے شہر یا قبیلہ کی طرف منسوب کرے جس سے وہ سمجھ میں نہ آئے یا اس کا غیر معروف وصف بیان کردے۔

(۶) **مضطرب** اس سے وہ حدیث مراد ہے جس کی روایت میں راوی نے اختلاف کیا ہو، اس کی دو قسمیں ہیں۔

اوّل - جس کی حدیث کی سند میں اختلاف ہو اور راوی نے اسے کبھی کسی طریقہ سے روایت کیا ہو اور کبھی کسی طریقہ سے مثلاً اسی حدیث کو کبھی تو ابن ابی عمر سے روایت کیا ہو اور کبھی محمد بن مسلم سے۔

دوّم - جس حدیث کے متن میں اختلاف ہو راوی نے اسی حدیث

---

[1] جو حدیث مدلس الشیوخ ہو اس میں مدلس الاسناد کے مقابلہ میں ضرور کم ہے اس لئے کہ اگر شیخ کا پتہ چل گیا تو اس کے ثقہ اور ضعیف ہونے کے لحاظ سے حدیث کا حکم ہوگا اور اگر اس کا پتہ نہ چلا تو حدیث مجہول السند قرار دے کر رد کر دی جائے گی مگر محدث کو اس قسم کی تدلیس بھی نہ کرنی چاہیے بعض لوگ اپنی ذاتی اغراض کی وجہ سے یہ نہیں چاہتے ہیں کہ شیخ کی شہرت ہو مگر درد دین ان کو مجبور کرتا ہے کہ حدیث کو نقل کریں اس لئے وہ حدیث کو تو روایت کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے مگر شیخ کا غیر معروف نام ذکر کرتے ہیں تاکہ ان کو لوگ کم سمجھیں اور ان کی زیادہ شہرت نہ ہو سکے ۱۲

کو کبھی کم کرکے بیان کیا ہو۔ اور کبھی زیادہ کرکے کبھی ایک حدیث کو بیان کیا ہو اور کبھی اس کے خلاف بیان کیا ہو۔

تنبیہ ۱۔ اختلاف کبھی ایک ہی راوی سے ہوتا ہے اور کبھی متعدد راویوں سے اگر اختلاف ایک ہی راوی سے ہو تو وہ قبیح تر ہے اور زیادہ راویوں سے اختلاف ہونا بھی حدیث کو ضعیف کرتا ہے۔

۲۔ اضطراب اسی وقت ہوگا جب مختلف روایتیں صحت اور غیر صحت کے اعتبار سے مساوی ہوں اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر کسی وجہ سے بھی ترجیح نہ ہو، ورنہ اگر کسی وجہ سے ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح ہوگی جیسے مثلاً ایک حدیث کے راوی میں حفظ و ضبط کا وصف زائد ہو تو پھر حکم اسی حدیث کے موافق ہوگا جس میں ترجیح کا کوئی سبب موجود ہو اور اضطراب باقی نہ رہے گا۔

(۷) **مقلوب**، اس سے وہ حدیث مراد ہے جو کسی ایک طریقہ سے مروی ہو مگر رغبت دلانے کے لئے اسے دوسرے طریقہ سے روایت کر دیا جائے مثلاً کوئی حدیث محمد بن قیس سے مروی ہو اور اسے محمد بن مسلم سے روایت کر دیا جائے۔

(۸) **موضوع**۔ اس سے وہ جھوٹی حدیث مراد ہے جسے کسی شخص نے اپنی کسی غرض سے گڑھ لیا ہو۔ موضوع حدیث ضعیف کی بدترین قسم ہے، اور اس کو موضوع سمجھتے ہوئے روایت کرنا ناجائز و حرام ہے البتہ اس کے موضوع ہونے کو ظاہر کرتے ہوئے روایت کر سکتے ہیں۔

حدیث کا موضوع ہونا چند طریقوں سے معلوم ہو سکتا ہے۔

۱۔ حدیث کو وضع کرنے والا خود اقرار کرے۔

۲۔ حدیث کے الفاظ رکیک ہوں، مگر اس کا اندازہ صرف ان محدثین ہی کو ہو سکتا ہے جن کو امتیاز کرنے کا ملکہ حاصل ہو، ذہن مستقیم ہو اور سمجھ بھی اچھی ہو اطلاع بھی کافی ہو اور جو قرائن کہ اس پر دلالت کرتے ہوں اُن سے واقف بھی ہو۔

۳۔ غلطی پر بغیر قصد و ارادہ اطلاع ہو جائے جیسا کہ ثابت بن موسی الزاہد کے لئے اس حدیث میں ہوا

من کثرت صلوٰتہ باللیل

حسن وجہہ بالنار

واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شیخ مجمع میں حدیث بیان کر رہے تھے اتنے میں ایک شخص حسن الوجہ (خوبصورت) آیا شیخ نے حدیث کے اثناہی میں متذکرہ بالا فقرہ کہا اور ثابت بن موسیٰ سمجھے کہ یہ بھی حدیث ہے اور انھوں نے اس کی روایت بھی کر دی۔

واضعین حدیث کی قسمیں

حدیث وضع کرنے والوں کی چند قسمیں ہیں۔

اوّل۔ وہ لوگ جو بادشاہ ہوں اور اہل دنیا کو خوش کرنے اور ان سے تقرب حاصل کرنے کیلئے احادیث گڑھ گڑھ کر بیان کرتے ہیں جیسے

غیاث بن ابراہیم کہ وہ ایک روز مہدی بن منصور کی خدمت میں حاضر ہوئے
مہدی کو گرہ باز کبوتر پسند تھے اس لئے غیاث نے جناب رسولؐ خدا سے یہ
حدیث روایت کر دی۔

لا سبق الّا فی خف او حافر
او نصل او جناح۔

مہدی نے یہ سن کر اُسے دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا لیکن جب وہ
چلا گیا تو مہدی نے کہا کہ غیاث نے جناب رسولؐ خدا پر افترا کیا آں حضرتؐ نے
ہرگز جناح نہیں فرمایا۔ اس نے محض مجھے خوش کرنے اور مجھ سے تقرب حاصل
کرنے کے لئے ایسا کیا۔ پھر حکم دیا کہ تمام کبوتروں کو ذبح کر ڈالا جائے اس لئے
کہ حدیث انھیں کی وجہ سے وضع کی گئی۔

اور اسی قبیل سے وہ فقرار و سائلین بھی ہیں جو پیشہ کمانے کی خاطر
احادیث گڑھ گڑھ کر بیان کیا کرتے ہیں جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ
بن معین کے لئے مسجد الرصافہ میں پیش آیا۔ ان دونوں نے وہاں نماز پڑھی،
اتنے میں ایک شخص کھڑا ہوا اور انھیں دونوں کی سند سے جناب رسولؐ خدا
کی ایک حدیث اس طریقہ سے بیان کی۔

حدثنا احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین
قال حدثنا عبد الرزاق عن معمر عن قتادہ
عن انس قال قال رسول اللہؐ من قال لا الٰہ
الّا اللہ خلق اللہ تعالیٰ من کل کلمۃ منھا

طیراً منقارہ من ذھب وریشہ من مرجان
واخذ فی قصّۃ نحواً من عشرین ورقۃ۔

ہم سے احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے بیان کیا انھوں
نے بیان کیا کہ ہم سے عبدالرحمان نے کہا انھوں نے مُعمّر سے
انھوں نے قتادہ سے انھوں نے انس سے روایت کی انس
کہتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لاالہ
الااللہ کہتا ہے خدا ہر کلمہ سے ایک طائر کو خلق فرماتا ہے جس کو
چونچ سونے کی اور بازو مرجان کے ہوتے ہیں۔
یہ حدیث سُن کر امام احمد بن حنبل نے امام یحییٰ بن معین کی طرف دیکھا
اور انھوں نے ان کی طرف، اور کہا کہ کیا آپ نے یہ حدیث اس شخص سے بیان
کی ہے، انھوں نے جواب دیا۔

واللہ ما سمعت بھذا الا الساعۃ

قسم بخدا کہ میں نے تو یہ حدیث اس وقت سے پیشتر سنی
بھی نہیں۔

جب بیان کرنے سے فارغ ہوا تو لوگوں سے رقم وصول کرنے لگا پھر
اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ بقیہ اشخاص سے بھی کچھ وصول ہو جائے۔ اتنے
میں امام یحییٰ بن معین نے اُسے انگلی کے اشارے سے بُلایا، وہ اس خیال
سے آیا کہ شاید یہ کچھ عنایت فرمائیں گے لیکن جب وہ قریب آیا تو امام یحییٰ بن
معین نے دریافت فرمایا کہ یہ حدیث تم سے کس نے بیان کی ہے اُس نے

جواب دیا کہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے امام یحییٰ نے فرمایا کہ یحییٰ ابن معین تو میں ہوں اور احمد بن حنبل یہ ہیں ہم نے تو کبھی یہ سنا بھی نہیں کہ یہ حدیث رسولؐ ہے اگر تم کو جھوٹ بولنا ہی ضروری تھا تو ہمارے بجائے کسی اور کو اختیار کیا ہوتا، اس نے دریافت کیا کہ یحییٰ بن معین آپ ہی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں یحییٰ بن معین میں ہی ہوں اس نے کہا کہ میں نے سنا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہے مگر اس وقت تصدیق ہو گئی، انھوں نے دریافت کیا کہ تمھیں کیونکر معلوم ہوا کہ میں احمق ہوں، اس نے جواب دیا کہ دنیا میں آپ دونوں کے علاوہ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل کوئی اور ہے ہی نہیں، میں نے سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے احادیث لکھی ہیں، پس امام احمد بن حنبل نے آستین اپنے چہرہ پر رکھی اور کہا کہ اسے چھوڑ جانے دو اور وہ ان دونوں کا مضحکہ اڑاتا ہوا چلتا بنا۔

دوم بعض لوگ زہد و صلاح سے متصف ہونے کے باوجود احادیث کو یہ سمجھتے ہوئے گڑھ لیتے ہیں کہ ہم قربۃً الی اللہ ایسا کرتے ہیں ان سے لوگوں کے دلوں میں امر خیر کی طرف رغبت اور خوف خدا پیدا ہو گا ایسے اشخاص کے ظاہری زہد و صلاح کی وجہ سے لوگ ان کی احادیث کو قبول بھی کر لیتے ہیں اس قسم کی احادیث وعظ و پند اور زہد کے متعلق زیادہ ملیں گی۔

انھیں روایات میں وہ احادیث بھی ہیں جو ابو عصمہ نوح بن مریم المروزی نے بروایت عکرمہ ابن عباس سے روایت کی ہیں جن میں قرآن شریف

کے ہر سورہ کے فضائل مذکور ہیں حالانکہ اصحاب عکرمہ کے پاس ان احادیث کا وجود بھی نہیں جب لوگوں نے ابوعصمہ سے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے جواب دیا کہ:

انی رائیت النّاس قد اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقه ابی حنیفه ومغازی محمّد بن اسحٰق فوضعت هذا الحدیث حسبة

میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن شریف سے کنارہ کشی کرتے اور فقہ ابو حنیفہ اور مغازی محمد بن اسحق میں مشغول ہو رہے تو میں نے یہ احادیث قربۃً الی اللہ گڑھ لیں۔

اسی طرح ابن حبّان نے ابن مہدی سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے میسرہ بن عبد ربّہ سے دریافت کیا کہ تم جو یہ حدیثیں "من قراء کذا فله کذا" (جو یہ پڑھے اس کے لئے یہ ثواب ہے) بیان کرتے ہو کہاں سے لائے تو انھوں نے جواب دیا کہ وضعتها لارغب النّاس فیها۔ (میں نے ان کو گڑھ لیا ہے تاکہ لوگ ان میں رغبت کریں۔

سوّم۔ بعض لوگ خاص مسلک رکھنے والے اپنے مسلک کی تائید اور تقویت کے لئے احادیث گڑھ لیتے ہیں جیسے۔

۱۔ زنادقہ کہ عبد الکریم بن ابی العوجا (جس کے قتل کا محمد بن سلیمان بن العباسی نے حکم دیا تھا) اور بنان جس کو خالد القری نے قتل کر کے آگ میں جلا دیا تھا) نے احادیث کثرت سے وضع کی ہیں۔ عقیلی نے اپنی

نے حماد بن زید سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ :-

وضعت الزّنادقة علیٰ رسول اللّٰہ اثنی

عشر الف حدیث ۔

حضرت رسولؐ خدا پر زنادقہ نے بارہ ہزار حدیثیں

گھڑی ہیں ۔

ابن عدی نے اپنی اسناد سے جعفر بن سلیمان سے نقل کیا ہے وہ

کہتے ہیں کہ میں نے مہدی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ :-

اقر عندی رجل من الزّنادقة انه وضع

اربعمائة حدیث فهو تجول فی ایدی النّاس ۔

زنادقہ میں سے ایک شخص نے میرے سامنے اقرار کیا

کہ اُس نے چار سو حدیثیں وضع کی ہیں جو لوگوں میں رائج ہیں ۔

عبداللہ بن یزید المقری سے روایت ہے کہ ایک شخص جو خوارج

میں داخل تھا جب وہ اپنی بدعت سے پلٹا تو کہنے لگا کہ :-

انظروا هذا الحدیث عمّن تاخذونه فانا

کنا اذا رائینا رایا جعلنا له حدیثاً ۔

دیکھو کہ یہ حدیث کس شخص سے لے رہے ہو جب ہم کوئی

نئی بات اختیار کرتے تھے تو اس کے لئے حدیث بنا لیتے تھے ۔

۲ ۔ غلاۃ و مفوضہ کہ ابو الخطاب اور یونس بن ظبیان اور یزید الصائع

وغیرہ نے اپنے مذہب کی تقویت کے لئے احادیث وضع کیں ۔

۳ - بنی امیہ کہ انھوں نے بہت سی حدیثیں خلفاء کے فضائل میں وضع کرائیں -

۴ - بعض لوگ اپنے مختلف ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کی بنا پر احادیث وضع کر لیا کرتے تھے، ابن عدی نے کامل میں بریدہ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ :-

کان حیّ من بنی لیث علی میلین من المدینة وکان رجل قد خطب منهم فی الجاهلیة فلم یزوّجوهم فاتاهم وعلیه حله فقال ان رسول اللّٰہ کسانی هذن او امرنی ان احکم فی اموالکم ودمائکم ثم انطلق فنزل علیٰ تلك المرأة التی کان خطبها فارسل القوم الیٰ رسول اللّٰہ فقال کذب عدو الله ثم ارسل رجلاً فقال ان وجدته حیا فاضرب عنقه وان وجدته میتا فاخرقه فوجده قد لدغته افعی فمات فحرّقه بالنار -

مدینہ سے دو میل فاصلہ پر قبیلہ بنی لیث رہتا تھا، ایک

شخص نے زمانۂ جاہلیت میں اس قبیلہ کی ایک عورت سے
شادی کرنا چاہی تھی مگر انھوں نے شادی نہ کی تھی یہ اُن کے
پاس آیا ایک حلّہ لئے ہوئے تھا اور کہنے لگا کہ حضرت رسولِ خداؐ
نے مجھے یہ حلّہ پہنایا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں تمھارے اموال اور
دماؤں میں حکم دوں، پھر وہ چلا گیا اور اس عورت کے یہاں جا کر
اترا جس سے شادی کرنا چاہتا تھا، لوگوں نے ایک شخص کو
آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا حضرت نے فرمایا کہ دشمن خدا جھوٹ
بکتا ہے، پھر ایک شخص کو بھیجا اور اُسے حکم دیا کہ اُسے زندہ پاؤ
مار ڈالو اور اگر مردہ پاؤ تو آگ میں جلا دو، اُنھوں نے اُسے
مردہ پایا سانپ نے اُس کے کاٹ لیا تھا اُنھوں نے اُس کو آگ
میں جلا ڈالا۔

تدوینِ احادیث

جنابِ رسولِ خداؐ جس زمانے میں مبعوث ہوئے ہیں اس وقت
عرب میں کتابت کا رواج بہت کم تھا مکہ معظمہ میں تو گنے چُنے ہی لوگ
فنِ کتابت کے جاننے والے تھے، اس زمانہ میں احادیث کا کتابی
صورت میں جمع ہونا قریب قریب ناممکن تھا، ابتدا میں احادیث کی
کتابت اگرچہ صفحاتِ قرطاس پر نہ ہو سکی مگر صفحاتِ قلب اس کے لئے
وقف کر دیئے گئے تھے، اصحابِ کرام احادیث کو کتابوں کے بجائے سینوں

میں محفوظ رکھتے تھے اور یہ اس زرّیں عہد کی خصوصیت تھی کہ علم
علم سفینہ نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ علم سینہ خیال کیا جاتا تھا۔

اس عہد کے مسلمان خوب سمجھتے تھے کہ آیات و احادیث لازم و
ملزوم اور ایک جان دو قالب ہیں، آخری نجات کا دارومدار انہیں دونوں
پر ہے اور یہی دونوں اسلام کی روح رواں ہیں۔ احادیث کتاب اللہ
کی تفسیر اور آیات کی طرح معارف الٰہیہ، احکام ربانیہ حلال و حرام
اخلاق و آداب کی خزینہ دار ہیں اس لئے وہ احادیث کی طرف سے
بے اعتنائی نہ برتتے تھے بلکہ جو شوق و رغبت آیات کی طرف تھا وہی
احادیث کی طرف بھی تھا۔

پیغمبرؐ اسلام کا احادیث یاد کرنے کی رغبت دلانا

وقتاً فوقتاً جناب سرورِ کائنات بھی اصحاب کو حدیث یاد کرنے
کی طرف رغبت دلاتے رہتے، کبھی تو یہ فرما کر رغبت دلاتے کہ

من حفظ علیٰ امّتی حدیثا واحداً له اجر
سبعین نبیاً صدیقاً۔

جو شخص میری امت کے لئے ایک حدیث کو یاد کرے
اُسے ستر نبی کا جو صدیق (بھی) ہوں اجر و ثواب ملے گا اور
کبھی یہ فرما کر شوق بڑھاتے کہ:۔

من حفظ علیٰ امّتی اربعین حدیثا ممّا

یحتاجون الیہ من امر دینہم بعثہ اللہ عزوجل یوم القیامۃ فقیہاً عالماً۔

جو شخص میری امت کے لئے چالیس ایسی حدیثیں یاد کرلے جن کی انھیں دینی امور میں ضرورت ہوتی ہو تو خداوند عالم قیامت کے روز اُسے فقیہ (اور) عالم محشور کرے گا۔

اس تشویق کا یہ اثر تھا کہ پرخلوص اصحاب خصوصیت سے یاد کرلیتے تھے، اور بے پڑھے لکھے اصحاب سے پیچھے نہ رہتے تھے جس قدر پیغمبر اسلام رغبت دلاتے تھے اتنا ہی مسلمانوں کا شوق بڑھتا جاتا تھا کوشش سے احادیث کو حاصل کرتے اور یاد کرتے تھے۔

اصحاب خصوصیت سے یہ تمنا لے کر دیار نبوی میں حاضر ہوا کرتے تھے کہ کچھ ذخیرہ احادیث ہاتھ آجائے اگر کسی وجہ سے کوئی صحابی اس دربار میں شرف حضوری حاصل نہ کرسکتا تو اسی فکر میں رہتا کہ کسی طرح وہ احادیث معلوم ہوجائیں جو اس کی عدم موجودگی میں حضرتؐ نے ارشاد فرمائی ہیں چنانچہ وہ دربار نبوی میں حاضر ہونے والوں کی تلاش میں رہتا اور جب تک کسی سے پوچھ نہ لیتا اُسے چین نہ آتا۔

یہ آغاز اسلام کے مسلمانوں کا طرز عمل تھا جو انتہائی شوق سے احادیث کو حاصل کرتے اور صفحات قلب پر لکھنے کی کوشش کرتے رہتے اور یہ گنج بہا خزانہ اسی عنوان سے محفوظ کیا جاتا تھا۔

پیغمبرؐ اسلام کا احادیث کی نشر و اشاعت پر رغبت دلانا

اسلام کا آغاز ایسے زمانہ میں ہوا ہے جب عرب ہی نہیں بلکہ دنیا پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، کفر و ضلالت کے تیز و تند جھونکے چل رہے تھے، شر و فساد کے چشمے اُبل رہے تھے یہ سرکار محمد بن عبد اللہ ہی کے دست و بازو کی قوت تھی کہ ایسے نازک وقت میں اسلام کو ہر قسم کے حملوں سے بچاتے رہے اور اس کی نشو و نما میں کسی چیز کو سد راہ نہ ہونے دیا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر خداداد تذکرتا اور سرکار محمدؐ عربی انہماک اور جان توڑ کوشش سے کام نہ لیتے تو کفر و ضلالت کی تیز و تند آندھیوں نے چراغ اسلام کو کبھی کا گل کر دیا ہوتا مگر جس چراغ کو دستِ قدرت نے روشن کیا ہو اُسے کون گل کر سکتا ہے یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ جس قدر یہ چراغ بجھایا گیا اتنا ہی اس کا نور بڑھتا گیا۔ شعاعیں پھیلتی گئیں، مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور اسلام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور اسلام نے اپنے مولد سے قدم آگے بڑھایا تو احادیث کے نشر و اشاعت کی ضرورت پڑی تاکہ جو لوگ دربار نبوت میں حاضر نہ ہو سکیں وہ احادیث سے محروم نہ رہ جائیں چنانچہ آنحضرتؐ نے جہاں احادیث یاد کرنے کا شوق دلایا وہاں ان کی نشر و اشاعت پر بھی حث و ترغیب فرمائی۔

بحار الانوار میں آمال صدوق سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ
ایک روز آنحضرتؐ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

اللّٰھم ارحم خلفائی

پروردگار میرے خلفا پر رحم فرما۔

عرض کیا گیا کہ حضور کے خلفار کون ہیں، حضرت نے ارشاد فرمایا۔

الذین یبلغون حدیثی و سنتی ثم
یعلمونھا امتی۔

میرے خلفار وہ لوگ ہیں جو میری حدیث اور سنت
کو دوسروں تک پہنچاتے اور میری امت کو بتاتے ہیں۔

اور بحار الانوار میں مجالس مفید سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک
روز حضرت رسول خدا نے منیٰ میں خطبہ پڑھا اس میں ارشاد فرمایا۔

نصر اللّٰہ عبداً اسمع مقالتی فوعاھا و
بلغھا من لم یسمعھا فکم من حامل فقہ
غیر فقیہ وکم من حامل فقہ الی من ھو
افقہ منہ۔

خدا اس بندے کو خوش عیش کرے جو میری حدیث
کو غور سے کان لگا کر سنے اور جس نے نہ سنا ہو اُسے پہنچائے،
بہت سے حامل فقہ ہوتے ہیں مگر فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے
حامل فقہ ہوتے ہیں جو اپنے سے فقیہ تر کو پہنچا دیتے ہیں۔

اور بحار الانوار ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا:

جو موجود ہے اُسے چاہیے کہ میری حدیث اس شخص کو (بھی) پہنچا دے جو یہاں سے غائب ہے ممکن ہے کہ اُس شخص کو پہنچ جائے جو اس سے زیادہ غور کرے۔

بعض اس وقت کے مسلمان اسلام کے سچے شیدائی اور پیغمبر اسلام کے عاشق تھے اس لئے آنحضرتؐ کی یہ تشویق بے کار نہ گئی، اصحاب نے حدیث کی نشر و اشاعت میں بہت کچھ حصہ لیا۔

احادیث کے حفظ کرنے کی تاکید اور اُن کی نشر و اشاعت کا حکم اس لئے نہیں دیا گیا تھا، کہ محمد عربی کا کلام دنیا میں پھیل کر ان کی شہرت و نمود کا سبب ہو بلکہ اس میں یہی راز مضمر تھا کہ جب احادیث دنیا میں مشتہر ہو جائیں گی اور یاد ہوں گی تو مسلمان تفسیر قرآن سے واقف ہوں گے خدا کے احکام حلال و حرام سے مطلع ہوں گے، اخلاق و آداب کو جانیں گے دین سے ناآشنا نہ رہیں گے عبادات و معاملات میں فرمان الٰہی کے مطابق عمل کر سکیں گے، اور اپنا ظاہر و باطن درست کر کے کامل انسان بن سکیں گے۔

بہر حال احادیث کا سلسلہ یوں ہی بڑھتا رہا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو پہنچاتا رہا اور احادیث رسولؐ ایک مقام سے دوسرے مقام پر اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہوتی رہیں۔

آیات قرآنی اور احادیث کی نشر و اشاعت کا فرق

جس طرح احادیث کی نشر و اشاعت ہوتی رہی اسی طریقہ سے آیات قرآنی کی بھی نشر و اشاعت ہوتی تھی تاہم آیات و احادیث کی نقل میں تھوڑا سا فرق بھی تھا۔

بابصیرت اصحاب آیات کو نقل کرنے میں احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس معاملہ میں اتنی زبردست احتیاط برتی جاتی تھی کہ نقل کرنے والا وحی کے الفاظ بجنسہٖ نقل کرتا تھا اس لئے کہ آیت کے الفاظ کو بھی اعجاز میں دخل ہے، اگر آیت کا کوئی لفظ تبدیل کر دیا جائے تو وہ اعجاز باقی نہیں رہ سکتا نہ وہ لطف پیدا ہو سکتا ہے جو وحی کے الفاظ میں ہوتا ہے اسی لئے اگر کوئی شخص آیت کے الفاظ بھول جاتا تو پھر اُسے نقل کرنے کی جرأت نہ کرتا بخلاف احادیث کے کہ جس کسی کو حدیث کے الفاظ یاد نہ رہتے اور صرف مطلب ہی یاد ہوتا تو وہ اپنے الفاظ میں حدیث کا مطلب ہی ادا کر دیتا جس کی وجہ صرف یہی تھی کہ قرآن شریف کے الفاظ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ حدیث کے الفاظ کو حاصل نہیں ہے، قرآن شریف کے الفاظ اعجاز میں ڈوبے ہوئے ہیں اور حدیث کے الفاظ سادہ ہیں، حدیث میں بالذات معانی ہی مقصود ہوتے ہیں اس لئے حدیث کے معانی اور مفہوم کو ادا کر دینا حدیث کے مقصد کو پورا کر دینا سمجھا گیا، اسی لئے حدیث جس طرح باللفظ نقل کی جاتی ہے، اسی طرح بالمعنی بھی نقل ہو سکتی

ہے، بخلاف آیات قرآن کے کہ اگر ان کا مفہوم دوسرے الفاظ میں ادا کیا جائے تو اعجاز کے ایک مخصوص شعبہ سے جو مخصوص الفاظ کی ترکیب سے حاصل ہوتا ہے ہاتھ دھونا پڑے گا مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حدیث کو بالمعنیٰ صرف وہی شخص نقل کر سکتا ہے جو الفاظ کے حقیقی اور مجازی معنیٰ سے پوری طرح واقف ہو اور کلام کے منطوق و مفہوم کو خوب سمجھتا ہو تاکہ حدیث کے معنیٰ و مفہوم میں کوئی غلطی نہ کرے۔

اگر کوئی شخص ان چیزوں کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا وہ حدیث کو بالمعنیٰ نقل بھی نہیں کر سکتا اس کا فرض یہی ہے کہ جو الفاظ معصوم سے سُنے ہیں اُنہیں کو نقل کرے، بہرحال ابتدائے اسلام میں فن کتابت کا زیادہ رواج نہ ہونے کی وجہ سے بیشتر اصحاب تو احادیث کو صرف اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے اور ان کی نشر و اشاعت میں سرگرم رہتے تھے، خاص خاص مجلسوں میں احادیث کا چرچا رہتا تھا اور روز بروز احادیث کی نشر و اشاعت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا تھا۔

پیغمبر اسلام کا کتابت احادیث کی رغبت دلانا

اسلام کا ابتدائی زمانہ اگرچہ فن کتابت کے لحاظ سے نہایت تاریک خیال کیا جاتا ہے، اس عہد میں عام طور سے کتابت کا رواج نہ تھا جس کی وجہ سے احادیث زیادہ تر لوحِ قلب پر محفوظ کی جاتی تھیں، مگر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانہ میں بھی کچھ نہ کچھ لوگ ایسے تھے جو

کتابت کر لیا کرتے تھے، اگرچہ انگلیوں پر شمار کرنے ہی کے قابل ہوں،
جناب رسولؐ خدا کی خواہش بھی تھی کہ مسلمان احادیث کو لکھ لیا کریں
اس لئے صرف یاد کر لینے سے وہ دوام نہیں ہو سکتا جو لکھ لینے سے ہوتا
ہے، شریعت محمدیہ تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے اس کے بعد کوئی
اور شریعت آنے والی نہیں ہے، حضرت محمد مصطفٰےؐ ختم نبوت کا گرانبہا
تاج پہن کر تشریف لائے تھے اس لئے ضرورت تھی کہ احادیث کچھ ایسے
طریقہ پر محفوظ ہو جائیں کہ قیامت تک آنے والے مسلمان، اُن سے فائدہ
اٹھا سکیں، اور جس طرح دور اوّل کے مُسلمان احادیث سے معارفِ
الٰہیہ احکام ربّانیہ، حلال و حرام، اخلاق و آداب کو حاصل کرتے ہیں
بعد میں آنے والے مسلمان بھی حاصل کر سکیں گے۔

احادیث کا مکمل محافظ تو حضرت نے عترت طیبہ اور ائمہ اطہار کو
بنایا تھا جو آپ کے اوصیا اور جامۂ عصمت سے آراستہ تھے تاکہ احادیث
ان سے اصلی حالت میں مل سکیں اور ہر قسم کے تغیّر و تحریف سے محفوظ
رہیں جامۂ عصمت ہر قسم کے تغیّر سے محافظت کا ضامن تھا، حضرتؐ نے
اپنی حیات کے آخری دور میں بھی ارشاد فرمادیا تھا کہ۔

انی تارك فیکم الثقلین ما ان تمسکتم
بھما لن تضلوا بعدی احد ھما اعظم
من الاٰخر کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی۔

میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں،

جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے میرے بعد گمراہ نہ ہوگے، ایک ان میں سے دوسرے سے عظیم تر ہے۔ (ان میں ایک تو کتاب (ہے) اور (دوسرے) میری عترت میرے اہلبیتؑ۔

تاکہ کسی کے لئے یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ حضرتؐ نے کوئی ایسا انتظام نہیں فرمایا جس سے ہر زمانہ میں صحیح احادیث معلوم ہو سکیں، ائمہ اطہار پیغمبرؐ خدا کے اوصیاء اور خلفاء تھے اور علوم پیغمبرؐ احادیث پیغمبرؐ کے وارث اور خزینہ دار، قیام اسلام بھی بمفاد حدیث رسولؐ۔

لایزال امر الاسلام قائماً حتّٰی یمضی فیه اثنا عشر ائمة کلهم من قریش۔

انھیں کے ساتھ وابستہ تھا، ہر زمانہ میں ان میں سے کسی نہ کسی کا وجود ضروری تھا اس لئے ہر زمانہ میں لوگوں کے لئے احادیث صحیحہ حاصل کر لینے کا موقع بھی رہتا تھا۔

اگرچہ احادیث کی حفاظت کا یہ ایک نہایت مکمل طریقہ تھا تاہم حضرتؐ نے دوسرا طریقہ کتابت حدیث کا اختیار فرمایا اس لئے لکھا ہوا باقی رہتا ہے اور سنا ہوا یا حفظ کیا ہوا مرور زمانہ سے نسیاً منسیا ہو جاتا ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ اسلام کی روح رواں دو ہی چیزیں ہیں:۔

۱۔ آیات قرآن شریف

۲۔ احادیث۔

آیات کے الفاظ اعجاز کے سانچے میں ڈھلے ہونے کی وجہ سے چونکہ خاص
اہمیت رکھتے تھے اس لئے آنحضرتؐ نے ان کی کتابت کا تو خاص طور سے
اہتمام فرمایا تھا۔

اس زمانہ میں جو لوگ فن کتابت سے واقف تھے ان میں سے کچھ
لوگوں کو الفاظ وحی کی کتابت کے لئے نامزد فرما دیا تھا کہ جب وحی نازل
ہو تو وہ اس کے الفاظ لکھ لیا کریں اور آیات کے الفاظ میں کسی قسم کا تغیر
نہ ہونے پائے جس سے اس کے اعجاز میں کسی قسم کا نقصان واقع نہ ہو اور
احادیث کے الفاظ چونکہ اعجاز سے متصف نہ تھے اس لئے حضرتؐ نے عام طور
سے ان کی کتابت کے لئے وہ اہتمام نہ فرمایا جو آیات کے لئے کیا تھا مگر حضرتؐ
کو دل سے ضرور چاہتا تھا کہ احادیث بھی لکھ لی جایا کریں تاکہ سہو و نسیان کی نذر
نہ ہو جائیں اور حضرتؐ کی اس قلبی خواہش کا پتہ اس طرح چلتا تھا کہ آپ
وقتاً فوقتاً اصحاب کو احادیث لکھ لینے کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے،
چنانچہ ایک مرتبہ حضرتؐ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا۔

"علم کو مقید کر لو"

اصحاب نے عرض کیا کہ علم مقید کرنے سے کیا مراد ہے اسے کیونکر مقید
کیا جائے حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ۔

لہ روی عن النبیؐ انہ قال قیدوا العلم قیل وما تقییدہ
قال کتابتہ ۔ ۱۲ بحار الانوار نقلاً عن منیۃ المرید

"علم کو مقید کرنے سے اُس کی کتابت کرنا اور لکھ لینا مراد ہے"۔
اسی طرح انصار میں سے ایک شخص آنحضرتؐ کی مجلس میں بیٹھا کرتا
اور حضرتؐ سے جو حدیث سنا کرتا اسے بھلی معلوم ہوتی تھی مگر یاد نہ رہتی تھی
اس نے حضرت سے شکایت کی حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ سے
مدد لو اور اپنے دست مبارک سے خط (کتابت) کی طرف اشارہ فرمایا۔

اصحاب رسولؐ کو احادیث لکھنے کا شوق

حضرت رسولؐ خدا کے ان احکام کا نتیجہ یہ تھا جو اصحاب فن کتابت سے
واقف تھے وہ حضرتؐ کی احادیث لکھ لیا کرتے تھے، بلکہ بعض اصحاب کو تو
خصوصیت سے شوق تھا کہ جو کچھ حضرتؐ سے سنیں اُسے لکھ لیا کریں جس کی
تصدیق عمروؓ بن شعیب کی روایت سے ہوتی ہے جسے اس نے اپنے باپ سے

لہ ان رجلاً من الانصار کان یجلس الی النبیؐ فیسمع منہ
الحدیث فیعجبہ ولا یحفظہ فشکیٰ ذٰلک الی النبیؐ فقال لہ
رسول اللہؐ استعن بیمینک واوما بیدہ الی خطّ" بحار الانوار
نقلاً عن المرید۔

سلہ حماد بن سلمہ عن محمد بن اسحٰق عن عمرو بن شعیب عن
ابیہ عن جدّہ قال قلت یارسول اللہ اکتب کلّ ما اسمع منک
قال نعم قلت فی الرضاء والغضب قال نعم فانی لا اقول فی ذلک
کلہ الا الحق" بحارالانوار نقلاً عن عوالی اللآلی۔

اور اُس نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ میں جو کچھ حضور سے سنتا ہوں اُسے لکھ لیتا ہوں، حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اچھا کرتے ہو" میں نے عرض کیا کہ کیا رضا و غضب دونوں حالتوں میں حضور جو کچھ ارشاد فرمائیں اُسے لکھ لیا کروں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں لکھ لیا کرو اس لئے کہ میں ان تمام حالتوں میں صرف حق ہی کہتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس کا احادیث لکھنا

عبداللہ بن عباس جو جناب رسولؐ خدا کے صحابی اور امیر المومنینؑ کے شاگرد جلیل القدر مفسر تھے، جن کو عامہ و خاصہ سب مانتے ہیں اگرچہ حدیث میں ان کی کوئی کتاب نہیں پائی جاتی مگر واقعات و حالات یہ ضرور بتاتے ہیں کہ وہ فن کتابت سے واقف اور احادیث لکھنے کا شوق رکھتے تھے جس کی تائید میثم کے واقعہ سے ہوتی ہے، یہ ایک مرتبہ مدینۂ منورہ گئے اور حضرت ام سلمہ ام المومنین کے در دولت پر حاضری دی جب وہاں سے واپس ہوئے تو عبداللہ بن عباس بیٹھے ہوئے ملے میثم نے کہا کہ اے ابن عباس تفسیر قرآن کے متعلق جو کچھ چاہو مجھ سے پوچھ لو اس لئے کہ میں نے قرآن شریف حضرت امیر المومنینؑ سے پڑھا ہے اور اُنھوں نے مجھے اسکی تاویل بتا دی ہے، ابن عباس نے خادمہ سے دوات اور کاغذ منگایا اور لکھنے کے لئے آمادہ ہو کر بیٹھ گئے، میثم نے کہا:-

یا ابن عباس کیف بک اذا رأیتنی مصلوباً
تاسع تسعه اقصرهم خشبة و اقربهم بالمطهرہ

ابن عباس نے کہا کہ آپ کہانت بھی کرتے ہیں اور جو کچھ لکھا تھا اُسے پھاڑ ڈالنا چاہا، میثم نے روکا اور کہا جو کچھ مجھ سے سُنا ہے اُسے محفوظ کرو اگر یہ حق ہو تو رہنے دینا اور اگر باطل ہو تو پھاڑ ڈالنا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عباس احادیث کا لکھنے کا کس درجہ شوق رکھتے تھے اس لئے کہ جب میثم نے بیان کرنا چاہا تو دوات کاغذ منگا کر لکھنے کے لئے تیار ہو گئے اور جب میثم بیان کرنے لگے تو انھوں نے لکھنا شروع کر دیا۔

ابن عباس کا یہ شوق دیکھتے ہوئے مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے جو احادیث جناب رسولؐ خدا اور حضرت علیؑ سے سُنی ہوں۔ ان کو لکھ نہ لیا ہو۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی "تدریب الراوی" میں لکھا ہے کہ ابن عباس احادیث کی کتابت کو جائز سمجھتے تھے اور احادیث لکھتے بھی تھے۔ ابن عباس کی لکھی ہوئی احادیث کیا ہوئیں۔ اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا، البتہ طاہر بن صالح بن احمد الجزائری الدمشقی کی کتاب "توجیہ النظر الی اصول الاثر" سے یہ ضرور پتہ چل جاتا ہے کہ ان کی ایک کتاب تھی جس میں حضرت علیؑ کے قضایا جمع تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

وحدثنا عمرو الناقد حدثنا سفیان

بن عیینه عن هشام بن حجر عن طاؤس قال

اتی ابن عباس بکتاب فیه قضاء علیؑ فمحاه

الا قدر واشار سفیان بن عیینه بذراعه۔

ممکن اور بہت ممکن ہے کہ ابن عباس نے قضایا کے علاوہ اور احادیث کا ذخیرہ بھی کتابی صورت میں جمع کیا ہو اور وہ زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا ہو، اور جس طرح یہ کتاب القضایا ناپید ہو گئی اسی طرح احادیث کا اور ذخیرہ بھی ناپید ہو گیا ہو۔

حضرت بلال کو احادیث لکھوانے کا شوق

اصحاب رسولؐ میں جو حضرات فن کتابت سے واقفیت نہ رکھتے تھے وہ خود احادیث لکھنے سے مجبور تھے مگر جناب رسولؐ خدا نے احادیث لکھنے کی کچھ ایسی رغبت دلائی تھی کہ جو اصحاب خود نہ لکھ سکتے تھے وہ دوسروں کو جو فن کتابت کے جاننے والے تھے لکھوانے کی کوشش کرتے تھے اور پیغمبر اسلام کی تاسی نے ان کے دلوں میں یہ جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو احادیث صفحاتِ قرطاس پر آکر مدون و محفوظ ہو جائیں اگر خود نہ لکھ سکتے ہوں تو یہ غرض دوسروں ہی کے ذریعہ سے پوری کریں۔

ابو عبداللہ بلال بن رباح جو جناب رسولؐ خدا کے موذن اور سچے عاشق تھے اور عرصہ تک اُن کو خدمت نبوی میں حاضری کا شرف حاصل رہا تھا ان کے حالات سے اس امر کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ ان کو احادیث

لکھوانے کا کس قدر شوق تھا۔ اگرچہ ان کا فن کتابت سے واقف ہونا اور
کسی کتاب کو تالیف کرنا ———— کسی کتاب سے نہیں پایا
مگر اس کا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ان کو احادیث لکھوانے سے خاص عشق
تھا اور برابر لوگوں کو احادیث لکھوایا کرتے تھے جس کی تائید اس واقعہ سے
ہوتی ہے جسے جناب صدوق نے کتاب "من لایحضرہُ الفقیہ" کے باب الاذان
والاقامتہ میں تحریر کیا ہے۔

عبداللہ بن علی سے روایت ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں اپنا مال و اسباب
بصرہ سے مصر لے جا رہا تھا راستہ میں ایک پیر مرد پر نظر پڑی، جو دراز قد
اور سیاہ رنگ تھے ان کے جسم پر دو پرانے کپڑے تھے جن میں سے ایک سفید
اور ایک سیاہ تھا، میں نے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں، لوگوں نے
بتایا کہ یہ جناب رسولؐ خدا کے غلام (اور موذن) بلال ہیں، راوی کا
بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میں اپنی تختیاں لے کر ان کی خدمت میں پہنچا اور
سلام کیا، انھوں نے جواب سلام دیا، میں نے عرض کی کہ خدا آپ پر رحمت
نازل کرے جو کچھ آپ نے جناب رسولؐ خدا سے سنا ہو مجھ سے بیان فرمائیے،
اُنھوں نے جواب دیا کہ تمھیں کیا معلوم میں کون ہوں، میں نے عرض کی آپ
آنحضرتؐ کے غلام ہیں، یہ سنتے ہی بلالؓ رو پڑے اور ساتھ ہی میں بھی رونے
لگا لوگ ہمارے گرد جمع ہو گئے، پھر بلالؓ نے دریافت کیا کہ صاحبزادے تم
کس شہر کے رہنے والے ہو، میں نے عرض کیا کہ میں اہل عراق سے ہوں، انھوں
نے بخ بخ (مبارک ہو مبارک ہو فرمایا اور ایک ساعت تک خاموش

ہے پھر ارشاد فرمایا:۔

اکتب یا اھل العراق بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
سمعت رسول اللہ یقول الموذن امناء المومنین
علیٰ صلواتھم وصومھم ولحومھم ودمائھم
لا یسألون اللہ عزّوجل شیئاً الّا اعطاھم ولا
یشفعون فی شیٔ الّا شفعوا۔

میں نے عرض کیا خدا آپ پر نازل فرمائے اور کچھ بیان فرمائیے
انھوں نے فرمایا کہ:۔

اکتب بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم سمعت
رسول اللہ یقول الخ

روایت طولانی ہے جسے یہاں پورا لکھنا مقصود نہیں ہے مگر جب
بلالؓ ایک حدیث ختم کرتے تھے تو عبداللہ اور بیان کرنے کی خواہش کرتے
تھے اور بلال ہر دفعہ فرما کر کہ

اکتب لبسم اللہ الرّحمٰن الرحیمہ ڈسمعت
رسول اللہ یقول الخ

حدیث بیان کرتے تھے، یہ صورت کئی مرتبہ پیش آئی، عبداللہ نے
کئی مرتبہ مزید بیان کی خواہش کی اور بلال نے ہر دفعہ یہی فرما کر:۔

اکتب لبسم اللہ الرّحمٰن الرّحیمہ ڈسمعت
رسول اللہ یقول الخ

حدیث بیان کی جس سے پتہ چلتا ہے کہ بلال رضؓ کو حدیث لکھوانے میں کس قدر اہتمام مدنظر تھا اور بار بار اکتب اکتب (لکھو لکھو) فرما کر حدیث بیان کرنا اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ ان کو حدیث لکھوانے سے بے حد شغف تھا۔

اس واقعہ اتنا ہی معلوم نہیں ہوتا کہ بلال رضؓ کو احادیث لکھوانے کا شوق تھا بلکہ اس امر پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے کہ عام لوگ بھی جو فن کتابت سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے تھے احادیث لکھنے کا شوق رکھتے اور ان کی دلی خواہش ہوتی تھی کہ جس طرح جتنی احادیث بھی مل سکیں انھیں حاصل کر کے ضبط کر لیا جائے، چنانچہ راوی حدیث عبداللہ باوجودیکہ اپنی ضرورت کے لئے جا رہے تھے راستہ میں رکنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ پیر مرد "بلال" آنحضرتؐ کے غلام ہیں اور ان کو امید ہوئی کہ ان سے کچھ احادیث مل سکتی ہیں تو سفر کو ختم کیا اپنی ضرورتوں کو خیرباد کہا اور لکھنے کی تختیاں لیکر بلال کی خدمت میں حاضر ہو گئے' اور ان سے احادیث بیان کرنے کا سوال کیا اور جب انھوں نے احادیث بیان کیں تو یہ لکھنے لگے اس کا کچھ خیال نہ کیا کہ یہاں ٹھہرنے میں میرا نقصان ہوگا' اور احادیث لکھنے کو اپنی تمام ضروریات پر مقدم کر دیا۔

کتابت احادیث کے متعلق ائمہ اطہار کا طرز عمل

ائمہ اطہار نے اپنے زمانہ میں احادیث کی نشر و اشاعت اور

کتابت کے متعلق وہی طرز عمل رکھا جو آنحضرتؐ نے اپنے زمانہ میں قرار دے رکھا تھا، احادیث کو حفظ کرنے، ایک سے دوسرے کو پہنچانے اور ان کو لکھ لینے کی یہ حضرات برابر تاکید فرماتے رہے۔

ان کے زمانہ میں چونکہ فن کتابت سے واقفیت رکھنے والوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی اس لئے یہ حضرات کتابت احادیث کے متعلق بہت زیادہ تاکید اور اہتمام فرماتے رہتے تھے، امام حسنؑ نے ایک مرتبہ بیٹوں، بھتیجوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ

تم ابھی اپنی قوم کے بچے ہو عنقریب دوسری قوموں کے بزرگ بنو گے، علم حاصل کرو۔ تم میں سے جو حفظ نہ کر سکے اُسے چاہیے کہ اپنے گھر میں لکھ کے رکھ لے۔

حسین[1] الاحمسی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ :-

القلب یتکل علی الکتابت

قلب کتابت پر اعتماد کرتا ہے۔

جس سے مراد یہ ہے کہ جب حدیث سن کر لکھ لو گے تو نفس مطمئن ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر حدیث یاد نہ رہی تو کتابت کی طرف رجوع کر کے پھر معلوم ہو سکتی ہے،

---

[1] اصول کافی، باب روایۃ الکتب والحدیث وفضل الکتاب بالکتب ۱۲

اور ابو بصیر نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ
میں نے حضرت کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ

اکتبوا فانکم لا تحفظون حتّٰی تکتبوا

(جو احادیث سنو انھیں) لکھ لو کیونکہ جب تک لکھو گے
نہیں محفوظ نہ کر سکو گے۔

حضرتؑ کی مراد یہ ہے کہ لکھ لینے کی وجہ سے احادیث باقی رہیں گے
اور زیادہ زمانہ گذر جانے کی وجہ سے بھول جانے ____________
اور ان میں کمی زیادتی ہو جانے سے محفوظ رہیں گے؛

امیر المومنینؑ سے لے کر امام حسن عسکریؑ تک ہر امام کا یہی طرز عمل رہا
کہ وہ برابر اپنے اصحاب کو احادیث کی نشر و اشاعت اور کتابت کے لئے
ترغیب دیتے رہتے تھے۔

ائمہ طاہرین کو اپنے زمانہ میں خصوصیت سے کتابت احادیث کی طرف
رغبت دلانے کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ امام کی موجودگی میں تو احادیث کی
صحت کا ہر وقت پتہ چل سکتا ہے، اگر خداوندی احکام میں کچھ اشتباہ
ہو جائے تو امام سے دریافت کر کے دفع کیا جا سکتا ہے، جن احکام کا علم
نہ ہو وہ معلوم کئے جا سکتے ہیں لیکن اگر امام غائب ہو اور لوگ ان تک پہنچ
نہ سکتے ہوں تو یہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے۔

چونکہ ائمہ اطہار اس امر کو خوب جانتے تھے کہ امام دوازدہم کو سلاطین
جور کے جور سے غیبت اختیار کرنی پڑے گی اور مومنین کی ان تک رسائی

نہ ہو سکے گی اور زمانہ غیبت بھی طولانی ہوگا اگر احادیث کو لکھ نہ لیا گیا اور صرف زبانی یاد ہی پر دارومدار رہا تو امتداد زمانہ سے بہت سی احادیث سہو و نسیان کی نذر ہو جائیں گی اور بہت سی احادیث میں کمی بیشی ہو جائیگی اس وقت لوگوں کو صحیح احکام الٰہیہ معلوم کرنے میں دشواری ہوگی، اگر احادیث کتابی صورت میں جمع کر لی گئیں اور ان کو لکھ لیا گیا تو وہ محفوظ ہو جائیں گی اور باقی رہیں گی اور آنے والے لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ نے ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے مفضل بن عمرو ناقل ہیں کہ حضرتؑ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:۔

اکتب وبث علمك فی اخوانك فان مت فاورث کتبك بنيك فانه یاتی علی الناس زمان هرج لا یانسون فيه الا بکتبهم۔[1]

احادیث کو لکھ لیا کرو اور اپنے علم (احادیث کو اپنے بھائیوں میں پھیلاؤ (اس کی اشاعت کرو) اور اگر موت آئے تو اپنی کتابیں میراث میں اپنی اولاد کو دو (تاکہ ان کو احادیث کا علم ہو) اس لئے کہ عنقریب فتنہ و اختلاف کا زمانہ آئے گا جس میں (غیبت امام کی وجہ سے) مومنین صرف کتابوں ہی سے مانوس ہوں گے۔

---

[1] اصول کافی باب روایت الکتب الحدیث - ۱۲ -

اور اسی نظریہ کے ماتحت حضرتؑ نے کتب احادیث کو محفوظ رکھنے کی بھی ہدایت فرمائی جس کی تائید عبید بن زرارہ کی روایت[۱] سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا کہ:-

احفظوا بکتبکم فانکم تحتاجون الیھا۔

اپنی (احادیث کی) کتابوں کو محفوظ کرلو عنقریب تمھیں ان کی ضرورت پڑے گی۔

یوں تو ائمہ اطہار میں سے ہر امام نے احادیث کی نشر و اشاعت اور کتابت کے لئے کوشش کی مگر امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے عہد میں جس قدر احادیث کی نشر و اشاعت اور کتابت ہوئی وہ کسی عہد میں نہیں ہوئی۔

امام محمد باقرؑ کا آخری عہد اور امام جعفر صادقؑ کا زمانہ اور ائمہ طاہرینؑ کے زمانوں کے مقابلہ میں پُرامن گذرا، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو اطمینان کی زندگی بسر کرنے کا موقع مل گیا اتنا ضرور ہے کہ ان کے آبائے طاہرینؑ کو جس قدر تقیہ کرنا پڑتا تھا اس قدر ان حضرات کو نہ کرنا پڑا اور امام جعفر صادقؑ کو تو کچھ زمانہ ضرور ایسا مل گیا کہ سلاطین اپنے امور میں کچھ ایسے منہمک رہے کہ خصوصیت سے ان کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ

ولید بن یزید بن عبدالملک کے زمانہ سے بنی امیہ کی سلطنت میں

---

[۱] اصول کافی باب روایۃ الکتب والحدیث۔

اضمحلال پیدا ہو چلا تھا اور اضمحلال روز بروز بڑھتا جا رہا تھا، ادھر بنی عباس نے اپنی سلطنت وحکومت کے لئے ڈورے ڈالنا شروع کر دیئے تھے۔

ایک طرف سلطنت بنی امیہ کا چراغ ٹمٹما رہا تھا انھیں اپنی حکومت کی پڑی ہوئی تھی، رات دن ادھیڑ بن میں رہتے تھے، چین نصیب نہ تھا انھیں اتنا موقع کہاں تھا کہ ائمہ اہلبیتؑ کے درپے آزار ہوتے، دوسری طرف بنی عباس کے قدم سلطنت کی طرف بڑھ رہے تھے، ہر وقت تخت سلطنت کی تگ ودو میں رہتے تھے شب وروز اسی کا خواب دیکھا کرتے تھے، ان کے پاس اہلبیتؑ کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہ تھا بالخصوص ان حالات میں کہ امام جعفر صادقؑ، سفاح ومنصور کو تخت سلطنت پانے کی بشارت بھی دے چکے تھے، جب تک تخت حکومت پر قدم نہ جم جائیں سلطنت کی بنیادیں مستحکم ومضبوط نہ ہو جائیں کوئی دوسرا کام انجام ہی نہیں دیا جا سکتا تھا۔

ولید بن یزید بن عبد الملک کے زمانہ سے لے کر ابو العباس سفاح بن علی بن عبد اللہ بن عباس کے زمانہ تک امام جعفر صادقؑ کو اگرچہ پورا پورا تو نہیں مگر پھر بھی بہت کچھ اطمینان حاصل ہو گیا تھا جو آپ کے آبائے طاہرین کو حاصل نہ ہوا تھا اسی لئے آپ کو اپنے آبائے طاہرین کے مقابلہ میں احادیث کی اشاعت کا موقع بھی زیادہ مل گیا، اور حضرت نے علوم شرعیہ کو خوب خوب رواج دیا علی الاعلان اپنے آبائے طاہرین کی احادیث نقل کرتے تھے اسی مبارک عہد میں علوم اہلبیتؑ کے دریا بہ گئے اور احادیث

کی تعداد بھی بے شمار تھی ۔ علامۂ ابن عقدہ کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ ان کی چند کتابیں ہیں جن میں ایک کتاب اسماء الرجال ہے جس میں چار ہزار اشخاص کا ذکرہ ہے جنھوں نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے اور ہر شخص کے حال میں وہ حدیث لکھی ہے جو اس نے حضرت سے روایت کی ہے ۔

اصحاب کو احادیث سے خاص دلچسپی پیدا ہو گئی تھی ۔ احادیث حاصل کرنے اُن کی نشر و اشاعت میں بہت زیادہ مصروف رہتے تھے ۔ محمد بن مسلم نے حضرت امام محمد باقرؑ سے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) اور امام جعفر صادقؑ سے سولہ ہزار (۱۶۰۰۰) احادیث حاصل کی تھیں گویا وہ چھیالیس ہزار (۴۶۰۰۰) احادیث کے خزینہ دار تھے ، ابآن بن تغلب نے صرف امام جعفر صادقؑ سے تیس ہزار (۳۰۰۰۰) احادیث کی ہے ۔

احادیث کے جلسے ہوتے تھے اور ائمۂ طاہرین کی احادیث بیان کی جاتی تھیں ، مساجد میں احادیث کا چرچا رہتا تھا ائمۂ اطہار اپنے اصحاب کو حکم دیتے رہتے تھے کہ احادیث بیان کرو لوگوں کو فتویٰ دو احکام الٰہیہ کی اشاعت کرو ۔ اور اصحاب ائمہ اس میں سرگرم رہتے تھے حدیث کی جستجو اور تلاش میں لوگ دور دراز کا سفر اختیار کرتے تھے ۔

احمد بن محمد بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ میں طلب حدیث میں کوفہ گیا وہاں حسن بن علی الوشار سے ملاقات ہوئی ، میں نے ان سے عرض کیا کہ علا بن زرین القلا اور ابان بن عثمان الاحمر کی کتاب نکالئے انھوں نے

کتاب نکالی میں نے عرض کیا کہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ان کا اجازہ عنایت فرما دیجئے تاکہ میں انھیں روایت کر سکوں، انھوں نے فرمایا کہ تمہارے مزاج میں بڑی عجلت ہے جاؤ لکھ لو اور پھر مجھ سے سنو، میں نے عرض کیا کہ جو کچھ فرمانا ہو فرما دیجئے حوادث زمانہ سے تھوڑی دیر کے لئے بھی مامون نہیں ہوں انھوں نے کہا کہ اگر میں جانتا کہ اس حدیث کے لئے تمہاری یہ طلب ہوگی تو میں اسناد کو زائد کر دیتا اس لئے کہ میں نے اس مسجد میں ۹۰۰ نو سو شیخ دیکھے ہیں جن میں ہر ایک یہ کہتا تھا کہ حدثنی جعفر بن محمد اکتساب احادیث کا شوق اس قدر غالب ہو گیا تھا کہ لوگ اپنے بچوں کو احادیث سکھاتے، ان کی طرف رغبت دلاتے اور احادیث لکھنے پر انعام دیتے چنانچہ محبوب البجلی الکوفی السراد کا یہ طرز عمل تھا کہ ان کے فرزند حسن جو حدیث علی بن زناد سے لکھتے تھے ہر ایک حدیث لکھنے کے عوض میں ایک درہم انعام کا دیتے تھے۔

اس واقعہ سے اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ احادیث کی طرف شوق و رغبت کی کیا حالت تھی جب بچوں کو غور و پرداخت تعلیم و تربیت اس عنوان سے ہوتی تو بزرگ ہو کر ان کی کیا حالت ہوگی، اور وہ خود احادیث کے کیسے زبردست مبلغ ہو جاتے ہوں گے۔

یہی حسن بن محبوب بڑے ہو کر نہایت جلیل القدر راوی اور صاحب مصنفات ہوئے۔

احادیث کی جستجو میں لوگ ائمہ طاہرین کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے

تھے، اور امامؑ کی مبارک زبان سے احادیث سننے کے لئے بڑے بڑے لوگ حاضری دیا کرتے تھے، اور لوگ متمنی رہا کرتے تھے کہ کوئی موقع ایسا مل جائے کہ وہ امامؑ کی زبان معجز بیان سے کوئی حدیث سن لیں۔

جب مامون الرشید نے جناب امام رضاؑ کو مرو میں بلایا اور آپ نے اس کے اصرار پر سفر فرمایا اور سواری شہر نیشاپور کے قریب پہنچی تو شہر کے تمام علماء و فضلاء نے بیرونِ شہر آکر استقبال کیا اور حضرت کی سواری شہر میں داخل ہوئی تو لوگ ہر طرف سے شوق زیارت میں آنے لگے یہاں تک کہ جب حضرت وسط شہر میں پہنچے تو لوگوں کے ہجوم کی یہ حالت تھی کہ کسی کو کھڑے ہونے یا گذرنے کی راہ نہ ملتی تھی، حضرت ایک قاطر پر سوار تھے جس کا تمام ساز و سامان نقرئی تھا، قاطر پر ایک عماری تھی جس میں حضرت رونق افروز تھے عماری کے دونوں طرف خز کے پردے چھوٹے ہوئے تھے جس کی وجہ سے لوگ حضرت کی زیارت نہ کر سکتے تھے حافظ ابوزرعہ الرازی اور حافظ محمد بن اسلم الطوسی جو اس زمانہ کے مشہور حفاظ میں تھے آگے بڑھے ان کے ساتھ طالبان علم حدیث اس قدر کثرت سے تھے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا، انھوں نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ حضور اپنے جمال باکمال سے مشرف فرمائیں۔ حضرتؑ نے سواری کو رکوایا اور غلاموں کو پردہ اٹھانے کا حکم دیا، سواری رکی اور پردے اٹھا دیے گئے، زائرین نے جونہی فرزند رسولؐ کے نورانی چہرہ کی زیارت کی تو آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں، حضرت کی دونوں زلفیں شانوں پر چھوٹی ہوئی تھیں، لوگوں کو یارائے ضبط باقی

رہا کوئی رو رہا تھا، کوئی زمین میں لوٹ رہا تھا، کوئی قاطر کے سموں کو بوسہ دیتا تھا اور عجیب سما بندھا ہوا تھا، لوگوں کے شوق اور ولولہ کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا، اس وقت علما ر نے چیخ کر کہا ایہا الناس چپ رہو لوگوں کے غل و شور میں کمی آئی تو حضرت حدیث بیان کرنا شروع کی:

حدثنی ابی موسیٰ الکاظم عن ابیہ

جعفر الصادق عن ابیہ محمد الباقر عن

ابیہ زین العابدین عن ابیہ الحسین عن

ابیہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین

رضاء و اسعاوارضاھم قال حدثنی حبیبی

وقرۃ عینی رسول اللہ قال حدثنی جبرائیل

قال سمعت رب العزت لا الہ الا اللہ حصنی

فمن قالھا دخل حصنی و من دخل حصنی من

من عذابی ۔

پھر پردے چھوڑ دیے گئے، اور حضرت تشریف لے گئے، جو لوگ اس حدیث کو لکھ رہے تھے ان کا شمار کیا گیا تو بیس ہزار سے زیادہ تھے۔

ابوالصلت ناقل ہیں کہ جب حضرت امام رضا نیشاپور سے روانہ ہوئے تو میں ہمرکاب تھا، حضرت ایک بغلہ شہبا پر سوار تھے ناگاہ احمد بن الحرب یحییٰ بن یحییٰ، اسحق بن راہویہ اور بہت سے اہل علم آئے اور

انھوں نے بغلہ کی باگ پکڑ لی اور عرض کیا کہ حضور کو اپنے آبائے طاہرین کے
واسطہ ہم سے کوئی حدیث بیان کیجئے جسے حضور نے اپنے پدر بزرگوار اور
اُنھوں نے آبائے طاہرین سے اور انھوں نے جناب رسولؐ خدا سے سنا
ہو اس وقت حضرت نے یہ حدیث بیان فرمائی جو سابق میں مذکور ہوئی۔

اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ جب سواری روانہ ہوگئی
حضرت نے ہمیں آواز دے کر ارشاد فرمایا،

بشوطھا و شروطھا وانا من شروطھا

بیان کیا گیا ہے کہ من شروطھا اس امر کا اقرار کرانا مراد ہے کہ
حضرت امام المسلمین مفترض الطاعۃ ہیں۔

ابوالصلت نے اس اسناد کے متعلق یہ بھی بیان کیا ہے کہ:۔

لو قرأتُ ھٰذا الاسناد علیٰ مجنون لبرء من جنونہ

اگر یہ سلسلہ سند مجنون پر پڑھ دیا جائے تو وہ اچھا ہو جائے۔

ائمہ اطہار کے فیوض علمیہ سے استفادہ کرنے والے موافق و مخالف سب ہی
تھے، اور ان حضرات سے احادیث حاصل کرنے والوں کی فہرست میں جہاں
شیعوں کے نام دکھائی دیتے ہیں وہاں مخالفین کے نام بھی نظر آتے ہیں۔

احادیث کا اکتساب کرنے والوں میں ایسے اشخاص بھی تھے جو اپنی
وثاقت و راستگوئی اور علم و فضل میں بہت زیادہ شہرت پا گئے تھے، اور ان کے
تفقہ فضل وضبط اور وثاقت اور ان کی بیان کی ہوئی احادیث کے صحیح
ہونے پر اجماع ہوگیا تھا اگرچہ ان کی روایت مرسل و مرفوع ہو یا ایسے شخص

سے روایت کریں جو معروف الحال نہ ہوں۔

ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو فاسد العقیدہ اور غیر مستقیم المذہب تھے، مگر ان کی وثاقت و جلالت اعلیٰ مرتبہ پر پہنچی ہوئی تھی۔

یہ تین طبقوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔

پہلا طبقہ ان فقہا کا ہے جو امام محمد باقر اور امام جعفر صادق کے صحابی تھے اور ان کی تصدیق کرنے ان کے فقیہ ہونے کا اقرار کرنے پر اجماع ہو گیا ہے، یہ چھ شخص ہیں:۔

۱۔ زرارہ

۲۔ معروف بن خربوز

۳۔ برید بن معاویۃ البجلی

۴۔ ابو بصیر اسدی

۵۔ فضیل بن یسار

۶۔ محمد بن مسلم الطائی

بعض لوگوں نے ابو بصیر الاسدی کی جگہ ابو بصیر المرادی، کو جن کا نام لیث بن البختری ہے شمار کیا ہے۔ ان سب میں فقیہ تر زرارہ تھے۔

دوسرا طبقہ ان فقہا کا ہے۔ جو امام جعفر صادق کے اصحاب ہیں اور ان کی روایت کو صحیح قرار دیتے، ان کے اقوال کی تصدیق کرنے ان کے فقیہ ہونے کا اقرار کرنے پر اجماع ہو گیا ہے۔ ان کی تعداد بھی چھ ہے۔

۱۔ جمیل بن دراج

۲۔ عبداللہ بن مسکان

۳۔ عبداللہ بن بکیر

۴۔ حمّاد بن عثمان

۵۔ حمّاد بن عیسیٰ

۶۔ ابان بن عثمان

ان سب میں فقیہ تر جمیل بن دراج تھے۔

تیسرا طبقہ۔ ان فقہاء کا ہے جو حضرت امام موسیٰ الکاظم اور حضرت علی الرضا کے اصحاب میں ہیں اور ان کی بیان ہوئی روایات کی صحت اور ان کی تصدیق پر اجماع ہے۔ اور ان کے فقہ اور علم کا اقرار کیا گیا ہے۔

یہ بھی

۱۔ یونس بن عبدالرحمٰن

۲۔ صفوان بن یحییٰ بیاع السابری

۳۔ محمد بن عمیر

۴۔ عبداللہ بن المغیرہ

۵۔ حسن بن محبوب

۶۔ احمد بن محمد بن ابی نصر

اور بعض نے حسن بن محبوب کی جگہ حسن بن علی بن فضال اور فضالہ بن ایوب کو شمار کیا ہے اور بعض نے فضالہ بن ایوب کی جگہ عثمان بن عیسیٰ کو اور ان سب میں فقیہ تر یونس بن عبدالرحمٰن اور صفوان بن یحییٰ تھے۔

اسلام میں جن لوگوں نے تدوین احادیث کے سلسلہ میں قابل قدر خدمات انجام دیں اور احادیث کو کتابوں میں جمع کیا ان میں شیعہ کچھ زیادہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔

صحابۂ کرام کے زمانہ میں اور تابعین کے ابتدائی دور میں حدیث کی جو کتابیں بھی تالیف ہوئیں ان کے مصنف شیعہ ہی تھے اور اس کی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔

پہلی وجہ - اہلسنت وجماعت صاحبان کا تو یہ خیال ہے کہ آغاز اسلام میں احادیث کی کتابت کے متعلق بہت کچھ اختلاف تھے زادہ تر اصحاب تو ایسے ہی تھے جو احادیث کی کتابت کو قطعاً ناجائز اور حرام سمجھتے تھے۔

حضرت رسولخداؐ کا احادیث کی کتابت کو منع کرنا

صحابۂ کرام قرآن کی آیتوں کو لکھ لیتے مگر احادیث لکھنے سے پرہیز کرتے تھے جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کی نظر میں جناب رسولؐ خدا نے احادیث لکھنے کو منع فرما دیا تھا - چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابو سعید الخدری سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ

لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه وحدثوا عنی فلاحرج ومن کذب علی متعمدًا فلیتبوأ مقعده من النار۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو اس میں بہت تشویش تھی کہ حدیث کو نہ لکھا جائے۔ چنانچہ پہلے تو کتابت حدیث کی ممانعت فرمائی پھر حکم دیا کہ اگر کسی نے حدیث کو لکھ لیا ہو تو اُسے محو کر ڈالے اور یہ ارشاد گویا ممانعت کے حکم کی تاکید ہے، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ حدیث کو بیان کرو اس میں بھی کتابت سے ممانعت کی ایک تاکیدی جھلک نظر آرہی ہے۔

حضرت رسولِ خدا کا احادیث کی کتابت سے ناراض ہونا

جناب رسولؐ خدا احادیث کی کتابت سے منع فرما دیتے اور اگر لکھ لی گئی ہوں تو ان کے مٹا دینے ہی کے حکم پر اکتفا نہیں فرمائی بلکہ اگر کسی صحابی کو حدیث لکھتے ملاحظہ فرمالیا تو اس پر ناراضگی اور غصہ کا اظہار بھی فرمایا جس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابو سعید الخذری سے روایت کیا ہے:

ابو سعید الخذری کا بیان ہے کہ۔

ایک مرتبہ لوگ بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے کہ جناب رسولؐ خدا تشریف لے آئے، اور دریافت کیا کہ کیا کر رہے ہو، لوگوں نے عرض کیا کہ جو کچھ حضور سے سنتے ہیں اس کو لکھ لیتے ہیں، حضرت نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور

آخر کار وہ مکتوب ضائع کر دیا گیا۔

جناب رسول خدا کتابت کی ممانعت فرما دینا اور اگر کسی کو لکھتے ہوئے دیکھ لیا ہو تو اس پر اظہار ناراضگی فرمایا اس کا اثر یہ ہوا کہ عام طور سے صحابہ کرام نے احادیث لکھنے سے دست کشی اختیار کر لی اور انھیں ایسا کرنا بھی چاہیئے تھا۔

اور جن لوگوں نے کسی وجہ سے لکھ لیا تھا انھوں نے اس مکتوب کو ضائع کر ڈالا۔

کتابت حدیث سے ممانعت کرنے کا سبب

حضرت رسول خدا نے احادیث لکھنے کی کیوں ممانعت فرمائی یہ ایک جداگانہ مسئلہ ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے علماء اہلسنت و جماعت کا یہ خیال ہے کہ آنحضرت نے احادیث کی کتابت سے اس لئے روک دیا کہ آیات و احادیث باہم مخلوط نہ ہو جائیں جس کی وجہ سے آیات و احادیث میں اشتباہ پیدا ہو جائے۔

کتابت حدیث سے ممانعت کا سبب جو کچھ بھی رہا ہو مجھے اس سے کوئی بحث نہیں ہے اس موقع پر تو صرف یہی دکھانا ہے کہ آنحضرت نے احادیث لکھنے کی ممانعت فرما دی تھی اور احادیث کی کتابت آپ کی ناراضگی کا سبب تھی۔

محققین علماء کا خیال ہے کہ آنحضرت کی اس ممانعت ہی کی وجہ سے

وصحابۂ کرام کے عہد میں احادیث کی کتابت ہو سکی نہ تابعین کے ابتدائی [illegible] میں تدوین حدیث کا کوئی کام انجام پا سکا۔

عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں احادیث کی تدوین

تدوین حدیث کے سلسلہ میں نہ تو کوئی کام آنحضرتؐ کے عہد میں [illegible] نہ اس کے بعد ۹۹ھ کے خاتمہ تک اس کا پتہ چلتا ہے کہ کسی نے اس سلسلہ میں کوئی کام کیا ہو۔

اہل سنت کی نظر میں حضرت عمرؓ کو تدوین حدیث کا خیال ضرور پیدا ہوا تھا اور اُنھوں نے چاہا تھا کہ احادیث کو منضبط کرا دیا جائے تاکہ وہ ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائیں، اور انھوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اصحاب پر اس خیال کو ظاہر بھی کیا اور ان سے مشورہ بھی لیا، اصحاب نے اس خیال سے اتفاق کیا مگر کسی وجہ سے حضرت عمرؓ اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکے اور احادیث کی تدوین نہ ہو سکی۔

جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوا تو اُسے خیال ہوا کہ اصحاب کم ہوتے جا رہے ہیں، احادیث سہو و نسیاں کی نذر ہو رہی ہیں، اگر اُن کو جمع نہ کر لیا گیا تو ضائع ہو جائیں گی اور بیش بہا خزانہ ہاتھ سے جاتا رہے گا اور مسلمان اس سے محروم رہ جائیں گے۔

اسی خیال کے پیش نظر اس نے ابوبکر بن حزم کو جو ان کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا ایک تحریر بھیجی جس میں احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا اس تحریر

کو امام بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب العلم میں اس طرح نقل کیا ہے :۔

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء

خلیفۂ وقت کے اس حکم سے "ابوبکر بن حازم" نے جمع احادیث کا کام شروع کر دیا، اور "سائب بن یزید" "عباد بن تیم" "عمرو بن سلیم الزاقی" اور اپنی خالہ عمرا اور "خالدہ بنت انس" سے جو صحابیہ تھیں احادیث کو حاصل کیا اور اس وقت سے کتابت احادیث کا آغاز ہوا۔

عمر بن عبد العزیز کی بیعت ماہ صفر ۹۹ھ میں ہوئی ہے، اور وفات ۱۰۱ھ میں واقع ہوئی۔

اگر عمر بن عبد العزیز نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی تدوین حدیث کا سلسلہ شروع کرا دیا تو کتابت حدیث کی ابتدا ۹۹ھ میں ہوتی ہے گویا وفات رسولؐ سے اٹھاسی برس بعد۔

عمر بن عبد العزیز کے حکم سے جس شخص نے سب سے پہلے حدیث کی تدوین کی وہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری المدنی ہیں۔ بہر حال جناب رسولؐ خدا کے منع فرما دینے کی وجہ سے اہل سنت و جماعت میں ۹۹ھ تک احادیث کی تدوین نہ ہو سکی مگر اہل تشیع میں کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جس میں کتابت حدیث سے ممانعت کی گئی ہو، اور نہ واقعات و حالات سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ احادیث کا لکھنا حضرت کے

منشا رکے خلاف ہوتا تھا بلکہ جہاں تک روایات کا تعلق ہے ایسی ہی روایتیں ملتی ہیں جن میں کتابت حدیث کی رغبت دلائی گئی ہے اور آنحضرت کا طرز عمل اور واقعات بھی یہی بتاتے ہیں کہ حضرتؐ کی دلی خواہش تھی کہ احادیث منضبط ہو جایا کریں جیسا کہ کتابت حدیث کے سلسلہ میں قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے، یہی سبب ہے کہ شیعوں کے لئے احادیث کی تدوین میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی اور نہ انھیں اس سے دست کشی اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ بلکہ رسولؐ خدا کے حکم اور آپ کے طرز عمل نے کتابت حدیث کا جذبہ مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کر دیا اور اصحاب رسولؐ نے بھی احادیث میں کتابیں تالیف کیں اور تابعین نے بھی اور ان کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا جسے آئندہ ہم مصنفین حدیث کے سلسلہ میں مفصل طور سے بیان کریں گے۔

دوسری وجہ - امیر المومنینؑ کا احادیث کو مدون فرمانا اور اُنھیں ضبط تحریر میں لانا ناقابل انکار حقیقت ہے۔

حدیث کی کتابت ناجائز ہونے کا نظریہ تمام اصحاب کا نہ تھا کچھ اصحاب ایسے بھی تھے جو حدیث کی کتابت کو جائز جانتے تھے اور لکھتے بھی رہتے تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "تدریب الراوی" میں جہاں ان اصحاب کا تذکرہ کیا ہے جو کتابت حدیث کو جائز جانتے اور حدیث لکھتے بھی تھے ان میں امیر المومنینؑ امام حسنؑ اور عبداللہ بن عباس کا بھی ذکر کیا ہے۔

بہر حال اس پر تمام عالم اسلامی متفق ہے کہ امیر المومنینؑ نے حدیث کی تدوین فرمائی اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، آپ نے حدیث کی جو بلند پایہ کتاب تالیف فرمائی اس کا تذکرہ ہم آئندہ کریں گے۔

شیعوں کو جو عقیدت حضرت علیؑ کی ذات سے ہے وہ کسی اور صحابی سے نہیں ہے سرور کائناتؐ کے بعد وہ مقتدائے خلق حضرت ہی کو جانتے ہیں۔

حضرتؑ کے تدوین فرمانے سے صرف یہی نہیں ہوا کہ آپ سے عقیدت رکھنے والوں کو تدوین حدیث کا فائدہ اور اس کی خوبی معلوم ہو گئی بلکہ ان کے دلوں میں تدوین حدیث کا جذبہ اور شوق پیدا ہو گیا، اور انھیں کتابت حدیث سے اچھی خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اور ساتھ ہی ساتھ تدوین کا طریقہ بھی معلوم ہو گیا اور جو فن کتابت سے واقف تھے انھوں نے کتابت حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا اور صحابہ نے بھی تدوین فرمائی اور تابعین نے بھی اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔

بہر حال یہ دونوں بڑی وجہیں تھیں جنھوں نے خاص طور سے شیعوں کو تدوین حدیث پر آمادہ کیا اسی لئے حدیث کے ابتدائی مصنف جو ملتے ہیں وہ شیعہ ہی ہیں، اور تدوین حدیث کی ابتدا کا سہرا شیعوں ہی کے سر پر نظر آتا ہے اور متذکرۂ بالا وجوہ کی بنا پر تقاضائے وقت اور تقاضائے فطرت بھی یہی تھا کہ ایسا ہی ہو۔

تصنیف وتالیف کا طریقہ

دنیا میں تصنیف وتالیف کا طریقہ ایک نہیں رہا نہ ہو سکتا ہے، ابتدائی عہد میں جس شان سے کتابیں تصنیف ہوتی تھیں اُس شان سے آج تصنیف نہیں ہوتیں، زمانہ روز بروز ترقی پر ہے جہاں دنیا کے ہر شعبہ میں نمایاں ترقی ہوئی ہے وہاں تصنیف وتالیف کے کام میں بھی بہت کچھ ترقی ہو گئی ہے جس عنوان سے آج کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں آج سے ایک ہزار سال قبل اس عنوان سے نہ تو کتابیں تصنیف ہوئیں نہ ہو سکتی تھیں، ابتداءً جس کام کو کیا جاتا ہے اس میں نقائص زائد ہوتے ہیں لیکن جس قدر اس میں ترقی ہوتی جاتی ہے نقائص کم ہوتے جاتے ہیں اور خوبیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ یہی حالت کتب احادیث کی تصنیف وتالیف کی بھی ہے۔ عہد رسالت سے لے کر اس وقت تک احادیث کی جس قدر کتابیں بھی تصنیف ہوئیں ان کا رنگ ایک نہیں ہے بلکہ زمانہ کی ترقیوں کے ساتھ ان کی ترتیب وتہذیب میں بھی آپ کو نمایاں فرق دکھائی دے گا۔

عہد رسولؐ سے لے کر اس وقت کی مصنفات پر اگر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ احادیث کی جتنی کتابیں بھی ہیں وہ چار طریقوں پر ہیں۔ حدیث کے متعلق جو تصنیف بھی آپ کو ملے گی وہ ان چار طریقوں سے کسی ایک طریقہ پر ہوگی۔

پہلا طریقہ۔ کسی شخص نے ایک عنوان کی ایک ہی حدیث کو صفوا

قرطاس پر منضبط کر لیا وہ شخص اس منضبط کی ہوئی حدیث کا مصنف کہلایا، جیسے سلمان فارسی کی انھوں نے حدیث جاثلیق کو ضبط کر لیا وہ اس کے مصنف کہلانے لگے ۔ ان کی تصنیف "کتاب الجاثلیق" ہے ۔

ابتداء عہد میں چونکہ کتابت کا رواج بہت کم تھا اس لئے ایسی تصنیفات اس عہد میں زیادہ ملیں گی ۔

دوسرا طریقہ کسی شخص نے ایک عنوان ایک قسم کی حدیثوں کو جمع کر لیا وہ شخص اُن کا مصنف کہلایا اور یہ مجموعہ اس کی تصنیف ہوا جیسے کسی شخص نے صرف ان احادیث کو ایک مقام پر جمع کر لیا جو نماز یا روزہ یا حج سے متعلق ہوں ۔

ایسی تصانیف عہد ائمہ میں بہت زائد ہوئیں جن کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، ایسی تصانیف عام طور سے اسی نام سے موسوم کی جاتی رہیں جس عنوان کی وہ احادیث ہوتی تھیں مثلاً اگر صلوٰۃ کے متعلق احادیث کو جمع کیا تو اس مجموعہ کا نام کتاب الصلوٰۃ رکھ دیا اگر صوم یا زکوٰۃ یا حج کے متعلق احادیث ہوئیں تو مجموعہ کا نام کتاب الصوم یا کتاب الزکوٰۃ یا کتاب الحج رکھ دیا گیا ۔

تیسرا طریقہ کسی شخص نے مختلف عنوانات کی احادیث کو ایک مقام پر جمع کر دیا، وہ شخص اس مجموعہ کا مصنف کہلانے لگا، ایسی تصنیفات عام طور سے النوادر کہلائی جاتی تھیں ۔ اس قسم کے مصنفات النوادر دو قسم کے ملیں گے ۔

۱ - ایک تو وہ تصنیف جس میں مختلف عنوانات کی احادیث ہوں اور اس میں کسی خاص قسم کا لحاظ نہ کیا جائے ایسے مصنفات صرف اجزاء کہلاتے ہیں اور ان میں کسی قسم کی نسبت یا اضافت نہیں ہوتی۔

۲ - دوسرے وہ تصنیف جس میں مختلف عنوانات کی احادیث تو ہوں مگر وہ ایک ہی قسم کی ہوں جیسے ایک شخص نے ان احادیث کو جمع کیا جو صلوٰۃ سے متعلق ہوں اور اس نے عنوانات قائم کر کے جو حدیث جس عنوان کے ماتحت آسکتی تھیں وہاں درج کردی مگر کچھ حدیثیں ایسی رہ گئیں جو ان عنوانات کے تحت میں نہ آسکتی تھیں اُن کو اُس شخص نے علیحدہ جمع کر دیا یہ مجموعہ نوادر کہلائے گا مگر جن قسم کی احادیث ہوں زیادہ تر اسی کی طرف منسوب کر کے موسوم کریں گے جیسے نوادر الصلوٰۃ وغیرہ۔

اس مجموعہ میں صرف ایک حدیث بھی ہو سکتی اور متعدد بھی اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض علمار نے نوادر میں یہ شرط لگادی ہے کہ اس میں احادیث کم ہوں مگر یہ صرف اسی قسم کے ساتھ تو ایک حد تک ہو سکتا ہے ورنہ بعض تصنیفیں ایسی بھی ہیں جو دُو دُو ہزار صفحہ کی ہیں اور نوادر کہلاتی ہیں جسن بن مجبوب السراد کی کتاب النوادر دو ہزار صفحہ کی ہے۔

چوتھا طریقہ۔ کسی شخص نے مختلف عنوانات مختلف اقسام کی متفرق احادیث کو بلا کسی ترتیب اور ابواب و عنوانات قائم کئے ہوئے جمع کرلیا۔ وہ اس مجموعہ کا مصنف کہلایا جانے لگا اس قسم کے مجموعے عموماً اصل کہلائے جانے لگے۔

اسی قسم میں احادیث کی وہ چارسو تصنیفات داخل ہیں جن کو چار سو مصنفین نے امام جعفر صادق کے عہد میں یا امیرالمومنینؑ کے عہد سے لے کر امام حسن عسکریؑ کے عہد تک جمع کیا تھا اور ان کو اصول اربعمائۃ کہا جاتا ہے۔

ایسے مجموعے صرف اس لئے جمع کئے جاتے ہیں کہ جو احادیث جامع نے امام یا اُن کے راوی سے سُنی ہیں وہ سہو و نسیان کی نذر نہ ہو جائیں اور منضبط ہو کر محفوظ ہو جائیں اور جامع کو جس وقت کسی حدیث کی ضرورت پڑے وہ اپنے مجموعے کی طرف رجوع کر کے اُسے دیکھ سکے۔

اگرچہ بعض بعض اصلوں میں ابواب و فصول بھی قائم ہیں مگر عام طور سے ایسا نہ تھا بلکہ ایسے مجموعوں میں جامع کا کوئی کلام بھی نہ ہوتا تھا مگر نہایت کم جس کا تعلق اصل مقصود سے ہو۔

پانچواں طریقہ - کسی شخص نے احادیث کو مرتب کر کے جمع کیا اپنے مجموعہ میں ابواب و فصول اور عنوانات قائم کئے اور جو جو حدیث جس جس باب فصل اور عنوان سے متعلق تھی اُسے وہاں تحریر کیا یہ شخص اس مجموعہ کا مصنف کہلایا جانے لگا - ایسی تصنیفات کو عام طور سے کتاب کہا جاتا ہے۔

اصل اور کتاب کا باہمی فرق

اصل تو احادیث کا وہ مجموعہ ہے جو صرف احادیث کو محافظت کے لئے جمع کرایا گیا ہو تاکہ وہ سہو و نسیان کی نذر نہ ہوں اور تلف نہ ہو جائیں

اور جامع ضرورت کے وقت اُسے دیکھ سکے۔

چونکہ اس مجموعہ کی غرض صرف اسی قدر ہے کہ جامع نے جن احادیث کو سنا ہے وہ محفوظ ہو جائیں اسی لئے اس میں کسی دوسری اصل یا کتاب کی احادیث کو نقل نہیں کیا جاتا اس لئے کہ وہ خود محفوظ ہیں۔ اور کتاب کی غرض صرف یہ نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ۔

۱۔ جس مسئلہ میں کتاب تصنیف کی گئی ہے اس کی تحقیق ہو جائے۔

۲۔ جو لوگ اس کتاب کی طرف رجوع کریں ان کو مطالب کی تلاش میں سہولت ہو اور ان کو جس حدیث کی ضرورت ہو وہ آسانی سے ان کو مل جائے اور وہ عمل پیرا ہو سکیں۔

اسی لئے اس میں ابواب و فصول اور عنوانات قائم کئے جاتے ہیں۔ دوسری اصل اور کتابوں کی احادیث کو بھی نقل کیا جاتا ہے۔ اور جہاں کہیں ردّ و اثبات تقئید و تخصیص توضیح و بیان کی ضرورت ہوتی ہے جس کا تعلق غرض کتاب سے ہو وہاں جامع کا کلام بھی ہوتا ہے۔

نظیر

اس کی نظیر آج کل کے مصنفین میں بھی موجود ہے جب ہم کسی عالم سے کوئی بات سنتے ہیں یا اس کے فوائی کلام یا اشارات سے کسی مطلب کا استنباط کرتے ہیں۔ یا خود ہی کسی مسئلہ میں غور و فکر کر کے کوئی بات پیدا کرتے ہیں تو اسے لکھ لیتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ مستقل مطلب

ہو اسی وقت لکھیں بلکہ اگر کسی مطلب کی کوئی دلیل ہو یا کسی خیال پر کوئی نقص وارد نہ ہو یا کوئی لطیف نکتہ ہو تو ہم اُسے فوراً لکھ کر ایک مقام پر جمع کر لیتے ہیں تاکہ وہ محفوظ ہو جائے اور جب ضرورت ہو اُسے دیکھ لیں۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم نے کسی مسئلہ کو ایک کتاب میں دیکھا تو اُسے اس خیال سے لکھ لیتے ہیں کہ مبادا وہ کتاب پھر ہمیں نہ مل سکے۔

اور جب کتاب کی تصنیف کے لئے بیٹھتے ہیں اور کسی مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں تو اسے پوری پوری تحقیق و تنقید سے لکھتے ہیں اس پر استدلال قائم کرتے ہیں یا اور اہم مطالب کو جمع کرتے ہیں تاکہ دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں جیسے رسائل عملیہ میں ہوتا ہے۔

بہرحال اس صورت میں ہم مطالب و مسائل کو ابواب و فصول اور عنوانات قائم کر کے اس عنوان سے لکھتے ہیں کہ کوئی اُسے دیکھے اس کو آسانی ہو۔

پہلی قسم کا مجموعہ "اصل" اور دوسری قسم کا مجموعہ "کتاب کہلائے گا

"کتب احادیث کے مُصنّفین"

عالم اسلام میں تدوین احادیث کے سلسلہ میں جن لوگوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں، احادیث سے صفحات قرطاس کو مزین کیا اور کتابیں تالیف فرمائیں ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے اگر ان تمام مصنفین کا تذکرہ کیا جائے تو اس کے لئے ایک مستقل اور مبسوط کتاب

میں بھی گنجائش نہیں نکل سکتی متعدد کتابوں کی ضرورت ہے - چند اوراق اس کا کیسے تحمل کر سکتے ہیں اس لئے میں تمام مصنفین احادیث کا احصا تو نہیں کرنا چاہتا مگر ہر زمانہ کے مصنفین میں سے بعض لوگوں کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں اس سے ناظرین کو اس امر کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ہر زمانہ میں شیعوں نے تصنیف کے متعلق کیا کام کیا اور کیسی کیسی گرانقدر خدمات انجام دیں -

مصنفین کے تذکرہ میں سب سے پہلے جناب سرورِ کائناتؐ کے اصحاب کا طبقہ ہے، چونکہ ان کا زمانہ کتابت کے لحاظ سے نہایت تاریک زمانہ خیال کیا جاتا ہے، ان کے زمانہ میں کتابت کا رواج کم تھا اور کتابت کے جاننے والے بھی کم تھے اس لئے اس طبقہ میں تصنیف کا دائرہ محدود اور مصنفین کی تعداد کم اور بہت کم ملے گی، میں کوشش کروں گا کہ اس طبقہ میں جس قدر افراد مل سکیں اُن سب کا تذکرہ کر دوں تاکہ یہ امر روشنی میں آجائے کہ کتابت کے اس تاریک زمانہ میں جناب ختمی مرتبت کے اصحاب نے تصنیفی سلسلہ میں کیسی کیسی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں۔ جناب رسولِ خداؐ کے اصحاب کے بعد امیر المومنینؑ کے اصحاب کا طبقہ ہے اور ان کے بعد حضرت امام حسنؑ سے لے کر حضرت امام حسن عسکریؑ کے اصحاب کے طبقات ہیں میں اُسی ترتیب سے ہر طبقہ کے مصنفین کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ بتاؤں گا کہ اس کے بعد تدوین حدیث کے سلسلہ میں اب تک کیا کیا کام انجام دیے گئے اور کس کس نے انجام دیے تاکہ تدوین حدیث کی مختصر مگر مکمل تاریخ

ناظرین کے سامنے آجائے۔

اسلام میں سب سے پہلے مصنف امیرالمومنین علیہ السلام ہیں

اسلام میں تصنیف کرنے والوں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے تصنیف کی وہ امیرالمومنین علی بن ابی طالب ہیں۔

علامہ سید محسن صدر نے "کتاب الشیعہ وفنون الاسلام" علامہ رشید الدین بن شہر آشوب کی کتاب "معالم العلماء" سے نقل کیا ہے وہ تحریر کرتے ہیں کہ۔

بل الصحیح ان اوّل من صنف فی الاسلام امیرالمومنینؑ

بلکہ صحیح یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس شخص نے تصنیف کی وہ امیرالمومنینؑ ہیں۔

امیرالمومنین کی تصنیفات کا کوئی خاص نام نہ تھا بلکہ عام طور سے ان کو حضرت علیؑ کے اسم مبارک کی طرف منسوب کرکے بیان کردیا جاتا تھا۔

فضیل بن یسار نے حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت[1] کی ہے کہ حضرت نے

---

[1] بصائرالدرجات محمد الحسن الصفار ۱۴۲

ارشاد فرمایا کہ :-

عندنا کتاب علیؑ سبعون ذراعاً ما علی الارض شیٔ یحتاج الیہ الا و ھو فیہ حتی ارش الخدش ۔

ہمارے پاس حضرت علیؑ کی کتاب ہے جو ستر ہاتھ (کے بقدر) ہے ۔ روئے زمین پر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی احتیاج ہو مگر یہ کہ (اس کا حکم) اس کتاب میں موجود ہے یہاں تک کہ ایک خراش کی پاداش (بھی اس میں درج ہے ۔

ابراہیم[1] بن محمد بن مروان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ :-

عندنا کتاب علی سبعون ذراعاً

ہمارے پاس حضرت علیؑ کی کتاب ہے جو ستر ہاتھ (کے بقدر) ہے ۔

امیرالمومنینؑ کے یہ مصنفات "جامعہ" بھی کہلاتے تھے اس لئے کہ ان میں خدا کے تمام حلال و حرام کو جمع کر دیا گیا تھا ۔

ابوبصیر[2] کا بیان ہے کہ ایک روز میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں کچھ سوال کیا حضرت نے جواب دیا پھر ارشاد فرمایا کہ ہمارے پاس

---

[1] بصائرالدرجات محمد الحسن الصفار ۱۴۲ [2] اصول کافی کتاب الحجۃ

جامعہ ہے۔ ابوبصیر نے دریافت کیا کہ جامعہ کیا چیز ہے؟ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا

صحیفۃ طولھا سبعون ذراعاً بذراع
رسول اللّٰہ واملائہ من فلق فیہ وخطّ علی
بیمینہ فیھا کل حلال وحرام وکل شیٔ
یحتاج الیہ حتّٰی الارش فی الخدش

(جامعہ) ایک صحیفہ (کتاب) ہے جو حضرت رسولؐ خدا کے
دست مبارک سے ستر ہاتھ کا ہے جسے حضرت رسولؐ خدا نے
بالمشافہ لکھوایا ہے اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے
اس میں تمام حلال وحرام (کے احکام) اور ہر وہ چیز درج
ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے تا اینکہ ایک خراش کی
پاداش (بھی اس میں لکھی ہے)

امیرالمومنینؑ کی کتاب حیاتِ رسولؐ میں مدوّن ہوئی

حدیث کی گراں قدر کتاب امیرالمومنینؑ علیہ السلام نے جنابِ رسولِ خدا
کی زندگی ہی میں تصنیف فرمائی تھی، اور اس کی تدوین اس طریقہ سے ہوئی
کہ جناب رسول خدا بتاتے تھے اور امیرالمومنینؑ لکھتے جاتے تھے جس کی تائید
اس روایت[1] سے ہوتی ہے جس کو ابوالطفیل نے حضرت امام محمد باقرؑ سے نقل
کیا ہے وہ کہتے ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ :-

---

[1] بصائر الدرجات ۱۲

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ لامیرالمومنین علیہ السلام اکتب ما اُملی علیک قال یا نبی اللہ و تخاف علی النسیان قال لستُ اخاف علیک النسیان وقد دعوت اللہ لک ان یحفظک فلا تنسیٰ لکن اکتب لشرکائک قالَ قلت ومن شرکائی یا نبی اللہ قال الائمۃ من ولدک بھم یسقی امتی الغیث و بھم یستجاب دعاھُم و بھم یصرف البلاء عنھم و بھم تنزل الرحمۃ من السماء وھذا اوّلھم و اومأ بیدہ الی الحسنؑ ثم اومأ بیدہ الی الحسینؑ ثم قال الائمۃ من ولدک۔

جناب رسولؐ خدا نے امیرالمومنینؑ سے ارشاد فرمایا جو میں بتاؤں اُسے لکھو امیرالمومنینؑ نے عرض کی کہ اے خدا کے نبیؐ کیا آپ کو مجھ پر نسیان کا خوف ہے، حضرت نے فرمایا کہ میں تم پر نسیان کا خوف تو نہیں رکھتا میں نے خدا سے تمہارے لئے دعا کی ہے وہ تمہیں حافظہ عطا فرمائے جس سے تم نہ بھولو۔ لیکن اپنے شرکا کے لئے لکھ لو۔ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی میرے شرکاء کون ہیں اے نبیؐ خدا

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وہ ائمہ جو تمہاری اولاد سے ہوں گے انھیں کی وجہ سے بادل میری امت کو سیراب کریں گے انھیں کی وجہ سے ان کی دعا قبول ہو گی ان کی ہی وجہ سے ان سے بلا دور ہو گی انھیں کی وجہ سے آسمان سے رحمت نازل ہو گی اور یہ ان میں کے پہلے ہیں اور اپنے ہاتھ سے امام حسنؑ کی طرف اشارہ کیا پھر اپنے ہاتھ سے امام حسینؑ کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا ائمہ تمہاری اولاد سے۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے عبد الملک نے حضرت امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ:۔

دعا ابو جعفر بکتاب علی فجاء بہ جعفر مثل فخذ الرجل مطویاً فاذا فیہ ان النساء لیس لھن من عقار الرجل اذ توفی عنھن شیٔ فقال ابو جعفر ھذا واللہ خط علی بیدہ واملاء رسول اللہؐ۔

حضرت امام محمدؑ باقرؑ نے حضرت علیؑ کی کتاب منگوائی حضرت امام جعفر صادقؑ اس کو لپٹا ہوا لائے (جو مثل انسان کی ران کے تھی) اس میں یہ بھی تھا کہ عورتوں کو شوہر کی غیر منقول جائداد سے کچھ نہیں ملے گا۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم یہ حضرت علیؑ کے ہاتھ کی تحریر ہے اور رسولؐ خدا کی لکھوائی

ہوئی ہے۔

اور بجر بن کرب الصیرفی کی روایت بھی اسی کی مؤید ہے۔ وہ کہتے ہیں حضرت امام جعفر صادقؑ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

ان عندنا ما لانحتاج معه الیٰ احد من الناس وانّ الناس لیحتاجون الینا وانّ عندنا کتاباً املاء رسول الله وخط علیؑ صحیفة فیها کلّ حلال وحرام۔

ہمارے پاس وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں کسی شخص کی طرف احتیاج نہیں ہوتی اور لوگ ہمارے محتاج ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک کتاب حضرت رسولؐ خدا کی لکھوائی ہوئی اور حضرت علیؑ کی لکھی ہوئی ہے وہ صحیفہ ہے جس میں تمام حلال وحرام (کے احکام) درج ہیں۔

امیرالمومنینؑ کی کتابت کا ثبوت صحاح اہلسنت وجماعت سے

امیرالمومنینؑ کی کتاب کا پتہ اہلسنت وجماعت کی کتب احادیث سے چلتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں بھی اس کتاب کا تذکرہ موجود ہے۔

۱۔ امام بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب الفرائض میں حدیث نقل

کی ہے:-

حدثنا قتیبه بن سعید حدثنا جریر
عن الاعمش عن ابراهیم التیمی عن ابیه
قال قال علی رضی الله عنه ما عندنا کتاب
نقرؤه الا کتاب الله غیر هذه الصحیفة قال
قال فاخرجها فاذا فیها اشیاء من الجراحات
واسنان الابل قال وفیها المدینة حرم
ما بین عیر الی ثور فمن احدث فیها حدثا
او اوی محدثا فعلیه لعنة الله والملائکة
والنّاس اجمعین لا یقبل منه یوم القیامة
صرف ولا عدل ومن والی قوما بغیر اذن موالیه
فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین
لا یقبل منه یوم القیامة صرف ولا عدل وذمة
المسلمین واحدة یسعی بها ادناهم فمن اخفر
مسلماً فعلیه لعنة الله والملائکة والنّاس
اجمعین لا یقبل منه یوم القیامة صرف ولا
عدل۔

ابراہیم تیمی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اس نے کہا علی
(علیہ السلام) نے فرمایا کہ ہمارے پاس سوائے کتاب اللہ کے کوئی دوسری

کتاب نہیں ہے جسے ہم پڑھتے ہیں ہاں صرف یہ صحیفہ ہے (یہ فرما کر) آپ نے وہ صحیفہ نکالا تو اس میں کچھ تذکرہ جراحات کا (بسلسلہ دیت و پاداش تھا) کچھ تذکرہ اونٹوں کا (انکے زکوٰۃ کے سلسلہ میں) راوی کہتا ہے اور اس میں حدیث بھی تھی کہ مدینہ عیر سے لے کر ثور تک حرم ہے جو کوئی اس میں افساد کرے یا مفسد کو پناہ دے اس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہو قیامت کے دن اس کا کوئی عمل قبول نہ کیا جائے گا۔ اور جس شخص نے اپنے موالی کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات کی تو اس پر اللہ اور ملائکہ اور انسانوں سب کی لعنت، اس کی قیامت کے دن کوئی بات قبول نہ کی جائے گی تمام مسلمانوں کا ذمہ (عہد) ایک ہی ہے جس کا لحاظ ہر ایک کو کرنا ہوگا جس نے کسی مسلم کے عہد کو توڑا اس پر اللہ اور ملائکہ اور انسانوں سب کی لعنت اس سے قیامت کے دن کچھ قبول نہ کیا جائے گا۔

امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح کی کتاب المناسک میں بھی بطریق محمد بن بشار روایت کیا ہے۔

۲۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں حدیث متذکرہ بالا کے ذیل میں تحریر کیا ہے۔

واخرجہ الدارقطنی من وجہ اٰخر عن

قتادہ عن ابی حسان عن الاشتر عن علی ولاحمد وابی داؤد والنسائی من طریق سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ عن الحسن عن بن عبادہ قال انطلقت انا والاشتر الی علیؑ فقلنا ھل عھد الیک رسول اللہ شیئاً لم یعھدہ الی الناس عامۃ قال لا الّا فی کتابی ھذا۔ قال وکتاب فی قراب سیفہ فاذا فیہ المومنون تتکافاء دماءھم۔ الخ

دارقطنی نے اس حدیث کو دوسرے طریقہ سے روایت کیا ہے یعنی قتادہ سے انھوں نے ابوحسان سے انھوں نے مالک اشتر سے اُنھوں نے حضرت علی علیہ السلام سے اور امام احمد امام ابوداؤد امام نسائی بطریق سعید بن ابی عروبہ قتادہ سے انھوں نے حسن سے انھوں نے قیس بن عبادہ سے روایت کیا ہے ان کا بیان ہے کہ میں اور اشتر حضرت علیؑ کی خدمت میں گئے اور ہم نے اُن سے عرض کیا حضرت رسولخداؐ نے آپ کو کوئی ایسی چیز بتائی جو عام لوگوں کو نہیں بتائی۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نہیں سوائے اس کے کہ جو میری اس کتاب میں ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ کتاب حضرت کی تلوار کے نیام میں تھی اس میں یہ تھا۔

المومنون تتکافاء دماؤ ھم

۳۔ امام مسلم نے اپنی صحیح کے کتاب الحج باب فضل المدینہ میں یزید بن شریک بن طارق التیمی کی روایت کو ابو بکر بن ابی شیبہ کے کلام سے کیا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ

خطبنا علیؑ ابن ابی طالبؑ فقال من زعم ان عندنا سیئًا فقرؤہ الا کتاب اللہ وھذہ الصحیفۃ قال وصحیفۃ معلقہ فی قراب سیفہ کذب۔

فیھا اسنان الابل واشیاء من الجراحات قال النبیؐ المدینۃ حرم الخ

حضرت علیؑ نے خطبہ پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو یہ گمان ہو کہ ہمارے پاس قرآن شریف اور اس صحیفہ (کتاب) کے علاوہ کوئی اور شئے (مکتوب) ہے وہ جھوٹا ہے راوی کا بیان ہے کہ صحیفہ حضرتؑ کی تلوار کی میان میں لٹکا ہوا تھا اس صحیفہ میں اونٹوں اور کچھ زخموں (کے قصاص) کا تذکرہ تھا اور اسی میں یہ تھا کہ المدینۃ حرم الخ

۴۔ امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں محمد بن کثیر کے طریقہ سے روایت کی ہے۔

عن علی رضی اللہ قال ما کتبنا عن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القرآن وھذہ الصحیفۃ الخ

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف اور اس صحیفے کے علاوہ ہم نے رسولؐ خدا سے اور کچھ نہیں لکھا۔

اس روایت کو محمد بن عبداللہ الخطیب العمری الترمذی نے اپنی مشہور کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" کے کتاب المناسک باب حرم المدینۃ میں بھی لکھا ہے۔

متذکرہ بالا روایات صحیحہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ امیرالمومنینؑ کی کتاب میں کسی شخص کو اختلاف نہ تھا اور آپ کے مصنفات کا ہونا تمام مسلمانوں کے نزدیک مسلّم ہے۔

بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی کتاب اپنے صاحبزادے "محمد بن الحنفیہ کے ہاتھ حضرت عثمان کے پاس بھی بھیجی تھی۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب فرض الخمس میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

قال الحمیدی حدثنا سفیان حدثنا محمد
بن سوقہ قال سمعت منذر الثوری عن ابن الحنفیہ
قال ارسلنی ابی خذ ھذا الکتاب فاذھب بہ الی
عثمان فان فیہ امر النبیؐ بالصدقۃ۔

(فقہ وحدیث میں امام بخاری کے شیخ) حمیدی کا بیان ہے
کہ ہم سے سفیان نے اور اُن سے محمد بن سوقہ نے بیان کیا کہ

ہیں نے مسند الثوری کو سنادہ ابن الحنفیہ سے نقل کرتے
تھے اُنھوں نے کہا کہ مجھے ایک کتاب دے کر ارشاد فرمایا کہ
لو اسے حضرت عثمان کے پاس لے جاؤ اس میں صدقہ کے
متعلق احکام نبی ہیں۔

علامہ ابن حجر العسقلانی فتح الباری میں تحریر کرتے ہیں کہ
اخرج الخطابی فی غریب الحدیث من طریق
عطیہ عن ابن عمر قال بعث علی الی عثمان بصحیفة
فیھا لا تاخذ الصدقة من الرخة ولا من النخه

خطابی نے غرائب الحدیث میں بطریق عطیہ حضرت ابن عمر
سے روایت کی ہے اُن کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت
عثمان کے پاس ایک صحیفہ بھیجا جس میں یہ تھا کہ طیور اور کام
کرنے والے چوپاؤں میں زکوٰۃ نہ لی جائے گی۔

امیرالمومنینؑ کی کتاب میں کس قسم کی احادیث تھیں

امیرالمومنین کی یہ کتاب احادیث نبویہ کا بیش بہا خزانہ تھی۔ اس پر
کسی خاص مبحث کے متعلق احادیث کو جمع نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس میں وہ تمام
احادیث مدون تھیں جن کی لوگوں کو ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔

چونکہ شریعت محمدیہ آخری شریعت اور قیامت تک رہنے والی شریعت

تھی اس لئے قیامت تک جس قسم کی ضرورتیں بھی پیش آسکتی تھیں اُن کے متعلق احادیث کا ذخیرہ اس کتاب میں موجود تھا۔

ائمہ اہلبیتؑ کی روایات سے اس مطلب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ عبداللہ بن میمون القداح نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت[1] کی ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے ارشاد فرمایا:۔

فی کتاب علیؑ کل شیٔ یحتاج الیہ حتی ارش الخدش

کتاب علیؑ میں ہر وہ چیز ہے جس کی حاجت ہوتی ہے یہاں تک کہ ایک خراش کی پاداش۔

۲۔ عبداللہ بن سنان نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت[2] کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرتؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

انّ عندنا صحیفۃ طولھا سبعون ذراعًا املاء رسول اللہ وخط علی بیدہ وان فیھا لجمیع ما یحتاج الیہ النّاس حتی ارش الخدش۔

ہمارے پاس ایک صحیفہ (کتاب) ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ کی ہے جو حضرت رسولِ خداؐ کا لکھوایا ہوا اور حضرت علیؑ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا اس میں وہ تمام چیزیں ہیں جن کی لوگوں

---

[1] بصائر الدرجات ۱۲ [2] اصول کافی ۱۲

کو ضرورت ہوتی ہے یہاں تک کہ ایک خراش کی پاداش (بھی)

۳۔ محمد بن عبد الملک کا بیان[1] ہے کہ ہم ساٹھ آدمیوں کے قریب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھے، میں نے حضرت کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

عندنا واللہ صحیفۃ طولھا سبعون ذراعًا ما خلق اللہ من حلال او حرام الا وھو فیھا حتی ان فیھا ارش الخدش۔

قسم بخدا میرے پاس ایک صحیفہ ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ کی ہے خدا نے جو بھی حلال یا حرام خلق فرمایا ہے اس کا ذکر اس صحیفہ میں ہے یہاں تک کہ خراش کی پاداش (کا بھی تذکرہ ہے)

۴۔ سلیمان بن خالد کا بیان ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:۔

انّ عندنا الصحیفۃ سبعون ذراعًا املاء رسول اللہؐ وخط علیؑ بیدہ ما من حلال ولا حرام الّا وھو فیھا حتّی ارش الخدش۔

ہمارے پاس ایک صحیفہ (کتاب) ہے جس کی لمبائی

---

[1] بصائر الدرجات۔

ستر ہاتھ کی ہے جو حضرت رسولؐ خدا کا لکھوایا ہوا اور حضرت علیؑ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا اس میں تمام حلال و حرام درج ہے یہاں تک کہ ایک خراش کی پاداش۔

۵۔ ابو عبیدہ ناقل[1] ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے جامعہ کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا:۔

قلك الصحيفة طولها سبعين ذراعًا في عرض الاديم مثل فخذ الفالج فيها كلّ مايحتاج الناس اليه وليس من قضيّة الّا وهي فيها حتّى ارش الخدش۔

اس صحیفہ کا طول ستر ہاتھ ہے اور چوڑان میں ایک کھال اونٹ کی ران کی اس میں تمام ضروریات زندگی کا کوئی قضیہ نہیں جو اس میں نہ ہو۔ یہاں تک کہ ایک خراش کی پاداش

امیر المومنینؑ کی یہ کتاب کیا ہوئی؟

امیر المومنینؑ کی یہ کتاب جو احادیث کا گرانقدر ذخیرہ تھی؟ حضرت سے اُن کی اولاد کی طرف منتقل ہوئی، اور یکے بعد دیگرے ایک امام سے دوسرے امام تک پہنچی اور اب یہ خزانہ امام عصر کے پاس ہے، مُعلّی بن خنیس

---

[1] اصول کافی۔

نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت کی ہے جس کو محمد بن الحسن الصفار
نے اپنی مشہور کتاب "بصائر الدرجات" میں نقل کیا ہے، معلی بن خنیس
بیان کرتے ہیں کہ حضرت نے ارشاد فرمایا:-

فلمّا سار علیٰ الی العراق استودع الکتب
امّ سلمه فلمّا مضیٰ علیه السلام کانت
عند الحسنؑ فلمّا مضی الحسنؑ کانت
عند الحسینؑ فلمّا مضی الحسین کانت
عند علی بن الحسینؑ ثم کانت عند ابی۔

(کتابیں حضرت علیؑ کے پاس تھیں) جب وہ عراق
تشریف لے گئے تو کتابیں حضرت ام سلمہ کے سپرد کر دیں جب
حضرت نے وفات پائی تو وہ امام حسنؑ کے پاس رہیں، اُن کا
انتقال ہوا تو امام حسینؑ کے پاس تھیں، ان کا انتقال ہونے
پر میرے باپ امام محمد باقرؑ کے پاس رہیں۔

ابو الجارود کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام باقر علیہ السلام کو فرماتے
ہوئے سنا:-

لمّا حضر الحسینؑ ما حضر دعا فاطمه بنته
دفع الیها کتاباً و وصیة ظاهرة فقال یا بنتی
صغی هذا فی اکابر ولدی فلمّا رجع علیؑ
بن الحسینؑ دفعته الیه وهو عندنا قلت ما ذاک

الکتاب قال ما یحتاج الیہ ولد اٰدم منذ
کانت الدنیا حتّیٰ تفنی۔

جب امام حسینؑ کا وقت آیا تو اُنھوں نے اپنی بیٹی فاطمہؑ
کو بلایا اور انھیں ایک کتاب دی اور ظاہری وصایا عنایت
فرمائے اور کہا بیٹا یہ میری اولاد میں سب سے اکبر کو دینا
جب حضرت علیؑ بن الحسینؑ واپس آئے تو انھوں نے کتاب
کو اُن کی خدمت میں حاضر کر دیا اور اب وہ ہمارے پاس
ہے میں نے کہا وہ کتاب کیا ہے کہا اس میں وہ سب کچھ ہے
جس کی جانب بنی آدم محتاج ہوں گے جب سے دنیا ہے
اس وقت سے لے کر دنیا کے فنا ہونے تک۔

ان روایات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ امیرالمومنینؑ کی
کتاب امام محمد باقرؑ تک منتقل ہوئی اور اسی طرح ہر امام اپنے بعد والے
امام کو یہ کتاب دیتا رہا ہے۔

علی بن یقطین ناقل[1] ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت
میں حاضر تھا کہ اتنے میں حضرت امام رضاؑ تشریف لائے حضرت موسیٰ کاظمؑ
نے ان کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا:۔

هذا اسید ولدی وقد نحلته کتبی

---

[1] از استیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۱۲

یہ میری اولاد میں سردار ہیں انھیں کو میں نے اپنی کتابیں دی ہیں۔

جندب بن جنادۃ الغفاری

ان کی کنیت "ابوذر" تھی اور اسی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں ابوذر جناب رسول خدا کے جلیل القدر اصحاب میں تھے تین یا چار آدمیوں کے بعد اسلام لائے رسول خدا کے بڑے عاشق تھے اور آپ کی عترت طاہرہ کو بھی بہت دوست رکھتے تھے، جناب رسول خدا کو بھی ان سے محبت تھی بلکہ بعض روایات سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ خدا کے حکم سے ان کو دوست رکھتے تھے اور جن چار آدمیوں سے محبت کرنے کا خدا نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا تھا ان میں ابوذر بھی تھے۔

ابوذر بڑے عابد و زاہد متقی و پرہیزگار صاف دل پاکیزہ نفس، امیر المومنینؑ کے خالص شیعہ تھے، اہلبیت رسالتؐ سے ان کو جو محبت تھی وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ فضائل اہلبیتؑ علیہم السلام میں ہر وقت رطب اللسان رہتے تھے۔

سرور کائناتؐ کی وفات کے بعد اسی جرم میں حرم خدا اور حرم رسولؐ سے نکالے گئے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔

ابن واضح نے "تاریخ یعقوبی" میں لکھا ہے کہ:-

جب حضرت عثمان کو یہ خبر ملی کہ ابوذر مسجد میں بیٹھے ہیں ان کے پاس

لوگوں کا مجمع ہوتا ہے اور وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن میں اُن پر طعن ہوتی ہے اور انھوں نے مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس میں بیان کیا کہ :-

ومحمد وارث علم آدم وما فضّلت به النبیون وعلی بن ابی طالب وصی محمد ووارث علمه ایتها الامّة المتحیرة بعد نبیّها اما لو قدمتم من قدم الله واخّرتم من اخّر الله و اقررتم الولایة والوراثة فی اهل بیت نبیکم لاکلتم من فوق رؤسکم ومن تحت اقدامکم ولما عال ولی الله ولا طاش سهم من فرائض الله ولا اختلف اثنان فی حکم الله الا وجدتم علم ذلك عندهم من کتاب الله وسنة نبیه فاما اذا فعلتم ما فعلتم فذوقوا وبال امرکم وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون -

حضرت محمد مصطفیٰ حضرت آدم کے علم اور ان کے فضائل کے وارث ہیں جن سے انبیاء کو فضیلت ملی اور حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے وصی اور اُن کے علم کے وارث ہیں اپنے نبیؐ کے بعد حیران ہونے والی امت اگر تم اس شخص کو مقدم کرتے

جس کو خدا نے مقدم کیا اور اُس شخص کو مؤخر کرتے جس کو خدا
نے مؤخر کیا اور حکومت و وراثت کو اپنے نبیؐ کے اہلبیتؑ میں
مقرر کرتے تو تم اپنے سروں کے اوپر اور قدموں کے نیچے
سے (بہت سی نعمتیں حاصل کرتے اور ان کو) کھاتے اور خدا
کا دوست فقیر محتاج نہ ہوتا اور خدا کے فرائض کا کوئی حصہ بیکار
نہ جاتا اور دو آدمی خدا کے کسی حکم میں اختلاف نہ کرتے مگر یہ کر
ہم اس کا علم کتاب خدا اور سنتِ نبویؐ سے ان (اہل بیت
رسالتؐ) کے پاس پاتے لیکن جب تم نے کیا جو کچھ کہ کیا تو اپنے
کئے ہوئے کا وبال چکھو اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ عنقریب
جان لیں گے کہ ان کی بازگشت کی جگہ کس طرف ہے۔

ابوذر کی یہ تقریر ان کے تشیع پر پوری پوری روشنی ڈالتی ہے اسکا
نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان نے ان کو معاویہ کے پاس بھیج دیا، وہاں بھی
ابوذر کو فضائل اہلبیتؑ بیان کرنے کے علاوہ کوئی کام نہ تھا جس کا لازمی
نتیجہ تھا کہ اُن کو وہاں بھی چین سے نہ رہنے دیا جائے چنانچہ معاویہ نے
حضرتِ عثمان کو ان کی شکایت لکھی، انھوں نے جواب میں لکھا کہ ابوذر کو مدینہ
بھیجد دیا جائے، معاویہ نے ابوذر کو ایسے اونٹ پر سوار کر کے روانہ کیا
جس کا پالان بالکل کھرا اور تکلیف دہ تھا جس کی وجہ سے مدینہ پہنچتے پہنچتے
ان کی دونوں رانوں کا گوشت جاتا رہا تھا۔

بہرحال مدینہ پہنچ کر ان کو یہ حکم ملا کہ اپنے حیات کے ایام ربذہ کے

صحرا میں بسر کریں اور مروان نے ابوذر رضؓ اور اُن کی لڑکی کو ایک اونٹ پر سوار کر کے مدینہ سے باہر کر دیا، یہ حکم تھا کہ کوئی شخص نہ ان کے قریب جائے نہ اُن سے بات کرے۔

رسول خداؐ کے اس جلیل القدر صحابی کی مشایعت کے لئے کوئی شخص نہ آیا مگر جب امیر المومنینؑ کو معلوم ہوا تو امام حسنؑ امام حسینؑ اور عقیلؓ و عبداللہ بن جعفرؓ کے ہمراہ ابوذر کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے۔

ابوذر اس حالت سے روانہ ہو کر صحرائے ربذہ میں پہنچے اور وہاں ہی انھوں نے انتقال فرمایا، اتنے میں ایک قافلہ ادھر سے گذرا جس میں حذیفہ بن الیمان بھی تھے ابوذر کی لڑکی نے قافلہ والوں سے کہا کہ ابوذر صحابی رسولؐ کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ بے گور و کفن پڑے ہیں، یہ سن کر قافلہ والے سواریوں سے اتر پڑے اور سب بہت روئے اور غسل و کفن دینے کے بعد نماز جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کیا، پھر ابوذر کی لڑکی کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا، ابوذر رضؓ کی مدح میں آنحضرتؐ کی بہت سی حدیثیں ملتی ہیں، ان کی راست گوئی کے متعلق آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:-

ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی لھجۃ اصدق من ابی ذر -

---

لہ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی لھجۃ اصدق من ابی ذر رضؓ ۱۲ استیعاب

آسمان کے نیچے زمین کے اوپر کوئی بولنے والا ایسا نہیں ہے جو ابوذرؓ سے زیادہ سچا ہو۔

ان کے زہد کے متعلق آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

ابوذر فی امتی شبیہ عیسیٰ بن مریم فی زہدہ

میری امت میں ابوذر حضرت عیسیٰؑ بن مریم سے زہد میں مشابہ ہیں۔

بہت سے اصحاب کا خیال تھا کہ ابوذر ان صاحبانِ علم میں ہیں جو زہد و ورع اور حق گوئی میں اپنے اقران و امثال پر سبقت لے گئے تھے۔

ابوذر جہاں اور صفات حسنہ کے مالک تھے وہاں ان کی علمی جلالت قدر بھی قابل انکار نہ تھی، یہ ایک زبردست عالم تھے ان کے علم کے متعلق امیرالمومنینؑ باب مدینۃ العلم الرسولؐ کا یہ ارشاد کافی ہے حضرت سے ابوذرؓ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

ذالک الرجل وعی علماً عجز عنہ الناس

ابوذر علم سے بھرے ہوئے ہیں جس سے لوگ عاجز ہیں۔

شیخ الطائفہ نے فہرست مصنفین میں ان کا نام بھی لکھا ہے، وہ فہرس الطوسی میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

لہ خطبۃ یشرح فیہا الامور بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اُن کا ایک خطبہ ہے جس میں ان امور کی شرح کرتے ہیں

جو آنحضرتؐ کے بعد پیش آئے۔

اس کے بعد انھوں نے اس کا سلسلہ سند تحریر کیا ہے :-

علم الہدیٰ محمد بن محمد محسن الکاشی نے بھی نضد الایضاح" میں اس کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

له خطبة يذكر فيها الامور بعد النبي صلى الله عليه وآله وسلم

ان کا ایک خطبہ ہے جس میں ان امور کا تذکرہ کرتے ہیں جو آنحضرتؐ کے بعد ہوئے۔

ابوذر غفاری کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی ہے جیسا کہ تاریخ کامل ابن اثیر الجزری میں ہے۔

ابو عبد اللہ سلمان الفارسی

ان کا نام روزبہ[2] بن خوشودان اور کنیت ابو عبد اللہ تھی فارس کے رہنے والے تھے اس لئے سلمان الفارسی مشہور ہیں یہ ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے دین حق کی جویائی اور حجت خدا کی تلاش میں زمین کا دورہ کیا سفر کی

---

[1] وروای عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال ابوذر فی امتی شبیہ عیسیٰ بن مریم فی زھدہ ۔ استیعاب

[2] بعض لوگوں نے ان کا نام ماہویہ، بعض نے مایہ، بعض نے بہبود بن بدخشان لکھا ہے۔ ۱۲

زحمتیں اٹھائیں، رہباؤں کی خدمتیں کیں یہاں تک کہ مدینہ منورہ پیغمبر اسلام کی خدمت میں پہنچکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

سلمان فارسیؓ کے ابتدائی حالات اور اسلام لانے کا سبب

امیرالمومنینؑ کے استفسار فرمانے پر سلمان الفارسی نے اپنے ابتدائی حالات اور اسلام لانے کا جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے، سلمان الفارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں شیراز میں رہتا تھا اور میرے والدین مجھے بہت چاہتے تھے ایک روز میں اپنے باپ کے ہمراہ عیدگاہ گیا، وہاں ایک صومعہ تھا جہاں میں ایک شخص کو یہ آواز دیتے ہوئے سُنا کہ :۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان عیسیٰ روح اللّٰہ وانّ محمدًا حبیب اللّٰہ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ یقیناً کوئی معبود نہیں ہے اور عیسیٰ خدا کی روح اور محمدؐ خدا کے حبیب ہیں۔

اس آواز میں نہ معلوم کیا مقناطیسی اثر تھا کہ محمدؐ کی محبت میرے رگ وپے میں سرایت کر گئی اور مجھے کھانا پینا کچھ نہ اچھا معلوم ہوتا تھا، میری ماں نے کہا بھی کہ آج کیا بات ہے کہ تم آفتاب کو سجدہ نہیں کرتے میں نے یونہی سا جواب

لہ حسین بن حمدان نے ان کی کنیت ابوالبنیات اور ابوالمرشد بھی بتائی ہے ۱۲۰

سے کرنال دیا، جب عیدگاہ سے پلٹ کر گھر واپس آیا تو مکان کی چھت میں ایک رقعہ لٹکا ہوا نظر آیا، والدہ سے دریافت کیا کہ یہ رقعہ کیسا ہے انھوں نے جواب دیا کہ عیدگاہ سے پلٹ کر ہم نے اِسے یونہی لٹکا ہوا دیکھا ہے۔ روزبہ تم اس کے پاس نہ جانا ورنہ تمھارے باپ تمھیں مار ڈالیں گے، میں نے صبر کیا مگر دل میں بے قرار رہا کہ اس میں کیا ہے جب رات ہوگئی اور میرے ماں باپ دونوں سو گئے تو میں اٹھا اور اس رقعہ کو لیا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ:۔

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

هذا عهد من الله الیٰ آدم انه خالق من صلبه نبیًا یقال محمد یامر بمکارم الاخلاق و ینهیٰ عن عبادة الاوثان یا روزبه انت وصیّ عیسیٰ فامن دا ترك المجوسیه۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خدا کی طرف سے آدم کی طرف عہد ہے کہ وہ آدم کے صلب سے ایک بنی پیدا کرنے والا ہے جن کو محمدؐ (کے نام سے) پکارا جائے گا وہ (محمدؐ) اچھے اخلاق کا حکم دے گا اور بتوں کی پرستش سے ممانعت کرے گا اے روزبہ تم عیسیٰؑ[1] کے وصی ہو پس ایمان لاؤ اور مجوسیت کو ترک کرو۔

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلمان الفارسیؓ حضرت عیسیٰؑ کے وصی تھے اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ سلمان فارسی کی وفات باوجودیکہ مدائن میں ہوئی

اس تحریر کو دیکھتے ہی مجھ پر ایک بجلی سی گری اور محبت کو تیز کر دیا میرے ماں باپ کو بھی اس کا پتہ چل گیا اور انھوں نے مجھے ایک عمیق کنویں میں قید کر دیا اور کہا کہ اپنے خیالات سے باز آؤ ورنہ ہم تمھیں مار ڈالیں گے، میں نے جواب دیا کہ تم جو چاہو کرلو محمدؐ کی محبت تو اب میرے دل سے نہیں نکل سکتی۔

سلمانؓ کا بیان ہے کہ اس تحریر کو پڑھنے سے پیشتر میں عربی بالکل نہ جانتا تھا لیکن اُس دن سے خدا نے ایسا کر دیا کہ میں عربی سمجھنے لگا۔

بہر حال میں کنویں میں قید تھا اور میرے لئے ڈول سے چھوٹی چھوٹی روٹیاں کنویں میں ڈال دی جاتی تھیں، جب اُس کو ایک مدت گذر گئی تو میں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے پالنے والے تو نے محمدؐ اور اُن کے وصی کی محبت میرے دل میں ڈالی ہے اُنھیں کے طفیل میں مجھے اس کش مکش سے نجات دے، اتنے میں ایک شخص سفید لباس پہنے ہوئے آیا اور مجھ سے کہا کہ روزبہ اٹھ اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک صومعہ میں لایا میں اشھد ان لا اله الا الله و ان عیسیٰ روح الله و ان محمداً حبیب الله پڑھنے لگا،

(بقیہ حاشیہ صـــ)

اور حضرت علیؑ اس وقت مدینہ منورہ میں تھے مگر آپ تشریف لائے اور سلمانؓ کو غسل دیا، یہ شرف کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ شائد اسی لئے ہو کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

ان الوصی لا یغسله الا نبی او وصی۔

وصی کو نبی یا وصی کے علاوہ کوئی اور غسل نہیں دیتا"

اتنے میں ایک دیرانی نے اوپر سے دیکھا اور پوچھنے لگا کہ کیا تم روزبہ ہو؟ میں نے جواب دیا جی ہاں اُنھوں نے کہا کہ اوپر چلے آؤ اور وہ سفید پوش مجھے اوپر لے گیا، میں ان کے پاس رہنے لگا اور پورے دو سال تک اُن کی خدمت کی جب اُن کی وفات کا وقت قریب آیا تو مجھ سے کہنے لگے کہ اب میں مرنے والا

(بقیہ حاشیہ ص)

لہ سلمان فارسی اس وقت بچے اور غیر مکلف تھے، اور مجوسیت کو ترک کرنے سے یہ مقصد ہے کہ جب تم مذہب کو اختیار کرو تو مجوسیت کو مت اختیار کرنا، اگر کوئی شخص کسی چیز کو اختیار نہ کرے تو اُس کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے اس چیز کو ترک کر دیا اور ترک کرنے میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جس چیز کو ترک کیا ہے اُسے اختیار بھی کیا ہو جیسا کہ خداوند عالم نے قرآن شریف (پارہ ۱۲ سورۂ یوسف) میں حضرت یوسف (ع) کا یہ قول نقل فرمایا ہے:-

انی ترکت ملۃ قوم لا یومنون باللہ وھم بالاخرۃ ھم کافرون ۰

میں نے ان لوگوں کا مذہب ترک کیا ہے جو خدا پر ایمان نہیں لاتے اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے قول میں یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ خدانخواستہ پہلے آپ ان لوگ کا مذہب اختیار کئے ہوئے تھے جو خدا پر ایمان اور آخرت سے انکار کرتے ہیں۔

اسی طرح روایت کے اس فقرہ میں مجوسیت کو ترک کرو، یہ مراد نہیں ہے کہ سلمان الفارسی خدانخواستہ مجوسیت کو اختیار کئے ہوئے تھے۔ ۱۲

ہوں میں نے کہا تو پھر اب مجھے کس پر چھوڑتے ہیں، اُنھوں نے جواب دیا انطاکیہ
میں ایک راہب ہے تم اُن کے پاس چلے جانا میرا سلام کہنا اور مجھے ایک لوح
دے کر فرمایا کہ یہ لوح اُن کو دیدینا، میری نظر میں اُن کے علاوہ اور کوئی
ایسا نہیں ہے جو میرا ہم خیال ہو سلمان الفارسیؓ کا بیان ہے کہ جب ان کا
انتقال ہو گیا تو میں نے اُن کو غسل دیا کفن پہنایا اور دفن کر دیا اور لوح
لے کر انطاکیہ کو چل دیا جب انطاکیہ پہنچا تو وہاں کے صومعہ میں گیا اور اشھد
ان لا الٰہ الّا اللہ وانّ عیسیٰؑ روح اللہ وانّ محمداً حبیب اللہ
پڑھنے لگا، پس ایک دیرانی نے اوپر سے دیکھ کر مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تم
روزبہ ہو میں نے کہا جی ہاں انھوں نے اوپر بلایا، میں اوپر چلا گیا اور پورے
دو سال تک اُن کی بھی خدمت کی، جب ان کی وفات کا زمانہ آیا تو انھوں
نے بھی کہا کہ میں مرنے والا ہوں، میں نے کہا آپ مجھے کس پر چھوڑتے ہیں
انھوں نے کہا کہ اسکندریہ میں ایک راہب ہے تم ان کی خدمت میں چلے جانا
ان سے میرا سلام کہنا اور یہ لوح ان کو دیدینا، میری نظر میں اُن کے علاوہ
میرا کوئی ہم خیال نہیں ہے سلمان الفارسی کا بیان ہے کہ جب ان کا انتقال
ہو گیا تو میں نے اُن کو غسل دے کر کفن پہنایا اور دفن کر دیا پھر لوح لے کر
اسکندریہ پہنچا وہاں کے صومعہ میں گیا اور اشھد ان لا الٰہ الّا اللہ و
انّ عیسیٰؑ روح اللہ وانّ محمداً حبیب اللہ پڑھنے لگا اتنے میں ایک
دیرانی نے اوپر سے مجھے دیکھا اور پوچھا کہ تم روزبہ ہو میں نے کہا ہاں اُنھوں نے
اوپر بلا لیا اُن کی خدمت میں پہنچا اور کامل دو برس تک ان کی بھی خدمت

کی، جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو اُنھوں نے کہا کہ اب میں مرنے والا ہوں میں نے کہا کہ آپ مجھے کس پر چھوڑتے ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ مجھے دنیا میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو میرا ہم خیال، اور اب محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کی ولادت باسعادت کا زمانہ قریب ہے تم اُن کی خدمت میں حاضر ہونا اور جب باریاب ہو تو میرا اسلام عرض کر دینا اور یہ لوح اُن کی خدمت میں پیش کر دینا۔

سلمان الفارسی کا بیان ہے کہ جب ان کا انتقال ہوگیا تو میں نے غسل دیا کفن پہنایا دفن کیا پھر لوح لے کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا، راستہ میں ایک قوم کا ساتھ ہوگیا میں نے اُن سے کہا تم مجھے کھانے پینے کو دینا میں تمھاری خدمت کرتا رہوں گا اُنھوں نے اسے منظور کر لیا، جب کھانے کا وقت آیا تو اُنھوں نے بکری کو باندھ کر قتل کر ڈالا اور کچھ گوشت کے تو کباب بنائے اور کچھ پکا لیا، میں کھانے سے رکا، اُنھوں نے کہا کہ کھاؤ میں نے کہا کہ میں (دیرانی (نصرانی) لڑکا ہوں دیرانی گوشت نہیں کھایا کرتے لہٰذا میں بھی نہیں کھا سکتا، یہ سن کر وہ مجھے مارنے لگے اور قریب تھا کہ مار ڈالیں مگر بعض لوگوں نے کہا کہ اتنا ٹھہر جاؤ کہ شراب آجائے یہ شراب بھی نہیں پئے گا جب شراب آگئی تو انھوں نے شراب پینے کو کہا، میں نے کہا کہ میں دیرانی لڑکا ہوں اور دیرانی شراب نہیں پیا کرتے یہ سن کر اُنھوں نے مجھے باندھ دیا اور قتل کرنا چاہا، میں نے اُن سے کہا کہ میں تمھارے غلام ہونے کا اقرار کرتا ہوں اور ان میں سے ایک شخص سے میں نے اقرار کر لیا

پس اُس نے مجھے نکالا اور یہودی کے ہاتھ تین سو (۳۰۰) درہم میں بیچ ڈالا، یہودی نے مجھ سے میرا قصہ دریافت کیا میں نے سب سُنا دیا اور کہا کہ اس کے سوا میرا کوئی قصہ نہیں ہے کہ میں محمدؐ اور اُن کے وصی سے محبت رکھتا ہوں یہودی نے کہا کہ میں تجھے بھی دشمن رکھتا ہوں اور محمدؐ کو بھی، پھر اُس نے مجھے گھر سے باہر نکال دیا، اتفاق سے اس کے دروازہ پر ریگ کا انبار تھا اس نے مجھ سے کہا کہ راتوں رات یہ تمام ریگ فلاں جگہ پہنچا دو میں صبح کو آؤں گا اگر یہ ریگ وہاں نہ پہنچائی تو میں قتل کر دوں گا۔

سلمان الفارسی کا بیان ہے کہ میں تمام رات اس ریگ کو ڈھوتا رہا یہاں تک کہ چور چور ہو گیا اُس وقت میں نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دعا کی پروردگارا تو نے محمدؐ اور ان کے وصی کی محبت میرے دل میں ڈالی ہے اُن کے طفیل میں مجھے اس مصیبت سے نجات دے پس خدا نے ہوا چلائی اور تمام ریگ دروازہ پر سے اُڑ کر اُس جگہ پہنچ گئی جہاں ڈالنے کا یہودی نے حکم دیا تھا، جب صبح ہوئی اور یہودی نے آکر دیکھا کہ دروازہ پر ریگ کا نام نہیں ہے سب کی سب وہاں سے منتقل ہو گئی تو مجھ سے کہنے لگا کہ روزبہ تم جادوگر ہو تم سے بڑا جادوگر میں نے نہیں دیکھا، میں تمہیں اس گاؤں سے نکال دوں گا ایسا نہ ہو کہ تم کہیں اس گاؤں پر قبضہ جماؤ، پھر یہودی نے مجھے اپنے گاؤں سے نکال دیا اور ایک سلیمیہ عورت کے ہاتھ فروخت کر ڈالا وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی اس کا ایک باغ تھا اس نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ یہ باغ تمہارے لئے ہے اس میں جو چاہو کھاؤ، جو چاہو ہبہ کرو اور جو چاہو تصدق کرو جب تک

مشیت الٰہی کا تقاضہ ہوا میں اُس باغ میں رہا۔

ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ میں باغ میں موجود تھا کہ سات آدمی دفعتہً باغ کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیے، اُن پر ابر سایہ کیے ہوئے تھا، میں نے دل میں کہا کہ یہ سب کے سب نبی تو ہو نہیں سکتے مگر ان میں کوئی نبی ضرور ہے، وہ برابر باغ کی طرف آتے رہے اور ابر اُن کے ساتھ ساتھ رہا، یہاں تک کہ وہ سب باغ میں داخل ہوئے۔

ان میں حضرت رسول اللہ، امیر المومنینؑ، ابوذر، مقداد، عقیل بن ابی طالب، حمزہ بن عبد المطلب اور زید بن حارثہ تھے، انھوں نے باغ میں داخل ہو کر (گرے ہوئے) ناقص خرمے کھانا شروع کر دیے اور حضرت نے ارشاد فرمایا کہ (گرے ہوئے) ناقص خرمے اور (توڑ کر) اچھے خرمے کھا کر مالک کا نقصان نہ کرو۔

سلمان فارسی بیان کرتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں اپنی مالکہ کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ مجھے ایک طبق خرمے دیدو، اس نے کہا ایک نہیں تمھارے لئے چھ طبق خرمے، پس میں وہاں سے پلٹا اور خرمے کے طبق لے کر ان حضرات کی خدمت میں آیا اور اپنے دل سے کہا کہ اگر ان میں کوئی نبیؐ ہے تو وہ صدقہ نہ کھائے گا بلکہ ہدیہ کھائے گا، پھر وہ طبق ان کے سامنے رکھدیے اور کہا کہ یہ صدقہ کے ہیں، حضرت رسولؐ خدا نے اوروں سے کھانے کو فرمایا اور خود رک گئے اور امیر المومنینؑ، عقیل بن ابی طالبؑ اور حمزہ بن عبد المطلب بھی رک گئے، اور حضرتؐ نے زید سے ارشاد فرمایا کہ ہاتھ بڑھا کر کھاؤ میں نے اپنے

دل میں کہا کہ ایک نشانی ہوئی (کہ صدقہ کو نہیں کھایا) پھر میں اپنی مالکہ کے پاس آیا اور اس سے ایک طبق خرموں کی استدعا کی اُس نے جواب دیا کہ تمھارے لئے چھ طبق خرمے ہیں میں وہاں سے پلٹا اور ایک طبق میں خرمے لے کر ان کے سامنے لا رکھے اور عرض کیا کہ یہ ہدیہ ہے پس حضرت رسولِ خدا نے ہاتھ بڑھایا اور فرمایا بسم اللہ کھاؤ پس سب نے اپنے ہاتھ بڑھائے اور کھانے لگے میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ نشانی بھی ہے (کہ انھوں نے ہدیہ کھایا)

اسی درمیان میں میں حضرت کے پیچھے دورہ کرنے لگا، حضرت بھی میری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ روزبہ کیا تم مہرِ نبوت کے متلاشی ہو میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، پس حضرت نے اپنے شانوں کو کھولا میں نے دیکھا تو دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہے جس پر چند بال ہیں۔

سلمان فارسی کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر میں حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور پائے مبارک کو بوسہ دینے لگا، حضرتؐ نے ارشاد فرمایا اے روزبہ تم اس عورت کے پاس جاؤ (جو تمھاری مالکہ ہے) اور اس سے کہو کہ محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اس غلام (روزبہ) کو ہمارے ہاتھ فروخت کر ڈالو، میں مالکہ کے پاس گیا اور کہا کہ تم سے محمد بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ اس غلام کو ہمارے ہاتھ فروخت کر ڈالو اس نے جواب دیا کہ میں خرمے کے چار سو درختوں کے عوض فروخت کروں گی مگر درختوں میں دو سو زرد رنگ کے ہوں اور دو سو سرخ رنگ کے۔

میں حضرت کی خدمت میں واپس آیا اور جو قیمت مالکہ نے بتائی تھی حضرتؐ سے عرض کر دی حضرت نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ اس نے نہایت سہل چیز کا سوال

کیا، پھر حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا کہ اٹھو اور ان تمام گٹھلیوں کو جمع کر لو، پس حضرت علیؑ نے اُن کو جمع کیا پھر اٹھا کر بو یا پھر حضرت نے امیر المومنینؑ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو پانی دو، امیر المومنینؑ نے پانی دیا، آخر تک پانی دینے نہ پائے تھے کہ خرمے کے درخت نکل آئے اور بعض بعض سے مل گئے، پس حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ اپنی مالکہ سے جا کر کہو کہ محمد بن عبداللہ تم سے کہتے ہیں کہ اپنا مال تم لے لو اور ہمارا مال ہمیں دیدو، پس میں اس کے پاس گیا اور جو کچھ حضرتؐ نے فرمایا تھا اُس سے کہہ دیا، وہ آئی اور خرمے کے درخت دیکھ کر کہنے لگی کہ مَیں تو صرف اُسی وقت فروخت کروں گی جب چار سو کے چار سو درخت زرد رنگ کے ہوں، پس جبرئیل امین آسمان سے نازل ہوئے اور انھوں نے اپنے بازو درخت سے ملے اور سب کے سب درخت زرد رنگ کے ہو گئے۔

اس کے بعد پھر حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنی مالکہ سے کہو کہ محمدؐ تم سے کہتے ہیں کہ اپنا مال لے لو اور ہمارا مال ہمیں دیدو، میں نے جا کر جب مالکہ سے کہا تو وہ کہنے لگی قسم بخدا ان میں کا ایک درخت مجھے محمدؐ سے اور تم سے زیادہ محبوب ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ایک دن جس میں میں محمدؐ کے ساتھ رہوں مجھے تم سے اور تمھاری ہر شئے سے زیادہ محبوب ہے۔

بہر حال حضرتؐ نے مجھے خرید فرمایا اور راہ خدا میں آزاد کر دیا میرا نام سلمان رکھا۔

سلمانؓ الفارسی کو چونکہ آنحضرتؐ نے آزاد فرمایا تھا اس لئے ان کو "عتیق رسول اللہ" کہا جاتا ہے۔

ان کے مصنفات میں ایک کتاب حدیث کی ہے جس میں جاثلیق الرومی
حدیث ہے اس کتاب کا تذکرہ شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی فہرست میں کیا ہے
فرماتے ہیں۔

روی خبر (حدیث) الجاثلیق الرومی الذی
بعثه ملك الروم بعد النبیؐ۔

ابو رافع

ان کا نام بعض لوگوں نے "ابراہیم" بعض نے "اسلم" تحریر کیا ہے
یہ جناب رسولؐ خدا کے آزاد کردہ غلام تھے، مکہ میں اسلام لائے پھر حضرتؐ
کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئے، غزوات میں شریک رہے ان کو جناب ختمی مرتبت
سے عشق تھا، ایک روز حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرتؐ اس وقت
آرام فرما رہے تھے یا وحی نازل ہو رہی تھی، انھوں نے دیکھا کہ مکان کے
گوشہ میں سانپ بیٹھا ہوا ہے انھوں نے اس خیال سے کہ حضرتؐ بیدار نہ
ہو جائیں اسے مارنے کی کوشش تو نہ کی بلکہ حضرتؐ اور سانپ کے درمیان
لیٹ گئے تاکہ اگر اس سے کوئی گزند پہنچے تو حضرتؐ محفوظ رہیں اتنے میں
آنحضرتؐ آیۂ انما ولیکم اللہ و رسولہٗ والذین امنوا الذین
یقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ و ھم راکعون کی تلاوت فرماتے

ہوئے بیدار ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

الحمد للہ الذی اکمل لعلی منیۃ وھنیئا لعلی بتفضیل اللہ اتباہٗ۔

اس خدا کے لئے حمد جس نے علیؑ کے لئے اُن کی آرزو کو پورا کردیا اور علیؑ کے لئے گوارا ہو کہ خدا نے ان کو دوسروں پر فضیلت دی۔

بعدازاں حضرت ابو رافع کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں اپنے پہلو میں لیٹا ہوا دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ" ابو رافع یہاں کس لئے لیٹے ہو، ابو رافع نے سانپ کا واقعہ سنایا حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اُٹھو اُسے مار ڈالو، ابو رافع نے اس کو مار ڈالا، پھر حضرتؐ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اے ابو رافع اس وقت تمارا کیا حال ہوگا جب تم دیکھو گے کہ ایک قوم علیؑ سے قتال کر رہی ہے اس حال میں کہ علیؑ حق پر ہوں گے اور وہ باطل پر جن سے راہِ خدا میں جہاد کرنا حق ہوگا، پس جو اُن سے جہاد نہ کر سکے وہ قلب ہی سے جہاد کرے (یعنی دل سے ان کا انکار کرے) اور اگر اس پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے کچھ نہیں ہے، ابو رافع نے عرض کیا یا حضرتؐ میرے لئے دعا فرمایئے کہ اگر میں اس قوم تک پہنچوں تو خدا مجھے انکے قتال کرنے کی قوت عطا فرمائے، حضرت نے ان کے لئے دعا فرمائی کہ خداوندا اگر یہ اس قوم کا ادراک کرے تو اس کو ان سے لڑنے کی قوت عطا فرما اور اس کی مدد کر، بعد ازاں حضرتؐ باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ ایھا الناس جو شخص میرے نفس اور اہل پر امین کو دیکھنا چاہے

تو یہ ابو رافع میرے نفس پر میرا امین ہے، عون بن عبد اللہ بن ابو رافع کا بیان ہے کہ جب امیر المومنینؑ کی بیعت ہوئی اور معاویہ نے شام میں مخالفت کی اور طلحہ و زبیر بصرہ چلے گئے تو ابو رافع نے کہا کہ یہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ عنقریب علیؑ سے ایسی قوم قتال کرے گی جس سے راہِ خدا میں جہاد کرنا حق ہوگا، پھر ابو رافع نے اپنی خیبر کی زمین اور گھر کو فروخت کر ڈالا اور امیر المومنینؑ کے ہمراہ روانہ ہو گئے، اس وقت وہ بہت بوڑھے تھے پچاسی (۸۵) سال کی عمر تھی، راستہ میں کہنے لگے کہ الحمد للہ میں نے ایسی حالت میں صبح کی کوئی شخص میری منزلت نہیں رکھتا، میں نے بیعت عقبہ، رضوان دو بیعتیں کیں اور دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور تین ہجرتیں کیں۔

راوی نے دریافت کیا کہ تین ہجرتیں کونسی تو جواب دیا کہ جعفر بن ابو طالب کے ہمراہ زمین حبشہ کی طرف ہجرت کی، جناب رسول خداؐ کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کی اور یہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے ہمراہ کوفہ کی طرف ہجرت ہے۔

ابو رافع امیر المومنینؑ کی طرف سے بیت المال کے خازن بھی تھے، حضرت کی طرف سے لڑائیوں میں شریک رہے ان کا شمار خیار شیعہ میں ہے، اُن کے دونوں بیٹے عبید اللہ اور علی حضرتؑ کے کاتب تھے۔

اُنھوں نے ایک کتاب تالیف کی تھی جس میں سنن احکام اور قضایا تھے، ابو العباس نجاشی نے اپنی کتاب الرجال میں اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ:-

ولابی رافع کتاب السنن والاحکام والقضایا۔

ابو رافع کی "کتاب السنن والاحکام والقضایا" ہے۔

اس کے بعد نجاشی نے باب صلوٰۃ، صیام، حج، زکوٰۃ، قضایا کرکے اسکو کا تذکرہ کیا ہے۔ نہ معلوم اس کتاب میں احادیث کا کس قدر ذخیرہ موجود ہوگا اور فقہ کی تو یہ ایک نایاب کتاب ہوگی۔

ابو رافع کا انتقال امیر المومنین کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ہوا جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے کتاب "تقریب التہذیب" میں ذکر کیا ہے[1]۔

علی بن ابو رافع

یہ تابعی ہیں، ان کا شمار بھی خیار شیعہ میں ہے امیر المومنین کے صحابی اور کاتب تھے ان کو احادیث بہت حفظ تھیں، انھوں نے ایک کتاب بھی تالیف کی تھی جس میں فقہ کے فنون وضو، نماز اور باقی تمام ابواب تھے۔

یہ کتاب بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی چنانچہ موسیٰ بن عبد اللہ بن الحسن نے اپنے باپ عبد اللہ بن الحسن سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب علی بن رافع کے صاحبزادے عبید اللہ سے نقل کی تھی اور اس کی عظمت کرتے تھے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیا کرتے تھے مخول بن ابراہیم المشتری کا بیان ہے کہ میں نے موسیٰ بن عبد اللہ بن الحسن کو یہ کہتے سُنا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے

---

[1] ابن حجر ابو رافع کے حال میں لکھتے ہیں مات فی اول خلافۃ علی علی الصحیح ۱۲

میرے باپ سے تشہد کے متعلق کوئی سوال کیا تو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ ابن ابو رافع کی کتاب لاؤ اور اُسے نکال کر ہمیں لکھوایا۔

یہ کتاب امیرالمومنینؑ کے کاتب کی لکھی ہوئی تھی اور اُس میں حضرت کی مرویات بھی تھیں ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہ کتاب یا اُس کا کچھ حصہ حضرت کی نظر سے بھی گذرا ہو، اتنا ضرور ہے کہ یہ کتاب نادرالوجود چیز ہو گی، نہ معلوم اس میں احادیث کا کس قدر ذخیرہ موجود ہو گا اس لئے کہ اس میں تمام ابواب فقہ موجود تھے —— اس میں ہر مسئلہ کے متعلق احادیث موجود ہوں گی۔

عبیداللہ بن ابو رافع

یہ امیرالمومنینؑ کے کاتب تھے اُنھوں نے ایک کتاب امیرالمومنینؑ کے قضایا میں تالیف کی تھی اُن کے مصنفات میں ایک اور کتاب بھی تھی جس میں امیرالمومنینؑ کے ان اصحاب کے نام درج تھے جو حضرتؑ کے ہمراہ جنگ جمل جنگ صفین اور جنگ نہروان میں شریک ہوئے تھے۔

ربیعہ بن سمیع

ان کا تابعین میں شمار ہے، اُنھوں نے بھی امیرالمومنینؑ کی مرویات سے ایک کتاب زکوٰۃ النعم تالیف کی تھی۔

نجاشی نے ان کا تذکرہ طبقہ اولیٰ کے مصنفین میں کیا ہے۔

اصبغ بن نباتہ المجاشعیؒ[1] الکوفی

اصبغ امیرالمومنینؑ کے مخصوص اصحاب میں تھے، ان کو حضرتؑ سے بہت زیادہ خلوص تھا ایک مرتبہ ابوالجزور نے ان سے امیرالمومنینؑ کے متعلق دریافت کیا کہ تم میں ان کی منزلت کیا ہے، تو اصبغ نے جواب دیا کہ ہماری تلواریں ہمارے دوش پر ہیں جس شخص کے متعلق حضرتؑ کا اشارہ ہوگا اُسے ماریں گے۔

اُن کا شمار شرطۃ الخمیس[2] میں تھا جو اُن کی جلالت قدر کے لئے کافی ہے یہ حضرتؑ کے بعد زندہ رہے

امیرالمومنینؑ نے مالک اشتر کو جب مصر کا والی بنایا تو ایک عہدنامہ تحریر فرمایا تھا جو ایک والی کے لئے بہترین دستور العمل تھا، اصبغ نے اُسے مُدّون کیا۔

اور امیرالمومنینؑ کی وہ وصیت بھی جو حضرت نے اپنے فرزند محمد

---

[1] مجاشع تمیم بن دارم کے قبیلہ کی شاخ ہے اسی لئے اُن کو "تمیمی" بھی کہا جاتا ہے۔ ۱۲

[2] خمیس لشکر کو کہتے ہیں اس لئے کہ اس میں پانچ حصے ہوتے ہیں، مقدمہ، ساق، میمنہ، میسرہ، قلب اور شرط الخمیس وہ لشکری کہلاتے ہیں جنھوں نے امیرالمومنینؑ سے شرط کی تھی کہ وہ امیرالمومنینؑ کے ہمراہ جہاد کریں گے یہاں تک کہ قتل ہو جائیں اور امیرالمومنینؑ نے فتح و نصرت کی ضمانت فرمائی تھی ۱۲

بن الحنفیہ کی طرف کی تھی وہ بھی انھوں نے لکھی۔
شیخ الطائفہ نے اپنی فہرست میں اُن کی ایک اور کتاب کا بھی تذکرہ کیا
ہے جو مقتل الحسینؑ میں ہے۔

میثم بن یحییٰ ابو صالح التمار

یہ حضرت امیرالمومنینؑ کے مخصوص اصحاب میں تھے، حضرتؑ سے
بہت زیادہ خلوص و عقیدت رکھتے تھے، اسی جرم میں ان کو بے انتہا تکلیف
پہنچائی گئی ہاتھ پاؤں کاٹے گئے زبان قطع کی گئی مگر دامن اہلبیتؑ ہاتھ سے نہ
چھوڑا۔

امیرالمومنین نے اُن سے فرما دیا تھا کہ عبید اللہ ابن زیاد تمھارے ہاتھ
پاؤں اور زبان قطع کرے گا اور عمرو بن حریث کے مکان کے سامنے جو درخت
نخلہ ہے اُس پر سولی دی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب عبید اللہ بن
زیاد نے میثم کو بلایا اور ان سے کہا کہ علیؑ بن ابی طالبؑ پر تبرّا کرو تو انھوں نے
کہا کہ اگر میں تبرّا نہ کروں تو کیا ہوگا، اُس نے جواب دیا کہ قتل کیے جاؤ گے
انھوں نے قتل ہو جانے کو گوارا کر لیا اور حضرتؑ پر تبرّا نہ کیا۔
میثم تمار نے امیرالمومنینؑ کی پیشین گوئی ابن زیاد سے بیان بھی کر دی
تھی جس پر ابن زیاد برہم بھی ہوا اور اس نے کہا کہ میں صرف تمھارے ہاتھ
پاؤں کاٹوں گا اور تکذیب امیرالمومنینؑ کے لئے زبان نہ کاٹوں گا۔
چنانچہ میثم کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے اور عمرو بن حریث کے مکان

کے سامنے جو درخت تھا اس پر لٹکا دیا گیا میثم نے اس حالت میں بھی باآواز بلند کہا کہ جو شخص امیرالمومنینؑ کی احادیث سننا چاہے وہ مجھ سے سُن لے، لوگ وہاں جمع ہو گئے اور میثم نے احادیث بیان کرنا شروع کر دیں۔

جب ابن زیاد کو یہ خبر پہنچی تو اس کو بہت غصہ آیا اور حکم دیا کہ ان کی زبان کاٹ ڈالو، چنانچہ جب آدمی زبان کاٹنے اُن کے پاس آیا تو اُنھوں نے اس سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہو اُس نے کہا زبان نکالو، امیر نے زبان کاٹنے کا حکم دیا ہے، میثمؒ نے کہا کہ وہ میرے مولا کو جھٹلانا چاہتا تھا اور فوراً زبان نکال کر کہا کہ کاٹ لو، چنانچہ ان کی زبان بھی کاٹ لی گئی، اور امیرالمومنین علیہ السلام کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح نکلی۔

میثم تمار کا بھی مصنفین میں شمار ہے، علامہ سید حسن الصدرؒ نے کتاب الشیعہ وفنون الاسلام میں تحریر کیا ہے کہ میثمؒ کی حدیث میں ایک بڑی کتاب ہے۔

اس کتاب کا تذکرہ ملا حسین نوری نے نفس الرحمٰن میں بھی کیا ہے، میثم

ومیثم بن یحییٰ ابو صالح التمار من خواص امیرالمومنین ع، وصاحب سرہ لہ کتاب فی الحدیث جلیل اکثر النقل عنہ الشیخ ابو جعفر الطوسی والشیخ ابو عمرو الکشی والطبری فی بشارۃ المصطفیٰ۔ کتاب الشیعہ وفنون الاسلام

کی وفات سنہ ۶۰ھ میں ہوئی۔

عبید اللہ بن الحرّ الجعفی

یہ مشہور شاعر اور بہادر شہسوار گذرے ہیں، انھوں نے بھی حضرت امیر المومنینؑ کے مرویات سے ایک نسخہ مرتب کیا تھا۔[1]

ان کا انتقال زمانۂ مختارؒ میں ہوا ہے، یہ واقعۂ کربلا میں شریک نہیں ہوئے۔ کامل ابن اثیر میں ان کا حال اس طرح لکھا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام قصر بنی مقاتل کے قریب پہنچے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک خیمہ نصب ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عبید اللہ بن الحرّ الجعفی کا خیمہ ہے، امام حسینؑ نے ایک شخص کو عبید اللہ کے بلانے کو بھیجا، عبید اللہ نے اُس شخص سے کہا کہ انا للہ و انا الیہ راجعون، واللہ میں نے اسی کراہت سے کوفہ چھوڑا کہ ایسا نہ ہو کہ امام حسینؑ میری موجودگی میں وہاں پہنچیں، میں بخدا نہیں چاہتا کہ امام حسینؑ کو دیکھوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے دیکھیں، پس، جس شخص کو امام حسینؑ نے عبید اللہ کے پاس بھیجا تھا اُس نے آکر عبید اللہ کا کلام نقل کر دیا، امام حسینؑ خود عبید اللہ کے پاس تشریف لے گئے اور بعد رسم سلام آپ نے عبید اللہ سے اپنی نصرت چاہی، عبید اللہ نے

---

[1] وفی جملة من الاخبار المروية فی الکشی وامالی الشیخ وبشارة المصطفیٰ وغیرها انه وجد فی کتاب میثم التمار کذا ۱۲ نفس الرحمٰن

وہی جواب دیا جو فرستادۂ امام حسینؑ کو جواب دیا تھا، امام حسینؑ نے فرمایا کہ اچھا اگر تم نصرت نہیں کرتے تو میرے مخالفین کا بھی ساتھ نہ دو اور مجھ سے قتال نہ کرو کیونکہ واللہ جو میرا استغاثہ سُن کر میری مدد نہ کرے گا وہ ہلاکت میں پڑے گا یعنی جہنمی ہو گا، عبیداللہ نے عرض کیا کہ میں ہرگز آپ کے مخالفین کا ساتھ نہ دوں گا اور آپ سے قتال نہ کروں گا۔

زید بن وہب الجہنی

علامہ ذہبی نے ان کا شمار ثقات تابعین میں کیا ہے، ابن معین وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے، بلکہ اعمش نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ زید بن وہب کسی شخص سے نقل کر کے روایت کریں تو تم سمجھ لو کہ اُس نے خود ہی تم سے بیان کیا ہے۔

جناب رسول خدا کی حیات کے آخری ایام میں مدینہ منورہ آرہے تھے، ابھی راستہ ہی میں تھے کہ آنحضرتؐ کی وفات ہو گئی جمعہ اور اعیاد وغیرہ میں امیرالمومنینؑ جو خطبے ممبر پر ارشاد فرمایا کرتے تھے اُن کو یہ کتاب میں لکھ لیا کرتے تھے،

شیخ الطائفہ نے اپنی فہرست میں اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے، ان کی وفات ۹۰ھ کے قبل یا بعد واقع ہوئی۔

سلیم بن قیس الہلالی

ان کی کنیت ابو صادق ہے، یہ حضرت امیرالمومنینؑ کے اصحاب میں تھے اُنھوں نے حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ حضرت امام زین العابدینؑ کی صحبت کا بھی شرف حاصل کیا تھا۔

غفائری کی تحریر کے مطابق انھوں نے چاروں ائمہؑ سے روایت بھی کی ہے، امام محمد باقرؑ کی زیارت سے بھی اُس وقت مشرف ہوئے جب حضرت بہت صغیر السن تھے۔

ان کے مصنفات میں حدیث کی ایک کتاب ہے جو بہت زیادہ مشہور ہے۔

۷۵ھ میں جب خلیفہ عبدالملک نے حجاج کو عراق کا حاکم بنا کر بھیجا اور اُس نے شیعوں کو قتل کرنے کے لئے تلاش کرنا شروع کیا تو ان کو بھی دریافت کیا، یہ وہاں سے بھاگ کر نوبندجان چلے گئے اور آبان بن ابی عیاش کے گھر میں پناہ گزیں ہوئے اور اُنھیں کے ساتھ رہنے سہنے لگے۔

ابان بیان کرتے ہیں کہ میں نے سلیم سے زیادہ متورع، کوشش کرنے والا طویل الحزن اپنے نفس کو گمنامی میں رکھنے والا خواہشات نفس سے بغض وعداوت رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ میں اس وقت چودہ سال کا تھا، میں قرآن پڑھتا اور ان سے سوال کرتا تھا وہ مجھ سے

اہل بدر کی احادیث بیان کرتے تھے، میں نے ان سے بہت سی حدیثیں
سُنی ہیں جو انھوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے فرزند عمرو بن ابی سلمہ،
معاذ بن جبل، سلمان فارسی، حضرت علی مرتضیٰؑ، ابوذر، مقداد، عمار
اور براء بن عازب سے روایت کی تھیں، وہ احادیث انھوں نے میرے
سپرد کردیں اور مجھ سے کسی قسم کی قسم بھی نہ لی جب اُن کی وفات کا وقت
قریب آیا تو انھوں نے ابان سے کہا کہ اگر تم خدا کے لئے عہد کرو کہ میری
زندگی بھر کسی سے بیان نہ کروگے اور میرے مرنے کے بعد بھی اُس شخص
کے علاوہ کسی سے نہ بیان کرنا جو امیرالمومنینؑ کے شیعوں میں صاحب دین
وحسب ہو، جب ابان نے اس کا عہد کرلیا تو سلیم نے اپنی کتاب ان کے حوالے
کردی، اور تمام کتاب مجھے پڑھ کر سنائی۔

ابان ناقل ہیں کہ ان کی وفات کے بعد جب میں نے کتاب دیکھی
تو اس میں امیرالمومنینؑ ان کے اہلبیتؑ اور ان کے شیعوں کے علاوہ تمام
امت محمدیہ کی ہلاکت (ارتداد) کا تذکرہ تھا خواہ وہ مہاجرین میں ہوں یا انصار
میں یا تابعین ہیں۔

سلیم بن قیس کی یہ کتاب ابان کے پاس رہی اور اُنھوں نے
جو کچھ عہد و پیمان کیا تھا اس کے خلاف بھی نہیں کیا اور جب ابان کی وفات
کا زمانہ قریب آیا تو اُنھوں نے سلیم بن قیس کو خواب میں دیکھا جسے اُنھوں
نے معمر بن راشد سے بیان کیا، ابان بیان کرتے ہیں کہ میں نے رات سلیم
بن قیس الہلالی کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں اے ابان تم انھیں

ایام میں انتقال کر جاؤ گے میری امانت (کتاب) میں خدا سے خوف کرنا اُسے ضایع و برباد نہ کرنا اور تم نے جو اس کے پوشیدہ رکھنے کا عہد کیا تو اس پر وفا کرو اور اُسے صرف اُسی شخص کے پاس رکھوا ؤ جو امیر المومنین کے شیعوں میں صاحب دین و حسب ہو۔

ابان نے اپنی وفات سے دو ماہ پیشتر یہ کتاب عمر بن اذینہ کے حوالے کر دی تھی، چنانچہ عمر بن اذینہ کا بیان ہے کہ ابان نے سلیم بن قیس الہلالی کی کتاب مجھے دی جس کے بعد وہ صرف دو ماہ ہی زندہ رہ کر انتقال کر گئے۔

یہ سلیم بن قیس الہلالی العامری کی کتاب کا نسخہ ہے جو مجھے ابان بن عیاش نے دیا ہے اور مجھ پر پڑھا اور ابان نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اُسے حضرت امام زین العابدینؑ کے سامنے پڑھا تھا جس پر حضرتؑ نے ارشاد فرمایا سلیم سچا ہے یہ ہماری حدیث ہے جسے ہم پہچانتے ہیں۔

سلیم بن قیس کی یہ کتاب معمولی درجہ کی کتاب نہ تھی اس میں بہت کچھ جمع کیا گیا تھا اور اس میں بڑی حزم و احتیاط کے ساتھ احادیث جمع کی گئی تھیں اور صحت کا پورا پورا لحاظ کیا گیا تھا، سلیم بن قیس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے

---

[۱] فهذه نسخة كتاب سليم بن قيس الهلالي العامري دفعه الى ابان بن ابی عیاش وقرأه علی وذكر ابان انه قرأه علی علی بن الحسینؑ فقال صدق سلیم هذا حدیثنا نعرفه ۱۲

اس کتاب میں جو احادیث ہیں اُنھیں میں نے صاحبانِ حق اور بصیرت اور اہلِ صدق و راستی اور نیکو کار لوگوں یعنی حضرت علی مرتضیٰ اور سلمان فارسی اور ابوذر غفاری اور مقداد سے حاصل کیا ہے اور ان میں کوئی ایسی حدیث نہیں جسے میں نے ان بزرگواروں (سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد) میں سے کسی ایک سے سنا ہو اور دوسرے سے دریافت نہ کیا ہو تا تاآنکہ وہ سب متفق ہو گئے ہوں۔

اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیم قیس نے اپنی کتاب میں صرف وہی احادیث لکھی ہیں جو حضرت امیر المومنینؑ، سلمان فارسی، ابوذر غفاری اور مقداد سے ملی تھیں اور پھر اس میں بھی ان کو مدنظر رہتی تھی کہ حضرت امیر المومنینؑ کے علاوہ سلمان فارسی، ابوذر غفاری اور مقداد میں سے جس کسی سے بھی کوئی حدیث سنتے تھے تو دوسروں سے اس کی تصدیق کر لیتے تھے مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ سلیم کو اُن پر وثوق و اعتماد نہ تھا بلکہ صرف اطمینان بڑھانے کی

لہ سلیم بن قیس کی اصل عبارت یہ ہے:- اخذتھا من اھل الحق والفقہ والصدق والبرّ عن علیؑ بن ابی طالب وسلمان الفارسی وابی ذر الغفاری والمقداد بن الاسود ولیس منھا حدیث اسمعہ من احدھم الا سالت عنہ الاخر حتی اجتمعوا علیہ جمیعاً ۱۲ استقصار الافحام نقلاً عن البحار ۱۲

خاطر دوسروں سے تصدیق کراتے تھے، اور جب دوسرے تصدیق کردیتے اور اُن کو اطمینان نفس حاصل ہوجاتا تھا تو یہ کتاب میں درج کرلیا کرتے تھے۔ اس امر کی تائید کہ ان کو متذکرۂ بالا تینوں صحابیوں میں سے ہر شخص کے اوپر وثوق واعتماد تھا خود سلیم کے کلام سے بھی ہوتی ہے چنانچہ سلیم نے جب ابوذرؓ سے یہ حدیث سنی کہ جناب رسولؐ خدا نے اپنے اسنیؓ اصحاب کو حکم دیا کہ علیؑ بن ابی طالبؑ کو امیر المومنینؑ ہونے کے ساتھ سلام کریں تو کہنے لگے کہ:۔

اے ابوالحسنؑ اور تم اے سلمانؓ اور تم اے مقدادؓ وہی کہتے ہو جو ابوذرؓ نے بیان کیا ہے اُنھوں نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہے ابوذرؓ نے سچ کہا ہے اس وقت سلیم نے کہا یہ چاروں عادل ہیں (جنھوں نے اس حدیث کو بیان کیا) اگر تم میں سے ایک شخص کے علاوہ مجھ سے اور کوئی شخص اس حدیث کو بیان نہ کرتا تب بھی مجھے اُس کی سچائی میں شک نہ ہوتا مگر اب چاروں کے بیان کرنے سے میرے نفس اور بصیرت میں استحکام پیدا ہوگیا۔

منتہی المقال میں مختصر البصائرؒ سے نقل کیا ہے کہ:۔
سلیم بن قیس کی کتاب جسے ان سے ابان بن ابی عیاش نے روایت

لہ یا ابا الحسنؑ وانت یا سلمان وانت یا مقداد تقولون کما قال ابوذر۔

گیا اور حضرت امام زین العابدینؑ کے حضور میں اعیان صحابہ کی ایک جماعت
کے سامنے جس میں ابو الطفیل بھی تھے پڑھا حضرت نے اس کا اقرار فرمایا
اور ارشاد فرمایا کہ

هذہ احادیثنا صحیحۃ۔

یہ ہماری صحیح حدیثیں ہیں۔

سلیم بن قیس کی کتاب میں بعض لوگوں نے طعن بھی کی ہے مگر اس کے
متعلق ہم صرف علامہ مجلسیؒ کا ایک قول نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں جسے منتہی المقال
میں ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب سلیم بن قیس فی غایۃ الاشتہار
وقد طعن فیہ جماعۃ والحق انہ من الاصول
المعتبرہ۔

سلیم بن قیس کی کتاب بہت مشہور ہے اس میں ایک
جماعت نے طعن بھی کی ہے مگر حق یہ ہے کہ وہ اصول معتبرہ
میں ہے۔

ثابت بن دینار ابو حمزہ الثمالی

یہ امام زین العابدینؑ امام محمد باقرؑ امام جعفر صادقؑ امام موسیٰ کاظمؑ

چار اماموں کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ان سے روایت بھی کی ان
شمار خیار اصحاب میں ہے، روایت و حدیث میں ثقہ اور معتمد علیہ تھے۔

امام جعفر صادقؑ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ :-

ابو حمزہؒ اپنے زمانہ کے سلمان ہیں۔[1]

اور امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

ابو حمزہ اپنے زمانہ کے لقمان ہیں، اور یہ اس لئے کہ انھوں
نے ہم میں سے چار اماموں امام زین العابدینؑ امام محمد باقرؑ
امام جعفر صادقؑ اور امام موسی کاظمؑ کی خدمت کی ہے۔[2]

ہشام بن الحکم ناقل ہیں کہ ابو حمزۃ الثمالی نے بیان کیا کہ میری ایک
لڑکی تھی جو گر پڑی اور اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا، میں اُس تیمی کے پاس لے گیا اُس نے
لڑکی کو لیا اور ہاتھ دیکھ کر کہا کہ ٹوٹ گیا ہے پھر ہاتھ باندھنے کے لئے پٹی وغیرہ

---

[1] روی عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ابو حمزۃ فی زمانہ مثل سلمان فی زمانہ ۱۲ رجال نجاشی۔

[2] عن فضل بن شاذان ان قال سمعت الثقۃ یقول سمعت الرضاء علیہ السلام یقول ابو حمزۃ الثمالی فی زمانہ کلقمان فی زمانہ وذالک انہ خدم اربعۃ منا علی بن الحسینؑ و محمد بن علیؑ و جعفر بن محمدؑ و برھۃ من عصر موسی بن جعفرؑ صلوات اللہ علیھم ۱۲ معرفۃ اخبار الرجال۔

[3] از معرفۃ اخبار الرجال ۱۲

بنے اندر گیا میں دروازہ پر کھڑا تھا مجھے اس بچی پر ترس آیا اور رو کر خدا سے اس کی صحت کے لئے دعا کی اتنے میں تیمی پٹی لے کر باہر آگیا۔ بچی کا ہاتھ پکڑا مگر اس میں کوئی اثر نہ پایا پھر دوسرا ہاتھ دیکھا اس میں بھی کوئی اثر نہ تھا کہنے لگا بچی کو کوئی شکایت نہیں،

ابو حمزہ کا بیان ہے کہ میں نے اس واقعہ کا تذکرہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے کیا تو حضرتؑ نے ارشاد فرمایا[1] کہ

اے ابو حمزہ دعا رضا سے موافق ہو گئی اور چشم زدن سے جلد تر قبول ہو گئی۔

ابو حمزۃ الثمالی صاحب تصنیف بھی تھے، ان کے مصنفات[2] میں حسب ذیل کتابیں ہیں:۔

۱۔ کتاب تفسیر القرآن۔ ۲۔ کتاب النوادر۔ ۳۔ رسالۃ الحقوق (اس میں حضرت امام زین العابدینؑ کے مرویات ہیں۔ ۴۔ کتاب الزہد۔

ان سے عامہ نے بھی روایت کی ہے چنانچہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ اُن سے وکیع ابو نعیم اور ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

---

[1] یا اباحمزۃ وافق الدعاء الرضا فاستجیب لک فی اسرع من طرفۃ عین۔ ۱۲

[2] رجال نجاشی و فہرست طوسی۔ ۱۲

ابو حمزہ اکابر فن حدیث سے تھے۔ عبد اللہ بن المبارک[1] ایسے اشخاص ان سے استفادہ کرنے آتے اور ان سے احادیث لکھتے تھے۔ ان کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

ابان بن تغلب بن ریاح البکری

ان کی کنیت ابو سعید ہے۔ یہ امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ہر ایک امام سے روایت بھی کی، ان تمام حضرات کی نظر میں ممدوح رہے اپنے زمانہ کے بہت بڑے قاری وجوہ قرأت اور ان کے دلائل کو جاننے والے تھے اپنی قرأت جدا رکھتے تھے۔ جو قراء میں مشہور ہے۔ محمد بن موسیٰ بن مریم صاحب اللولو کہا کرتے تھے کہ میں نے ابان بن تغلب سے بڑھ کر کوئی قاری نہیں دیکھا۔

علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم لغت اور علم نحو میں تو امام زمانہ تھے ہمارے اصحاب میں بڑا مرتبہ رکھتے تھے، امام جعفر صادق علیہ السلام کی تیس ہزار حدیثیں ان کو حفظ تھیں، امام محمد باقر علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا کہ[2]

---

[1] میزان الاعتدال علامہ ذہبی ۱۲

[2] اجلس فی مسجد المدینۃ وافت الناس فانی احب ان یری فی شیعتی مثلک ۱۲ رجال نجاشی

مدینہ کی مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو فتویٰ دو میں دوست رکھتا ہوں کہ میرے شیعوں میں تم ایسے ہو۔

سلیم بن ابی حیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا، جب میں نے چلنے کا ارادہ کیا تو عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے کچھ توشہ مرحمت فرمائیے۔ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ

ابان بن تغلب کے پاس آؤ انھوں نے مجھ سے بہت سی حدیثیں سنی ہیں جو حدیث وہ بیان کریں اُسے مجھ سے روایت کرو۔[1]

ائمہ طاہرین ابان کی بہت عزت کرتے تھے، ابان کے پوتے ابان بن محمد ناقل[2] ہیں کہ میں نے اپنے باپ محمد بن ابان کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ میں اپنے پدر بزرگوار (ابان بن تغلب) کے ہمراہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا جیسے حضرتؑ نے ان کو دیکھا اُن کے لئے مسند بچھانے کا حکم دیا، حضرت نے ان سے مصافحہ فرمایا، معانقہ کیا، مزاج پرسی فرمائی، خوش آمدید فرمایا اور وہی ناقل ہیں جب ابان مدینہ کی مسجد میں آتے تھے تو ان کی تعظیم کے لئے لوگوں کے حلقے پھٹ جاتے تھے اور ان کے لئے "ستون نبیؐ"

---

[1] ائت ابان بن تغلب فانہ قد سمع منی حدیثا کثیرًا فما روی لک فاروہ عنی ۱۲ رجال نجاشی۔

[2] رجال نجاشی ۱۲۔

خالی کر دیا جاتا تھا۔

عامّہ نے بھی ان سے روایت کی ہے، امام احمد بن حنبل ابن معین اور ابو حاتم نے ان کی توثیق کی ہے۔[1]

عبد الرحمان بن الحجاج[2] کا بیان ہے کہ ہم ابان بن تغلب کی مجلس میں حاضر تھے اتنے میں ایک جوان آیا اور دریافت کیا کہ اے ابو سعید بتائیے کہ حضرت رسولؐ خدا کے اصحاب میں سے کتنے آدمی حضرتِ علیؑ کے ہمراہ رہے (اور ان کی متابعت کی) ابان نے فرمایا کہ کیا تم حضرت علیؑ کی فضیلت ان اصحاب سے پہچاننا چاہتے ہو جنھوں نے ان کا اتباع کیا، اس نے جواب دیا کہ میرا مقصد تو یہی ہے، ان نے فرمایا کہ قسم بخدا ہم صحابہ کی فضیلت صرف حضرت علیؑ کے اتباع ہی سے پہچانتے ہیں۔

ابان بن تغلب بڑے مصنف تھے، ان کی مصنفات[3] میں حسبِ ذیل کتابیں ہیں:۔

(۱) کتاب القراۃ (۲) کتاب غرائب القران۔ اس کتاب میں اشعارِ عرب سے شواہد پیش کئے گئے ہیں۔ (۳) کتاب الفضائل (۴) کتاب صفین۔ (۵) اصل۔

---

[1] رجال نجاشی

[2] رجال نجاشی

[3] از رجال نجاشی و فہرست ابن ندیم ۱۲

سب سے پہلے جس شخص نے علمِ قرأت کو مدون کیا اور اس میں تصنیف کی وہ ابان ہی ہیں۔

ذہبی وغیرہ جنھوں نے طبقات قُراء کا تذکرہ کیا ہے اُنھوں نے علمِ قرأت میں سب سے پہلی تصنیف ابو عبید القاسم بن سلام کی بتائی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ابو عبید کی وفات ۲۲۴ھ میں ہوئی ہے اور ابان کی وفات ۱۴۱ھ میں ابو عبید سے ۸۳ سال قبل واقع ہوئی ہے، لہٰذا علمِ قرأت میں اولیت کا سہرا ابان ہی کے سر رہتا ہے۔ غریب القرآن میں بھی پہلی تصنیف ابان ہی کی ہے ان کی اس تصنیف کا تذکرہ علمائے شیعہ کے علاوہ یاقوت حموی نے "معجم الادبار" میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں کیا ہے۔

علامہ سیوطی کا کتاب الاوائل میں "غریب القرآن کا پہلا مصنف ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ کو بتانا جبکہ ان کی وفات ۲۰۹ھ یا ۲۰۸ھ یا ۲۱۰ھ یا ۲۱۱ھ میں ہوئی ہے درست نہیں اس لئے کہ ابان کی وفات ۱۴۱ھ میں ہے اور وہ ابو عبیدہ سے مقدم ہیں۔

ابان بن تغلب نے معانی قرآن میں بھی سب سے پہلے تصنیف کی ہے۔

ابان بن تغلب نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی حیات میں ۱۴۱ھ میں انتقال فرمایا جب حضرت کو خبر انتقال معلوم ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ :۔ [1]

---

[1] واللہ لقد اوجع قلبی موت ابان ۔ نجاشی

قسم بخدا ابان کی موت نے میرے قلب کو دردناک کر دیا۔

جَابر بن یزید الجعفی

ان کا شمار تابعین میں ہے، حضرت امام محمدؑ باقر اور حضرت جعفر صادقؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

جابر ناقل[1] ہیں کہ میں اَیّامِ شباب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؑ نے دریافت فرمایا تم کون ہو میں نے عرض کی کہ اہل کوفہ سے ہوں۔ حضرتؑ نے دریافت فرمایا کہ کس گروہ سے ہو، میں نے عرض کیا کہ جعفی سے، حضرتؑ نے دریافت فرمایا کہ مدینہ کس غرض سے آئے میں نے عرض کیا کہ طلبِ علم کے لئے۔

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ کس سے طلبِ علم کرو گے، میں نے عرض کیا کہ حضور سے، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی تم سے دریافت کرے کہ کہاں کے ہو تو مدینہ[2] کا بتانا، میں نے عرض کیا کہ اور مسائل دریافت کرنے سے قبل

---

[1] از معرفۃ اخبار الرجال کشی۔ ۱۲

[2] حضرتؑ کی اس احتیاط سے اہل مدینہ کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے اس لئے کہ کوفی ہونے میں اندیشہ تھا کہ اہل مدینہ شیعہ سمجھ کر اُسے اذیت پہنچائیں گے اور مدنی ہونے میں اندیشہ نہ تھا اسی لئے حضرتؑ نے جابر کو توریہ کی یہ صورت بتائی تاکہ اہل مدینہ کی ایذا رسانی سے محفوظ رہیں ۱۲

ہیں حضور سے یہی سوال کرتا ہوں کہ کیا میرے لئے جھوٹ بولنا حلال اور جائز ہے، حضرتؑ نے فرمایا کہ یہ جھوٹ نہیں ہے اس لئے کہ جو شخص جب تک جس شہر میں ہے وہ وہاں ہی کا ہے یہاں تک کہ وہاں سے چلا جائے۔

جابر کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرتؑ نے مجھے ایک کتاب مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جب تک بنی امیہؓ باقی ہیں اگر اس کتاب سے کوئی حدیث بیان کی تو تم پر میری اور میرے آبائے طاہرین کی لعنت ہوگی، اور اگر بنی امیہ کے ہلاک ہو جانے کے بعد اس کتاب کی کوئی حدیث پوشیدہ کی تب بھی تم پر میری اور میرے آبائے طاہرین کی لعنت ہوگی، اس کے بعد مجھے ایک اور کتاب مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب لو اگر اس کی کوئی حدیث کبھی بیان کی تو تم پر میری اور میرے آبائے طاہرینؑ کی لعنت ہوگی۔

جابر کہا کرتے تھے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے مجھ سے ستر ہزار احادیث بیان فرمائی ہیں جنھیں میں نے نہ کسی سے بیان کیا نہ کبھی بیان کروں گا۔

ایک روز جابر نے حضرت امام محمدؑ باقر کی خدمت میں عرض کیا کہ حضورؑ نے اپنی احادیث کے اسرار کا جسے میں کسی سے بیان نہیں کر سکتا بارِ عظیم مجھ پر لاد دیا ہے، کبھی یہ اسرار میرے سینہ میں جوش مارتے ہیں اور جنون کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمھاری ایسی حالت ہوا کرے تو پہاڑوں کی طرف نکل جایا کرو اور وہاں جا کر ایک گڑھا کھودو اور اس میں اپنا سر ڈال کر کہو حدثنی محمد بن علی بکذا وکذا امام محمدؑ باقر کا زمانہ

اگرچہ نسبتاً پرامن گذرا ہے تاہم خوف و تقیہ کی یہ حالت تھی کہ حضرت جابرؓ کو احادیث بیان کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور انھیں حکم دیدیا تھا کہ اگر ضبط نہ کر سکو تو پہاڑوں میں جا کر گڑھا کھود لو اور اس میں سر داخل کر کے میری احادیث بیان کر دو تاکہ کوئی سن نہ سکے چنانچہ جابر حضرتؑ کی ہدایت کے بموجب ان احادیث کو پوشیدہ رکھتے تھے، اور جب ولید جو فراعنہ بنی امیہ میں تھا مر گیا اور انھوں نے فرصت کو غنیمت سمجھا تو حضرت کی احادیث بیان کیں،

عبدالحمید بن ابی العلا ناقل ہیں کہ جب ولید کے قتل ہو جانے کے بعد میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ لوگوں کا مجمع ہے، میں بھی ان کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جابر الجعفی سر پر خز کا سرخ رنگ کا عمامہ رکھے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

حدثنی وصی الاوصیا ووارث علم الانبیاء

محمد بن علی علیہما السلام۔

اور حضرت کی احادیث بیان کر رہے ہیں، راوی کا بیان ہے کہ لوگ کہنے لگے کہ جابر مجنون ہو گئے۔

زیاد بن ابو الحلال ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ جابر الجعفی کی احادیث کے متعلق ہمارے اصحاب میں اختلاف ہوا میں نے کہا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کروں گا، جب حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دریافت کرنے سے پہلے ہی حضرتؑ نے ارشاد فرمایا[1]

---

[1] رحم اللہ جابر الجعفی کان یصدق علینا لعن اللہ المغیرۃ بن سعید کان یکذب علینا ۱۲ کشی

خدا جابر الجعفی پر رحمت نازل کرے وہ ہماری احادیث صحیح بیان کرتے تھے اور خدا مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے وہ ہم پر جھوٹ بولا کرتا تھا۔

عمرو بن شمر بیان کرتے ہیں کہ ایک قوم جابر الجعفی کے پاس آئی اور ان سے سوال کیا کہ مسجد بنانے میں ہماری مدد کیجئے، جابر نے جواب دیا کہ میں اس چیز کے بنانے میں امداد نہ کروں گا جس سے مرد مومن گر کر مرجائے، پس وہ لوگ ان کے پاس سے چلے گئے انھیں بخیل بتاتے تھے اور ان کی تکذیب کرتے تھے، پس دوسرے روز جب انھوں نے چندہ پورا کیا تو مسجد بنانا شروع کی، عصر کے وقت کاریگر کے قدم میں لغزش ہوئی اور وہ مرگیا۔

جابر الجعفی بھی مصنفین میں ہیں اُن کے مصنفات میں حسب ذیل کتابیں ہیں :-

(۱) کتاب التفسیر۔ (۲) کتاب النوادر۔ (۳) کتاب الفضائل۔ (۴) الجمل۔ (۵) کتاب صفین۔ (۶) کتاب النہروان۔ (۷) کتاب مقتل امیرالمومنین علیہ السلام۔ (۸) کتاب مقتل الحسین علیہ السلام۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے جو رسالہ اہل بصرہ کو لکھا تھا وہ نیز اور

ے معرفۃ اخبار الرجال ۱۲۰

احادیث اور کتابوں کی تصنیف بھی جابر کی طرف منسوب کی جاتی ہے مگر وہ موضوع ہے۔[1]

فہرست طوسی میں ان کی ایک "اصل"[2] بھی بتائی ہے۔ جابر کی وفات ۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ میں واقع ہوئی۔

جابر سے عامہ نے بھی روایت کی ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُن کے متعلق لکھا ہے[3] کہ وہ علماء شیعہ سے ایک عالم تھے اور ان سے شعبہ، ابوعوانہ اور ایک جماعت نے روایت کی ابن مہدی نے سفیان سے نقل کیا ہے[4] کہ

> جابر الجعفی حدیث میں محتاط تھے اور میں نے حدیث میں ان سے زیادہ محتاط نہیں دیکھا۔

یحییٰ بن بکیر نے شعبہ سے نقل کیا ہے[5] کہ جابر جب کسی حدیث کو حدثنا

---

[1] رجال نجاشی ۱۲ [2] غالباً یہ کتاب النوادر ہوگی جس کا ہم نے فہرست کتب میں ذکر کیا ہے۔ ۱۲ [3] جابر بن یزید بن الحرث الجعفی الکوفی احد علماء الشیعہ (ثم قال) وعنہ شعبہ وابوعوانہ وعدۃ ۱۲ میزان الاعتدال [4] قال ابن مہدی عن سفیان کان جابر الجعفی ورعا فی الحدیث ما رایت اورع منہ فی الحدیث ۱۲ میزان الاعتدال۔

[5] قال یحییٰ بن ابی بکیر عن شعبہ کان جابر اذا قال انا وحدثنا وسمعت فھو من اوثق الناس ۱۲ میزان الاعتدال

وسمعت کہ کر بیان کریں تو وہ اوثق الناس ہیں،

فضیل بن یسار النہدی البصری

ان کی کنیت ابو القاسم یا ابو مسّور تھی، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب اور راویوں میں تھے، امام جعفر صادقؑ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا[1] ہے کہ:۔

فضیل میرے پدر بزرگوار (امام محمد باقرؑ) کے اصحاب میں ہیں اور میں اُس شخص کو دوست رکھتا ہوں جو اپنے باپ کے اصحاب کو دوست رکھے۔

یہ ثقہ اور جلیل القدر تھے، جناب امام جعفر صادقؑ نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت بھی دی ہے حضرت جب ان کو دیکھتے تھے تو ارشاد[2] فرماتے تھے کہ:

تضرع وزاری کرنے والوں کو خوشخبری دو جو شخص جنتی کو دیکھنا چاہے وہ اس شخص (فضیل) کو دیکھ لے۔

ان کا شمار پہلے طبقہ کے نقہا میں ہے۔ ایک کتاب[3] ان کے مصنفات

---

[1] ان فضیلاً من اصحاب ابی وانی لاحب الرجل ان یحب اصحاب ابیہ

[2] بشر المخبتین من احب ان ینظر رجلاً من اھل الجنۃ فلینظر الی ھذا

معرفۃ اخبار الرجال [3] رجال نجاشی ۱۲

میں بھی ہے اور ان کی وفات[1] امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں ہوئی۔

ربعی بن عبد اللہ ناقل ہیں کہ مجھ سے اُس شخص نے بیان کیا جس نے فضیل بن یسار کو غسل دیا تھا کہ میں فضیل کو غسل دے رہا تھا مجھ سے بغیر اُن کا ہاتھ شرمگاہ پر پہنچ گیا میں نے یہ واقعہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا تو حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ[2]

خدا فضیل بن یسار پر رحمت نازل کرے وہ ہم اہلبیتؑ سے ہے

لیث بن البختری المرادی

ان کی کنیت ابو محمد ابو بصیر تھی، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے راوی تھے ان کا شمار پہلے طبقہ کے فقہاء میں ہے، نہایت ثقہ اور جلیل القدر تھے، شعیب العقرقوفی[3] سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ بسا اوقات ہمیں کسی شئے کے متعلق دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کس سے دریافت کریں حضرت

---

[1] رجال نجاشی ۱۲ [2] رحم اللہ الفضیل بن یسار و ھو منا اھل البیت ۱۲ معرفۃ اخبار الرجال [3] عن ابی عمیر عن شعیب العقرقوفی قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام ربما احتجنا ان نسأل عن الشیٔ فمن نسأل قال علیک بالاسدی یعنی ابا بصیر ۱۲ معرفۃ اخبار الرجال

نے ارشاد فرمایا آسدی (یعنی ابوبصیر) اے۔

جن[1] لوگوں کو جناب امام جعفر صادقؑ نے جنت کی بشارت دی ہے اور ان کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ خدا کے حلال و حرام پر امین ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو آثار نبوت منقطع و ناپائید ہوتے ان میں ابوبصیر بھی ہیں۔

رجال نجاشی اور فہرست طوسی میں ان کے مصنفات میں ایک کتاب ہے۔

محمد بن مسلم بن رباح الطائفی الثقفی

ان کی کنیت ابوجعفر ہے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب اور راویوں میں ہیں، ان کا شمار پہلے طبقہ کے فقہا میں ہے بڑے متقی و پرہیزگار اور اوثق الناس[2] تھے

محمد[3] بن مسلم نے چار سال مدینہ میں قیام کیا حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا کرتے تھے ان کے بعد امام جعفر صادقؑ

---

[1] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲ [2] رجال نجاشی ۱۲ [3] عن محمد بن مسلم قال ما شجر فی رائی قط الا سالت عنہ ابا جعفر علیہ السلام حتی سالتہ عن ثلاثین الف حدیث و سالت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن ستۃ عشر الف حدیث ۱۲ معرفۃ اخبار الرجال۔

کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا کرتے تھے۔

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں کسی شئے نے خطور ہی نہیں کیا مگر یہ کہ میں نے اس کے متعلق حضرت امام محمد باقرؑ سے دریافت کر لیا یہاں تک کہ میں نے حضرتؑ سے تیس ہزار احادیث کا سوال کیا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سولہ ہزار احادیث کا۔

گویا انھوں نے دونوں اماموں سے چھیالیس ہزار احادیث دریافت کیں جن کے یہ خزینہ دار تھے۔

عبد اللہ بن ابی یعفور[1] کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ ہم ہر وقت حضور کی خدمت میں نہیں پہنچ سکتے، ایک شخص ہمارے اصحاب میں سے آکر ہم سے سوال کرتا ہے اور ہمارے پاس اس کا جواب نہیں ہوتا۔ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ محمد بن مسلم سے کیوں نہیں دریافت کر لیتے انھوں نے دینی مسائل کو میرے پدر بزرگوار (امام محمد باقرؑ) سے سنا ہے اور وہ حضرتؑ کے نزدیک وجیہ تھے۔

---

[1] عن عبد اللہ بن ابی یعفور قال قلت لابی عبد اللہؑ انہ لیس کل ساعۃ القاک و یمکن القدوم و یجیئ الرجل من اصحابنا فیسألنی ولیس عندی کلما یسألنی عنہ قال فما یمنعک من محمد بن مسلم الثقفی فانہ سمع ابی وکان عندہ وجیھاً
معرفۃ اخبار الرجال

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے[1]:۔

جو لوگ خدا کے لئے خضوع و خشوع کرتے ہیں ان کے لئے جنت کی بشارت ہو وہ برید بن معاویۃ البجلی، ابو بصیر لیث بن البختری المرادی، محمد بن مسلم اور زرارہ ہیں۔ یہ چاروں نجیب حلال و حرام خدا پر امین ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو آثار نبوت منقطع و ناپید ہو جاتے۔

محمد بن مسلم کی شان میں بہت سی روایتیں ان کو احکام الہیہ، احادیث پر بہت زیادہ اطلاع تھی اور فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن الحجاج اور حماد بن عثمان کہا کرتے تھے کہ:۔

ماکان احد من الشیعۃ افقہ من محمد بن مسلم (کشی)

شیعوں میں محمد بن مسلم سے فقیہ تر کوئی شخص نہیں ہے۔

امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ بھی ان کی بہت قدر کرتے تھے۔

---

[1] عن جمیل بن دراج قال سمعت اباعبداللہ یقول بشر المخبتین بالجنۃ برید بن معاویۃ العجلی و ابو بصیر لیث بن البختری المرادی و محمد بن مسلم و زرارۃ اربعۃ نجباء امناء اللہ علیٰ حلالہ و حرامہ لولا ھؤلاء انقطعت آثار النبوۃ واندرست ۱۲ معرفۃ اخبار الرجال

ابو کہمش[1] ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ محمد بن مسلم الثقفی نے ابن ابی لیلیٰ کے سامنے شہادت دی تو اس نے اُن کی شہادت کو رد کر دیا۔ میں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کوفہ جاؤ تو ابن ابی لیلیٰ کے پاس بھی جانا اور اس سے کہنا کہ میں تم سے تین مسئلے دریافت کرتا ہوں جس کا جواب قیاس سے نہ دو اور نہ یہ کہو کہ اس میں ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں پھر اس سے یہ سوال کرو۔

۱۔ جو شخص نماز فریضہ کی پہلی دو رکعتوں میں شک کرے اس کا کیا حکم ہے۔

۲۔ جس شخص کے جسم یا کپڑے کو پیشاب لگ جائے وہ کس طرح دھوئے۔

۳۔ جو شخص کہ حج میں سات سنگریزے مارتا ہے اگر ایک کم ہو جائے تو کیا کرے۔

اور جب وہ ان مسائل کا جواب نہ دے سکے تو اس سے کہنا کہ تم سے جعفر بن محمد نے کہا ہے کہ تم نے اس شخص کی شہادت کو کیوں رد کیا جو احکام خدا تم سے زیادہ پہچانتا اور سیرت رسولؐ کو تم سے زیادہ جانتا ہے۔

ابو کہمش کا بیان ہے کہ جب میں کوفہ آیا تو حضرت کے حکم کے بموجب

---

[1] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲

اپنے مکان پر جانے سے بیشتر ابن ابی لیلےٰ کے پاس آیا اور اُن سے کہا کہ میں آپ سے تین مسئلے پوچھتا ہوں مگر قیاس سے فتویٰ نہ دیجئے گا اور نہ یہ کہئے گا کہ ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں اُنھوں نے کہا کہ بیان کرو، میں نے اس شخص کے بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں جس نے نماز فریضہ کی پہلی دو رکعتوں میں شک کیا ہو ابن ابی لیلےٰ تھوڑی دیر سر جھکائے رہا پھر سر اُٹھا کے کہا کہ ہمارے اصحاب نے یہ بیان کیا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ پہلے ہی شرط ہو چکی ہے کہ آپ یہ نہ کہئے گا کہ ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے، انھوں نے جواب دیا کہ پھر میں نہیں جانتا۔

پھر میں نے کہا کہ جس شخص کے جسم یا کپڑے پر پیشاب لگ جائے وہ کس طرح دھوئے وہ یہ سُن کر تھوڑی دیر سر جھکائے رہا پھر سر اٹھا کر کہا کہ ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے۔ میں نے کہا یہ پہلے ہی شرط ہو چکی ہے کہ ایسا نہ کہئے گا، اس نے کہا کہ پھر میں نہیں جانتا۔

پھر میں نے کہا کہ جس شخص نے حج میں سات سنگریزے مارے مگر ایک سنگریزہ گر پڑا تو کیا کرے، اس نے سر جھکایا اور تھوڑی دیر بعد سر اُٹھا کر کہا کہ ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے میں نے کہا کہ یہ شرط تو پہلے ہی ہو چکی ہے کہ ایسا نہ فرمائیے گا اُنھوں نے کہا کہ پھر میں نہیں جانتا۔

جب وہ جواب سے عاجز ہو گئے اور ناواقفیت کا اقرار کر لیا تو میں نے کہا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے آپ سے ارشاد فرمایا ہے کہ تم نے اس شخص کی شہادت کو کیوں رد کر دیا جو احکام خدا اور سنت رسولؐ خدا

کو تم سے زیادہ پہچانتا ہے، ابن ابی لیلےٰ نے مجھ سے پوچھا وہ کون ہے کیا تم سے یہ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا ہے، میں نے کہا کہ قسم بخدا انھوں نے ہی فرمایا ہے اس کے بعد ابن ابی لیلےٰ نے کسی کو بھیج کر محمد بن مسلم کو بلایا، اور انھوں نے پھر اس کے سامنے شہادت دی، اور ابن لیلےٰ نے اسے نافذ کیا۔

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شب مکان کی چھت پر سو رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے دریافت کیا کہ کون ہے اُس نے جواب دیا کہ شریک، خدا آپ پر رحمت نازل کرے۔

میں نے اوپر سے جھانکا تو دیکھا کہ عورت ہے اس نے مجھ سے کہا کہ میری لڑکی جو نوعروس ہے حاملہ تھی اُسے دردِ زہ ہوا جس کی تکلیف سے اس کا انتقال ہو گیا بچہ اس کے پیٹ میں حرکت کرتا ہے جاتا ہے اور آتا ہے، مجھے کیا کرنا چاہیئے میں نے کہا کہ اے کنیزِ خدا ایسا ہی سوال حضرتِ امام محمد باقر علیہ السلام سے کیا گیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میّت کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لیا جائے، اے کنیزِ خدا تم بھی ایسا ہی کرو۔

پھر میں نے کہا کہ اے کنیزِ خدا میں گوشہ نشین اور پوشیدہ طور سے زندگی بسر کرتا ہوں تمھیں میرا پتہ کس نے بتایا، اُس نے کہا کہ میں یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے ابو حنیفہ کے پاس گئی تھی (جو رائے اور قیاس سے حکم دیتے

ہیں) اُنھوں نے کہا کہ مسئلہ کے جواب میں میرے پاس کچھ نہیں ہے تم محمد بن مسلم الثقفی کے پاس جاؤ وہ تمھیں اس مسئلہ کا حکم بتا دیں گے اور وہ اس مسئلہ میں جو فتویٰ دیں اُسے پلٹ کر مجھ سے بیان کر دینا۔

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے اُسے تو رخصت کیا اور جب صبح ہوئی تو مسجد کی طرف گیا وہاں دیکھا کہ ابو حنیفہ اپنے اصحاب سے یہی مسئلہ پوچھ رہے ہیں میں کھنکھارا اُس نے کہا

اللھمّ اغفرها دعنا نعیش

ابو النصر ناقل ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن محمد بن خالد سے محمد بن مسلم کے متعلق سوال کیا تو وہ کہنے لگے کہ محمد بن مسلم شریف اور مالدار تھے، ایک مرتبہ امام محمد باقرؑ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ اے محمد تواضع و فروتنی اختیار کرو۔ پس جب وہ کوفہ گئے تو کھجوروں کی زنبیل لے کر جامع مسجد کے دروازہ پر جا کر بیٹھے اور آواز لگانا شروع کر دی، پس ان کی قوم کے لوگ آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے ہمیں رسوا کیا، اُنھوں نے جواب دیا کہ مجھے میرے مولا نے ایسا ہی حکم دیا ہے جس کی میں مخالفت نہیں کر سکتا اور اس زنبیل میں جتنی کھجوریں ہیں جب تک اُن کو فروخت نہ کر لوں گا یہاں سے نہ جاؤں گا، ان کی قوم نے کہا کہ جب آپ خرید و فروخت کو معیوب نہیں سمجھتے تو آٹا پیسنے والوں میں جا کر بیٹھو، پس انھوں نے ایک چکی اور اونٹ مہیا کیا اور آٹا پیسنے لگے۔

محمد بن مسلم عُبّاد زمانہ[1] میں شمار کئے جاتے ہیں۔

محمد بن مسلم بیان[2] کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مدینہ گیا اور بہت بیمار تھا امام محمد باقرؑ سے میرا حال بیان کیا گیا تو حضرتؑ نے غلام کے ہاتھ رومال سے ڈھکا ہوا شربت بھیجا، غلام نے مجھے وہ دیا اور کہا کہ اسے پی لو اس لئے کہ حضرت نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک پی نہ لو گے میں واپس نہ ہوں،

جب میں نے اُسے لیا تو اس سے مُشک کی خوشبو آئی، اور وہ نہایت خوش ذائقہ اور سرد تھا، جب میں نے پی لیا تو غلام نے کہا کہ حضرت نے تم سے فرمایا ہے کہ جب اسے پی لو تو میرے پاس چلے آنا۔ میں حضرتؑ کے ارشاد میں غور کرنے لگا اس لئے کہ اس سے قبل مجھ میں اٹھنے بیٹھنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ جب وہ شربت میرے پیٹ میں گیا تو مجھ میں ایسا نشاط پیدا ہوا کہ گویا پاؤں کی بندش کھُل گئی۔ میں حضرتؑ کے دروازہ پر حاضر ہو کر طالبِ اذن ہوا، حضرت نے آواز دی کہ تم اچھے ہو گئے آجاؤ آجاؤ میں گریہ کرتا ہوا داخلِ بیت الشرف ہوا، سلام کیا ہاتھوں اور سرِ مبارک کو بوسہ دیا، حضرت نے گریہ کا سبب دریافت فرمایا میں نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان اپنی مسافرت و غربت مشقت و دوری راہ اور اس جگہ قیام کرنے اور آپ کی زیارت سے مشرف

---

[1] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲ [2] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲

ہونے کی کم قدرت ہونے پر کس طرح نہ روؤں، حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ یہاں قیام کی قدرت کا کم ہونا، تو خدا نے ہمارے دوستوں کے لئے ایسا ہی قرار دیا ہے اور ان کا اس سے امتحان لیا ہے اور امر مسافرت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی تاٗسی کرو کہ وہ زمین کربلا میں ساحلِ فرات پر وطن سے دور رہے اور بعد و شقت کے متعلق یہ ہے کہ دنیا میں ہر مومن غریب ہے تا اینکہ جوار رحمتِ الٰہی میں پہنچ جائے اور ہم سے قریب رہنے اور ہمیں دیکھنے کو دوست رکھتا ہو اور اس پر قادر نہ ہوتا ہو تو خداوند عالم دلوں کی حالت سے واقف ہے اور اسی پر جزا دیتا ہے۔

رجال نجاشی میں اُن کے مصنفات میں "کتاب اربعماۃ مسئلہ" کا تذکرہ کیا ہے جو ابواب حلال و حرام میں ہے اور فہرست طوسی میں بھی ہے ولہ کتاب یعنی ان کی تصنیف سے ایک کتاب ہے محمد بن مسلم کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی اُن کی عمر ستر برس کی ہوئی۔

زرارہ بن اعین الشیبانی الکوفی

ان کا نام "عبد ربہ" کنیت ابوالحسن اور ابو علی لقب زرارہ تھا، امام باقر علیہ السلام، امام جعفر صادق علیہ السلام کے راویوں میں اور بڑے صادق اللہجہ تھے، یہ بڑے قاری، فقیہ، متکلم، شاعر، ادیب تھے، مناظرہ میں کمال رکھتے تھے کوئی شخص ان سے مقابلہ کے لیے نہ آتا تھا، زیادہ اوقات عبادت میں گذرتے تھے اس لئے علم کلام میں زیادہ

اشتغال نہ کر سکے۔

زرارہ[1] بڑے خوبصورت، جسیم، اور حسین تھے جب جمعہ کے لئے جاتے تھے تو سر پر سیاہ برنس ہاتھ میں عصا ہوتی تھی، لوگ ان کی تعظیم کے لئے دو رویہ ساکت وصامت کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے حسن و جمال کے نظارہ میں محو ہوتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان سے ارشاد[2] فرمایا کہ

زرارہ تمھارا نام اہل جنت کے ناموں میں بغیر الف کے ہے۔

زرارہ نے عرض کیا کہ ہاں قربانت شوم میرا نام عبد ربہ ہے مگر میں زرارہ کے ساتھ ملقب ہوں۔

ابن ابی عمیر[3] ناقل ہیں کہ میں نے جمیل بن دراج سے عرض کیا کہ آپ کی مجلس کس قدر اچھی اور مزین ہے انھوں نے فرمایا:۔

قسم بخدا ہم زرارہ بن اعین کے گرد بالکل اسی طرح تھے جیسے پڑھنے والے بچے معلم کے گرد ہوتے ہیں۔

---

[1] منتہی المقال نقلاً عن رسالۃ ابی غالب ۱۲

[2] یا زرارۃ ان اسمک فی اسامی اھل الجنۃ بغیر الف ۱۲ معرفۃ اخبار الرجال۔ [3] رحم اللہ زرارۃ بن اعین لولا زرارۃ ونظرائہ لاندرست احادیث ابی ۱۲ معرفۃ اخبار الرجال

ابراہیم بن عبدالحمید وغیرہ ناقل ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا کہ:-

خدا زرارہ بن اعین پر رحم فرمائے اگر زرارہ اور اُن کے امثال نہ ہوتے تو میرے باپ کی احادیث ناپید ہو جاتیں۔

سلیمان بن خالد الاقطع ناقل ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:-

میں نے کسی کو نہیں پایا کہ جس نے ہمارے تذکرہ کو ہمارے پدر بزرگوار کی احادیث کو زندہ رکھا ہو سوائے زرارہ۔ ابو بصیر لیث المرادی، محمد بن مسلم اور برید بن معاویہ العجلی کے اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو پھر کوئی نہ تھا۔ یہ لوگ دین کے محافظین اور میرے باپ کے امین ہیں۔ حلال و حرام الٰہی پر اور یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا و آخرت میں ہماری طرف سبقت

لہ عن سلیمان بن خالد الاقطع قال سمعت اباعبد اللہ یقول ما اجد احداً احیا ذکرنا و احادیث ابی الا زرارہ و ابو بصیر لیث المرادی و محمد بن مسلم و برید بن معاویہ العجلی ولولا ھولاء ما کان احد یستنبط ھذا ھولاء حفاظ الدین و امناء ابی علی حلال اللہ و حرامہ و ھم السابقون الینا فی الدنیا والسابقون الینا فی الآخرۃ ۱۲

معرفۃ اخبار الرجال

کر کے بڑھنے والے ہیں۔

فہرست طوسی میں ان کی مصنفات کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے "کتاب الاستطاعۃ والجبر والعہود" ہے۔

رجال نجاشی میں بھی "کتاب الاستطاعۃ والجبر" کو ان کی تصنیف بتایا گیا ہے۔

زرارہ نے ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا، ان کی عمر نوّے برس کی ہوئی۔

بُرَید بن معاویہ البجلی

ان کی کنیت ابوالقاسم تھی امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے راوی ہیں، دونوں کی نظر میں ممدوح و باعزت تھے، امام جعفر صادقؑ نے جن اصحاب کو جنت کی بشارت دی تھی اور ان کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ حلال و حرام خدا پر اس کے امین ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو آثار نبوت منقطع و ناپید ہو جاتے اُن میں بُرَید بھی ہیں۔ ان کا شمار پہلے طبقہ کے فقہاء میں ہے، حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے۔ ان کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا۔

محمّد بن قیس البجلی الکوفی

ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی، یہ حضرت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے راوی تھے، ان کی مصنفات میں دو کتابوں کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ کتاب قضایا امیرالمومنینؑ - ۲۔ اصل

ابراہیم بن عمر الیمانی الصنعانی

یہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے راوی اور ثقہ تھے۔ ان کی ایک اصل تھی۔

وہب بن عبدربہ بن ابی میمونہ بن یسار الاسدی

یہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے راوی اور ثقہ تھے، ان کی بھی حدیث میں ایک کتاب تھی جو اصل[1] سمجھی جاتی ہے۔

ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ مدنی

یہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے راوی اور ثقہ تھے۔

عامہ میں سے بعض ثقات[2] کا بیان ہے کہ واقدی کی تمام کتابیں اصل میں ابراہیم بن محمد کی ہیں واقدی نے اُن کو نقل کرلیا اور دعویٰ کیا کہ یہ میرے مصنفات ہیں مگر ان کتابوں کا انتساب کہیں ابراہیم کی طرف نہیں ہے، ابراہیم کے مصنفات میں ایک کتاب[3] ہے جس میں حلال و حرام

---

[1] فہرست طوسی ۱۲

[2] رجال نجاشی و فہرست طوسی ۱۲

[3] رجال نجاشی فہرست طوسی ۱۲

کے متعلق ابواب ہیں اس میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی مرویات ہیں۔

ابراہیم بن ابی البلاد

یہ امام محمد باقرؑ کے اور امام جعفر صادقؑ کے اور بروایتے امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ اور امام رضاؑ کے راوی تھے یہ بہت دنوں زندہ رہے قاری ادیب اور ثقہ تھے، ان کو امام رضاؑ نے ایک تحریر بھیجی تھی جس میں ان کی تعریف کی تھی حدیث میں ان کی ایک کتاب بھی تھی جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

عبیداللہ بن علی بن ابی شعبہ الحلبی

یہ اصل میں کوفہ کے رہنے والے تھے یہ خود اور اُن کے باپ بھائی حلب میں تجارت کرتے تھے اس لئے حلبی مشہور ہو گئے یہ سب کے سب ثقہ تھے، عبیداللہ کے دادا ابو شعبہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے راوی تھے۔

عبیداللہ کے مصنفات میں ایک کتاب تھی جس پر عمل کیا جاتا تھا، عبیداللہ نے اپنی کتاب تصنیف کر کے امام جعفر صادقؑ کے حضور میں پیش کی، حضرتؑ نے اس کی تصحیح فرمائی اُسے پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا:-

لیس ھٰولاء مثلہ ان لوگوں (مخالفین) میں اس کے

لہ فہرست طوسی ۱۲

شل نہیں۔

داؤد بن زربی الخندقی

یہ امام جعفر صادق ؑ کے راوی ہیں، رجال کشی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلیم الاعتقاد تھے، ان کو ہارون الرشید سے بہت کچھ اختصاص تھا۔

داؤد الرقی بیان[1] کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادق ؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ وضو میں ہاتھ منھ کتنی مرتبہ دھونے چاہییں، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ تو خداوند عالم نے واجب کیا ہے اور ایک مرتبہ دھونا آنحضرت ؐ نے بڑھایا ہے (یعنی ایک مرتبہ دھونا واجب ہے اور دوسری مرتبہ سنّت) اور جو اعضاء وضو کو تین مرتبہ دھوئے تو (وضو صحیح نہ ہوگا اور) نماز باطل ہوگی۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں داؤد بن زربی آئے اور گوشہ میں بیٹھ گئے اور جو سوال میں نے کیا تھا وہی انھوں نے بھی کیا۔ حضرت ؑ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اعضاء وضو کو تین مرتبہ دھوئے جو شخص تین مرتبہ سے کم دھوئے گا اُس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

داؤد الرقی بیان کرتے ہیں کہ یہ سن کر میرے جوڑ بند کانپنے لگے قریب تھا کہ شیطان کا مجھ پر غلبہ ہو جائے، میرا رنگ متغیر ہو گیا، حضرت ؑ نے ارشاد

---

[1] معرفۃ الاخبار الرجال ۱۲

فرمایا کہ اے داؤد چپ رہو یہ کفر گردن زدنی ہے وہ کہتے ہیں کہ بعد از اسلام حضرتؑ کے پاس سے اُٹھ آئے۔

داؤد بن زربی، ابو جعفر المنصور کے باغ کے قریب رہتے تھے کسی نے منصور سے شکایت کردی تھی کہ داؤد بن زربی رافضی ہے، امام جعفر صادقؑ کے پاس آتا جاتا ہے، منصور نے کہا کہ مجھے ان کے وضو کا طریقہ معلوم ہے، اگر ابن زربی نے امام جعفر صادقؑ کے طریقہ پر وضو کیا تو میں اس کو قتل کردوں گا، ابو جعفر المنصور اس تاک میں تھا کہ ابن زربی کا وضو دیکھے۔ ابن زربی وضو کے لئے آمادہ تھا اُسے پتہ بھی نہ تھا کہ منصور نگراں ہے مگر چونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام حکم دے چکے تھے اس لئے اُس نے اعضاء وضو کو تین مرتبہ دھویا جب وضو کر چکا تو منصور کا آدمی آیا اور انھیں بُلا لے گیا۔

داؤد بن زربی کہتے ہیں کہ جب میں منصور کے پاس پہنچا تو اُس نے خوش آمدید کہا اور کہا کہ اے داؤد مجھ سے شکایت کی گئی تھی جو باطل نکلی اور تم ایسے نہیں ہو، میں نے تمہارے وضو کو دیکھا تو وہ رافضیوں کا وضو نہ تھا تم مجھے بحل کردو (کہ میں نے تمہارے متعلق بُرا خیال قائم کیا) پھر اسے ایک لاکھ درہم عطا کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔

داؤد الرقی بیان کرتے ہیں کہ میں اور داؤد بن زربی حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ابن زربی نے عرض کیا کہ خدا مجھے حضور پر قربان کرے حضورؑ نے ہمارے خون کو دنیا میں محفوظ رکھا (اور ہمیں قتل ہونے سے بچایا) ہمیں امید ہے کہ حضور کی برکت سے جنت میں

بھی داخل ہو جائیں گے، حضرتِ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا کہ خدا تمہارے اور تمہارے برادران ایمانی کے ساتھ ایسا ہی کرے گا، پھر حضرتؑ نے داؤد بن زربی سے ارشاد فرمایا کہ داؤد الرقی سے اپنا تمام ماجرا بیان کر دو تاکہ ان کے قلب میں سکون ہو، ابن زربی نے تمام قصہ داؤد الرقی سے بیان کیا پھر حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ یہ فتویٰ اس لئے دیا تھا کہ یہ اُس دشمن خدا کے ہاتھوں قریب بقتل پہنچ چکا تھا، پھر حضرت نے ارشاد فرمایا اے داؤد بن زربی اعضاء وضو کو دُو دفعہ دھویا کرو نہ زیادہ، اگر دُو مرتبہ سے زیادہ دھو گے تو نماز باطل ہو جائے گی۔

داؤد بن زربی کے مصنفات میں ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

ابراہیم بن عبد الحمید الاسدی

یہ امام جعفر صادقؑ کے راوی اور ثقہ تھے ان کے مصنفات میں یہ دو کتابیں ہیں۔

۱۔ کتاب النوادر۔ ۲۔ اصل

اسحاق بن جریر بن یزید بن عبد اللہ البجلی

یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے راوی اور ثقہ تھے۔ حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

حفص بن عبد اللہ السجستانی الکوفی

یہ امام جعفر صادقؑ کے صحابی اور ثقہ ہیں ان کے مصنفات میں بہت کتابیں ہیں جن میں سے یہ ہیں :-

۱- کتاب الصلوٰۃ - ۲- کتاب الزکوٰۃ - ۳- کتاب الصیام -
۴- کتاب النوادر - یہ سب کتابیں اصول میں شمار ہوتی ہیں -

حفص بن سالم ابو ولاد الحناطؒ

یہ امام جعفر صادقؑ کے راوی اور ثقہ تھے - حدیث میں ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہے -

خالد بن صبیح الکوفی

یہ ثقہ تھے ، ان کی حدیث میں ایک کتاب ہے جس میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے مرویات ہیں اور وہ اصول میں شمار ہوتی ہے -

سعید بن غزوان اسدی

یہ امام جعفر صادقؑ کے راوی اور ثقہ ہیں - حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے -

شعب بن اعین الحداد الکوفی

یہ امام جعفر صادق ؑ کے راوی اور ثقہ تھے حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

آدم بن المتوکل ابو الحسین بیاع اللؤلؤ الکوفی

یہ امام جعفر صادق ؑ کے راوی اور ثقہ تھے، حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

ابراہیم بن عمر الیمانی الصنعانی

یہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق ؑ کے راوی اور ثقہ تھے، حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

ہشام بن الحکم الکندی الشیبانی الکوفی

ان کی کنیت ابو محمد ہے، یہ کوفہ کے رہنے والے تھے، واسط میں پیدا ہوئے اور وہاں ہی نشو ونما ہوئی یہ بڑے ذہین وطباع اور زود فہم حاضر جواب تھے، علم کلام میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اور فن مناظرہ میں تو ید طولیٰ حاصل تھا، امام جعفر صادق ؑ اور امام موسیٰ کاظم ؑ کے راویوں میں تھے اور ان سے خصوصیت خاصہ رکھتے تھے، ابتدا میں مذہب جہمیہ

رکھتے تھے مگر حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہنچ کر مذہب حق قبول کیا جس کا واقعہ ابو عمرو کشی نے معرفۃ اخبار الرجال میں اس طرح لکھا ہے کہ ہشام بن الحکم کے چچا عمر بن یزید ناقل ہیں کہ میرا بھتیجا مذہب جہمیہ رکھتا تھا اور بہت خبیث تھا ایک مرتبہ مجھ سے خواہش کی کہ مجھے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں لے چلو میں اُن سے مناظرہ کروں گا، میں نے کہا کہ جب تک حضرتؑ سے اجازت نہ لے لوں اُس وقت تک نہ لے جاؤں گا پس میں حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہشام کے لانیکی اجازت طلب کی حضرتؑ نے اجازت عنایت فرمادی، میں حضرت کے پاس سے اٹھا چند ہی قدم چلا تھا کہ مجھے ہشام کی خباثت کا خیال آیا میں پلٹا اور حضرتؑ سے اس کی خباثت کا تذکرہ کیا حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ تمھیں میرے متعلق خوف ہوا میں شرمندہ ہوا اور سمجھا کہ مجھ سے غلطی ہوئی پس میں شرمندہ ہی وہاں سے نکل کر ہشام کے پاس آیا اور اُسے اطلاع دی کہ حضرتؑ نے تمھیں حاضر ہونے کی اجازت عطا فرمادی ہے پس ہشام میرے ہمراہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا، حضرت نے ہشام سے ایک مسئلہ دریافت کیا جس کو سن کر ہشام متحیر ہوگیا اور جواب نہ دے سکا بالآخر حضرتؑ سے استدعا کی کہ مجھے اس میں غور کرنے کے لئے کچھ مہلت عطا فرمائیے حضرتؑ نے مہلت دی، ہشام چلا گیا، اور طلب جواب میں چند روز مضطرب رہا مگر جواب نہ ملا، مجبور ہو کر حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور حضرتؑ نے اُسے جواب بتایا اور اُس سے اور مسائل دریافت کئے جس سے ہشام کا مذہب فاسد ہوا

جاتا تھا، ہشام حضرتؑ کے پاس غمگین اور متحیر باہر آیا اور چند روز اُسی حیرانی میں رہا اور جب افاقہ ہوا تو اُس نے پھر مجھ سے کہا کہ ایک مرتبہ اور میری حاضری کے لئے حضرتؑ سے اجازت لے لیجئے، میں حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہشام کی حاضری کے لئے اجازت طلب کی حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے کہو وہ حیرہ کے فلاں مقام پر میرا انتظار کرے میں انشاءاللہ اس سے کل صبح وہاں ملوں گا، میں ہشام کے پاس گیا اور حضرتؑ نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اُسے سنا دیا۔ یہ سُن کر ہشام بہت خوش ہوا اور حضرتؑ سے پیشتر اس جگہ پہنچ گیا جو حضرتؑ نے بتائی تھی۔

عمر بن زید کا بیان ہے کہ اس کے بعد جب میں نے ہشام کو دیکھا تو اس سے دریافت کیا کہ فلاں مقام پر تم سے اور حضرتؑ سے کیا بات چیت ہوئی، ہشام نے کہا کہ جو جگہ حضرتؑ نے بتائی تھی وہاں میں حضرتؑ سے پیشتر پہنچ گیا، اتنے میں حضرتؑ ایک خچر پر سوار تشریف لائے جب میں نے حضرتؑ کی زیارت کی اور مجھ سے قریب ہوئے تو مجھ پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ میں اپنے پاس کچھ پاتا ہی نہ تھا جسے عرض کروں، اور جب بات کرنا چاہتا تھا تو زبان گویا نہ ہوتی تھی حضرت کچھ دیر اس انتظار میں سر جھکائے کھڑے رہے کہ میں کچھ بات کروں مگر ان کا قیام میرے خوف اور تحیر کو بڑھاتا ہی جاتا تھا۔ جب حضرتؑ نے میری یہ حالت مشاہدہ فرمائی تو وہاں سے روانہ ہو کر حیرہ کی بعض گلیوں میں تشریف لے گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ مجھ پر جو ہیبت طاری ہوئی یہ صرف اس عظمت و وقار کی وجہ سے تھی جو حضرتؑ کو پیش خدا

حاصل ہے۔

عمر بن یزید کہتے ہیں کہ پھر ہشام نے حضرتؑ کی طرف رجوع کی اپنے عقیدہ کو چھوڑ دیا اور دین حق کی اطاعت کر لی اور چند ہی روز میں حضرتؑ کے تمام اصحاب پر سبقت لے گیا۔[1]

یونس بن یعقوب ناقل ہیں کہ ایک روز امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں اصحاب کی ایک جماعت حاضر تھی جن میں حمران بن اعین مومن الطاق، ہشام بن سالم، طیار، اور ہشام بن الحکم بھی تھے۔ ہشام اُس وقت نوجوان تھے، حضرتؑ نے ہشام سے ارشاد فرمایا کہ عمرو بن عبید رئیس معتزلہ اور تمہارے درمیان جو مناظرہ ہوا تھا اُس کی کیا صورت ہوئی تھی بیان تو کرو، ہشام نے عرض کیا مجھے شرم آتی ہے کہ حضور کی مجلس میں ایسی باتوں کا تذکرہ کروں، حضور کی ہیبت سے میری زبان بھی گویا نہیں ہوتی، حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں نے بیان کرنے کی اجازت دیدی تو تمہیں بیان کرنے میں توقف کیسا؟ پس ہشام نے اس مناظرہ کا حال اس طرح بیان کیا کہ جب مجھے عمرو بن عبید کا حال معلوم ہوا کہ وہ مسئلہ امامت اور دیگر مسائل علوم دینیہ میں بحث کرتا اور) میں جمعہ کے دن بصرہ گیا اور جامع مسجد میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ عمرو بن عبید سیاہ صوف کا ایک شملہ پہنے ہوئے ہے اور دوسرے شملہ کی چادر بنائے ہوئے ہے لوگ اس کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہیں اور اس سے

---

[1] از معرفۃ الرجال - ۱۲۰

سوال کر رہے ہیں، میں صفوں کو شگافتہ کرتا ہوا اس کے قریب پہنچا اور دو زانو بیٹھ گیا اور اس سے سوال کیا کہ اے عالم میں مرد مسافر ہوں مجھے سوال کرنے کی اجازت دی تو میں نے اس طرح گفتگو کی:۔

ہشام بن الحکم۔ آپ کے آنکھ ہے؟

عمرو بن عبید۔ مجھ سے یہ کیا سوال کرتے ہو۔

ہشام۔ میرا سوال تو یہی ہے۔

عمرو:۔ اچھا سوال کرو اگرچہ وہ حماقت ہی کیوں نہ ہو۔

ہشام:۔ میں نے جو سوال کیا اس کا جواب دیجئے۔

عمرو:۔ سوال کرو۔

ہشام۔ آپ کے آنکھ ہے؟

عمرو۔ ہاں ہے۔

ہشام۔ آنکھ سے کیا دیکھتے ہو؟

عمرو۔ الوان (رنگ) اور اشخاص

ہشام۔ آپ کے ناک ہے؟

عمرو۔ ہاں ہے۔

ہشام۔ اس سے کیا کرتے ہو؟

عمرو۔ اس سے خوشبو اور بدبو سونگھتا ہوں۔

ہشام۔ آپ کے منھ ہے؟

عمرو۔ ہاں ہے۔

ہشام ۔ اس سے کیا کرتے ہو؟

عمرو ۔ اس سے کھانا کھاتا ہوں ۔

ہشام ۔ آپ کے قلب ہے؟

عمرو ۔ ہاں ہے ۔

ہشام ۔ اس سے کیا کرتے ہو؟

عمرو ۔ ان اعضار پر جو کچھ بھی وارد ہوتا ہے اُسے قلب سے تمیز دیتا ہوں

ہشام ۔ کیا یہ اعضا قلب سے مستغنی نہیں؟

عمرو ۔ نہیں ۔

ہشام ۔ جب اعضا صحیح ہوں تو ایسا کیوں نہیں ہو سکتا (قلب کی کیا ضرورت ہے)

عمرو ۔ اے فرزند جو کچھ چکھتا، دیکھتا، سونگھتا ہوں اگر اس میں شک ہوتا ہے تو دل کی طرف رجوع کرتا ہوں پس یقین حاصل ہو جاتا ہے اور شک جاتا رہتا ہے ۔

ہشام ۔ تو خدا نے قلب کو اعضار کا شک دور کرنے کے لئے پیدا کیا ہے؟

عمرو ۔ ہاں ایسا ہی ہے ۔

ہشام ۔ پس قلب کا ہونا ضروری ہے ورنہ اعضا کو یقین حاصل نہ ہوگا ۔

عمرو ۔ ہاں ایسا ہی ہے ۔

ہشام - خدا نے تمہارے اعضاء کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ ان کے لئے امام مقرر کر دیا جو صحیح کی تصحیح کرے اور جس میں شک ہو اس میں یقین پیدا کر دے اور اس تمام مخلوقات کو حیرت و شک اور اختلاف میں چھوڑ دیا اور ان کے لئے کوئی امام بھی مقرر نہ کیا جس طرف شک و حیرت میں رجوع کریں حالانکہ تمہارے اعضا تک کے لئے امام مقرر کر دیا جس کی طرف شک و حیرت میں رجوع کی جائے۔

عمرو - (یہ سن کر چپ ہو گیا اور مجھ سے کچھ نہ کہا پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ) تم ہشام ہو؟

ہشام - نہیں۔

عمرو - تم ہشام کے پاس بیٹھتے ہو؟

ہشام - نہیں۔

عمرو - تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

ہشام - کوفہ کا۔

عمرو - اچھا تو پھر تم ہشام ہی ہو۔

پھر مجھے اپنے سے لپٹا لیا اور مجھے اپنی جگہ بٹھایا اور جب تک میں بیٹھا رہا اس وقت تک کچھ نہ کہا۔

امام جعفر صادق یہ واقعات سن کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا کہ اے ہشام تمہیں یہ کس نے تعلیم کیا میں نے عرض کیا کہ یا ابن رسول اللہ یہ میری

زبان پر جاری ہو گیا، حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ:-

اے ہشام[1] قسم بخدا یہ صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ میں ہے۔

ہشام کی قدر و منزلت امام جعفر صادقؑ کی نظر میں اتنی تھی کہ ایک روز ہشام ایام شباب ہی میں امامؑ کی خدمت میں مقام منیٰ میں حاضر ہوئے اس وقت حضرتؑ کی خدمت میں مشائخ کی ایک جماعت مثل حمران بن اعین، یونس بن یعقوب، قیس ماصر ابو جعفر مومن الطاق کے موجود تھے، حضرتؑ نے ہشام کو سب سے بلند جگہ عنایت فرمائی حالانکہ وہ سب کمسن سال تھے مگر جب حضرتؑ نے قرائن سے معلوم کیا کہ ان لوگوں کو ہشام کی تقدیم شاق ہوئی تو اصحاب کی طرف رخ کر کے ارشاد فرمایا:-

ھٰذا ناصرنا بقلبه ولسانه ویده

یہ میرا مددگار ہے دل اور زبان اور ہاتھ سے

پھر حضرتؑ نے ہشام سے اسماء الٰہیہ اور اُن کے اشتقاق کے متعلق سوال کیا جس کا انھوں نے خوبی سے جواب دیا اس وقت حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ اے ہشام خدا نے یہ سمجھ تمھیں اس لئے دی کہ اس سے ہمارے دشمنوں کو دفع کرو۔ ہشام نے عرض کیا کہ انشاء اللہ ایسا ہی کروں گا حضرت نے ان کے لئے دعا فرمائی نفعك الله به وثبتك

ایک روز ہشام نے نعمت الٰہی پر حمد کرتے ہوئے کہا کہ:-

---

[1] یا ھشام واللہ ھذا لمکتوب فی صحف ابراھیم و موسیٰؑ

قسم بخدا آج تک کسی شخص نے مجھے توحید کے مباحث میں مغلوب نہیں کیا۔

ایک روز یحییٰ بن خالد برمکی نے ہارون الرشید کے سامنے ہشام سے سوال کیا کہ کیا حق دو مختلف جہتوں میں ہو سکتا ہے؟ ہشام نے جواب دیا کہ نہیں ہو سکتا، یحییٰ نے دریافت کیا کہ اچھا بتاؤ جو دو شخص کسی شرعی حکم میں اختلاف کریں تو وہ دونوں حق پر ہوں گے یا باطل پر یا ایک حق پر اور دوسرا باطل پر۔ ہشام نے کہا کہ پہلے سوال کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ دونوں حق پر نہیں ہو سکتے یحییٰ نے کہا کہ اچھا یہ بتائیے حضرت علیؑ اور حضرت عباس جو پیغمبرِ خدا کی میراث کے متعلق اختلاف ہوا تھا اس میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔

ہشام کا بیان ہے کہ جب یحییٰ نے مجھ پر یہ سوال وارد کیا تو میں نے خیال کیا کہ اگر میں حضرت علیؑ کو باطل پر بتاتا ہوں تو کافر ہو جاؤں گا اور اپنے مذہب سے خارج ہو جاؤں گا اور اگر حضرت عباس کو باطل پر بتاتا ہوں تو ہارون الرشید (چونکہ عباسی ہے اس لئے) میری گردن اڑا دے گا اس مسئلہ کے متعلق میرے ذہن میں کبھی خطور بھی نہ ہوا تھا کہ میں نے اس میں کچھ غور کیا ہوتا اور جواب تیار ہوتا میں اسی فکر میں تھا کہ مجھے حضرت امام جعفر صادقؑ کی وہ دعا یاد آگئی جو حضرتؑ نے مجھے دی تھی۔ یا ھشام لا تزال مویدا بروح القدس ما نصرتنا بلسانک اور میں نے سمجھ لیا کہ میں جواب سے عاجز نہ رہوں گا فوراً ہی

جواب بھی میری سمجھ میں آگیا اور میں نے یحییٰ سے کہا کہ حضرت علیؑ اور حضرت عباس میں سے کوئی باطل پر نہ تھا اور ان دونوں میں کوئی اختلاف بھی نہ تھا، اس کی نظیر حضرتِ داؤد کا قصہ ہے جسے خداوند عالم نے قرآن شریف[1] میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

وَهَلْ اَتٰكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۝

(اے رسولؐ) کیا تم کو اُن دعویداروں کی بھی خبر پہنچی ہے کہ جب حجرہ کی دیوار پھاند پڑے۔ اور جب داؤد کے پاس آکھڑے ہوئے تو وہ ان سے ڈر گئے، ان لوگوں نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں (ہم دونوں) ایک مقدمہ کے فریقین ہیں کہ ہم نے ایک دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیجئے اور انصاف سے نہ گزرئیے اور ہمیں سیدھی راہ دکھا دیجئے۔

پس اے یحییٰ یہ بتاؤ کہ جو دو فرشتے حضرت داؤد کے پاس اختلاف اور مخاصمت کرتے آئے تھے ان میں کون خطا پر اور کون صواب پر تھا، تم

---

[1] پارہ ۲۳ سورہ ص ۱۲

کیونکر کہہ سکتے ہو کہ دونوں خطا پر تھے یا دونوں صواب پر تھے بہرحال جو کچھ تم اس مقام پر جواب دو گے وہی ہمارا اس نزاع میں جواب ہوگا۔

یحییٰ نے کہا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ دونوں فرشتے خطا پر تھے بلکہ یہی کہوں گا کہ دونوں صواب پر تھے اس لئے کہ درحقیقت وہ دونوں کسی حکم میں اختلاف و نزاع نہ رکھتے تھے اور اس مخالفت کا اظہار صرف اس بات کی وجہ سے جو حضرت داؤد کی وجہ سے ہوگئی تھی، یہ سب کچھ داؤد کی تنبیہ کے لئے تھا اور ان کو حکم الٰہی سے خبر دی تھی۔

ہشام نے کہا میں بھی یہی کہتا ہوں کہ حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ کسی حکم میں اختلاف و نزاع نہ رکھتے تھے، اور حضرت ابوبکر سے خلافت غصب کرنے اور (حضرت فاطمہ زہراؑ کو) آنحضرتؐ کی میراث نہ دینے میں جو غلطی ہوئی تھی اس پر حضرت ابوبکر کی تنبیہ کے لئے ایسا کیا تھا کہ وہ اپنی خطا سے واقف ہو جائیں اس جواب سے یحییٰ تو مجوج ہو گیا مگر ہارون الرشید نے جواب کو بہت پسند کیا۔

ہشام کی تقریر نے ہارون الرشید کو اپنی طرف مائل کر لیا جو یحییٰ پر نہایت گراں گذرا اور وہ برابر اس فکر میں رہا کہ کسی طرح ہشام کو زک دی جائے چنانچہ اس نے ہارون الرشید سے ان کی شکایت کی اور ہارون بھی ان کے درپے آزار ہو گیا، جس کی وجہ سے ان کو روپوش ہونا پڑا، ہشام کے علمی کارنامے اور مناظرے بہت ہیں مگر چونکہ وہ ہماری غرض سے متعلق نہیں اس لئے ان کو ترک کرتے ہیں۔

ہشام بن الحکم کثیر التصانیف تھے، رجال نجاشی اور فہرست طوسی میں ان کی مصنفات کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے۔

۱۔ کتاب حدیث۔ یہ کتاب اصول میں شمار ہوتی ہے جیسا کہ فہرست طوسی سے معلوم ہوتا ہے۔ ۲۔ کتاب علل التحریم۔ ۳۔ کتاب الفرائض۔ ۴۔ کتاب الامامہ۔ ۵۔ کتاب الدلالۃ علی حدث الاجسام (کتاب الدلالۃ علی حدوث الاشیاء)۔ ۶۔ کتاب الردّ علی الزنادقہ۔ ۷۔ کتاب الردّ علی اصحاب الاثنین۔ ۸۔ کتاب التوحید۔ ۹۔ کتاب الرّد علی ہشام الجوالیقی۔ ۱۰۔ کتاب الردّ علی اصحاب الطبائع۔ ۱۱۔ کتاب الشیخ والغلام۔ یہ کتاب توحید میں ہے۔ ۱۲۔ کتاب التدبیر اس میں ہشام کے کلام کو علی بن منصور نے جمع کیا ہے۔ یہ امامت میں ہے۔ ۱۳۔ کتاب المیزان ۱۴۔ کتاب الردّ علی من قال بامامہ المفضول۔ ۱۵۔ کتاب الوصیۃ والردّ علی من انکرہا۔ ۱۶۔ کتاب المیدان۔ ۱۷۔ کتاب اختلاف الناس فی الامامہ۔ ۱۸۔ کتاب الجبر والقدر۔ ۱۹۔ کتاب الحکمین۔ ۲۰۔ کتاب الرّد علی المعتزلۃ فی امر طلحہ والزبیر۔ ۲۱۔ کتاب القدر۔ ۲۲۔ کتاب الفاظ۔ ۲۳۔ کتاب الاستطاعۃ۔ ۲۴۔ کتاب المعرفۃ۔ ۲۵۔ کتاب الثمانیۃ الابواب ۲۶۔ کتاب الردّ علی شیطان الطاق۔ ۲۷۔ کتاب الاخبار۔ ۲۸۔ کتاب الردّ علی المعتزلہ نمبر ۲۰ پر جو کتاب ہے یہ اس کتاب کے علاوہ ہے۔ ۲۹۔ کتاب الردّ علی ارسطالیس۔ یہ توحید میں ہے۔ ۳۰۔ کتاب المجالس فی الامامہ۔ ۳۱۔ کتاب المیراث۔ ۳۲۔ کتاب الالطاف۔

ہشام بن الحکم نے ۱۹۹ھ میں وفات پائی۔

ہشام بن سالم الجوالیقی

یہ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے اصحاب میں تھے اور نہایت ثقہ۔ ان کے مصنفات میں کتابیں ہیں۔

۱۔ کتاب حدیث۔ یہ کتاب اصول میں شمار ہوتی ہے۔ ۲۔ کتاب التفسیر۔ ۳۔ کتاب المعراج۔ ۴۔ کتاب الحج۔

جمیل بن درّاج

یہ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں ان کا شمار فقہاء میں ہے۔ ان کے مصنفات میں ایک حدیث کی کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔ رجال نجاشی میں ان کے مصنفات سے دو کتابیں اور بھی بتائی گئی ہیں جو خالص ان کی تصنیف نہیں ہیں بلکہ ایک کتاب تو ایسی ہے جو جمیل بن درّاج اور محمد بن حمران کی مشترک تصنیف ہے اور دوسری کتاب ہے جو جمیل بن درّاج اور مرازم بن حکیم کی مشترک تصنیف ہے۔

ابان بن عثمان الاحمر البجلی

ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ اصل میں کوفہ کے رہنے والے تھے

نگران کا قیام کبھی کوفہ اور کبھی بصرہ میں رہتا تھا، امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی تھے، ان کے مصنفات میں ایک حدیث کی کتاب تھی جو اصول میں شمار ہوتی ہے اور ایک کتاب تھی جس میں مبدا مبعث مغازی، وقائع سقیفہ، ردّہ کے مباحث تھے۔

ابراہیم بن عثمان الخزاز الکوفی

ان کی کنیت ابو ایوب تھی امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی ثقہ اور عظیم المنزلت تھے حدیث میں آپ کی ایک کتاب ہے، جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

ابراہیم بن حزم الاسدی

یہ ابن ابی بردہ مشہور ہیں۔ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی اور ثقہ تھے، بہت زمانہ تک زندہ رہے حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

بشّار بن یسار الضبعی

امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

حمید بن المثنی العجلی الکوفی

ان کی کنیت ابو المغرا تھی۔ امام جعفر صادقؑ اور امام موسی کاظمؑ کے
راوی اور ثقہ تھے۔ حدیث میں ان کی کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

حفص بن البختری

یہ اصل میں کوفہ کے رہنے والے تھے، امام جعفر صادقؑ اور امام
موسیٰ کاظمؑ کے راوی اور ثقہ ہیں حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے۔ جو
اصول میں شمار ہوتی ہے۔

حفص بن سَوُقَہ العمُری

امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی اور ثقہ تھے۔ حدیث
میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

حکم بن ایمن الحناط

امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی ہیں۔ حدیث میں ان کی
ایک کتاب ہے، جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

ذریح بن یزید المُحاربی

ان کی کنیت ابوالولید تھی ۔ کوفہ کے رہنے والے تھے ، امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی اور ثقہ ہیں ۔ حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے ۔

زید النرسی

امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی ہیں ، حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے ۔

زرعہ بن محمد الحضرمی

یہ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی اور ثقہ واقفی المذہب تھے ۔ حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار کی جاتی ہے ۔

سعد بن ابی خلف الزام

یہ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی اور ثقہ ہیں ، حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے ۔

سعید بن یسار الضُبُعی

امام جعفر صادق علیہ السلام اور موسیٰ کاظم علیہ السلام کے راوی اور ثقہ تھے۔ حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

سعدان بن مسلم العامری

ان کا نام عبدالرحمان اور لقب سعدان تھا۔ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی تھے حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

شعیب بن یعقوب العقرقوفی

یہ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی اور ثقہ تھے حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

عبداللہ بن یحییٰ الکاہلی

یہ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی تھے۔ امام موسیٰ کاظمؑ کے یہاں یہ باوجاہت رہے۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے ان کے متعلق علی بن یقطین سے وصیت[1] فرمائی تھی اور ارشاد فرمایا تھا۔ کہ تم میرے لئے کاہلی

[1] فہرست طوسی ۱۲

اور اس کے عیال کی ضمانت کرو میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت کرتا ہوں۔ علی بن یقطین حضرت کے اس ارشاد کی وجہ سے برابر ان کے پاس طرح دراہم، اور نفقات بھیجتے رہے جس کی وجہ سے یہ مستغنی رہے یہاں تک ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کی مصنفات میں حدیث کی ایک کتاب تھی۔

علی بن رئاب الکوفی

یہ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی تھے۔ یہ ثقہ اور جلیل القدر تھے۔ حدیث میں ان کی ایک بڑی کتاب تھی جو اصول میں شمار ہوتی ہے جس کا تذکرہ فہرست شیخ میں ہے اور ابو العباس نجاشی نے اپنی کتاب رجال میں لکھا ہے کہ ان کی تصنیفات سے بہت سی کتابیں ہیں جن میں۔ ۱۔ کتاب الوصیہ والامامہ۔ ۲۔ کتاب الدیات ہیں۔

حبیب بن المعلل الخثعمی المدائنی

یہ امام جعفر صادقؑ امام موسیٰ کاظمؑ اور امام رضاؑ کے راوی اور نہایت ثقہ صحیح ہیں، حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

منصور بن حازم البجلی الکوفی

یہ امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اصحاب اور

راویوں میں ہیں نہایت ثقہ ہیں اور ان کا شمار فقہا میں ہے۔
حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جس کا تذکرہ فہرست شیخ میں ہے، اور رجال نجاشی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مصنفات میں بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے دو کتابوں کا انھوں نے تذکرہ بھی کیا ہے۔
۱۔ اصول الشرائع۔ یہ نہایت لطیف اور عمدہ کتاب ہے۔
۲۔ کتاب الحج۔

شہاب بن عبد ربہ بن ابی میمونہ

امام جعفر صادقؑ اور حضرت ابو جعفرؑ کے راوی تھے، مالدار اور خوشحال تھے۔ حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے جو اصول میں شمار ہوتی ہے۔

حماد بن عثمان بن عمرو بن الخالد الفزاری العرزمی

یہ امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی الرضا کے راوی ہیں ثقہ اور جلیل القدر ہیں ان کی حدیث میں ایک کتاب ہے۔ وفات ۱۹۰ھ میں ہوئی۔

حماد بن عیسیٰ الجہنی

یہ اصل میں کوفہ کے رہنے والے تھے مگر بصرہ میں سکونت اختیار

کرلی تھی۔ حدیث میں ثقہ اور نہایت صادق تھے۔ حدیث کی روایت میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے، امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام امام علی الرضا علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے، امام جعفر صادقؑ کی تو انھوں نے صرف بیس[1] حدیثوں میں کی روایت کی ہے۔

حماد بن عیسیٰ[2] بیان کرتے ہیں کہ میں نے اور عباد بن صہیب البصری نے امام جعفر صادقؑ سے احادیث کو سنا۔ عباد نے تو دو سو حدیثیں یاد کرلیں جن کی روایت کرتے تھے اور میں نے ستر یاد کیں۔

حماد کہتے ہیں کہ میں اپنے دل میں (الفاظ حدیث کم (زیادہ ہو جانے کا) شک کیا کرتا تھا تا اینکہ میں نے انھیں بیس حدیثوں پر اکتفا کی جن میں مجھے شک نہیں ہے۔

امام رضاؑ اور امام محمد تقیؑ کی کوئی حدیث ان سے نہیں سنی گئی حماد بن عیسیٰ[3] ناقل ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ میں حضور پر فدا ہو جاؤں خدا سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے مکان، زن، فرزند، خادم، اور ہر سال حج کی توفیق عنایت فرمائے، حضرتؑ نے ان کے لئے دعا فرمائی کہ:۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ محمد وآل محمد وارزقہ

---

[1] رجال نجاشی ۱۲ [2] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲ [3] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲

داراً و زوجةً و ولداً و خادماً و الحج خمسين سنة۔

میرے معبود محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیج اور حمادؔ کو مکان، زوجہ، فرزند، خادم اور پچاس سال تک حج (کی توفیق) عنایت فرما۔

حماد کہتے ہیں کہ جب حضرتؑ نے پچاس سال کی شرط لگا دی تو میں سمجھ گیا کہ پچاس سال سے زائد حج نہ کروں گا۔

جب حماد اڑتالیس حج کر چکے تو ایک روز کہنے لگے کہ میں نے اڑتالیس حج کر لئے ہیں اور یہ میرا مکان ہے جو خدا نے عطا فرمایا ہے اور یہ زوجہ ہے جو پس پردہ میرے کلام کو سن رہی ہے اور یہ میرا فرزند ہے اور یہ خادم ہے خدا نے سب کچھ عطا فرما دیا۔

اس کے بعد حماد نے دو حج اور کئے اور پورے پچاس حج پورے ہونے کے بعد یہ پھر حج کے ارادہ سے چلے اور ابوالعباس النوفلی کے ردیف ہوئے، جب موضع احرام پر پہنچے تو غسل کے لئے دریا میں اترے پس دفعتاً ایک سیلاب آیا اور یہ غرق ہو گئے اور پچاس حج سے زیادہ حج نہ کر سکے۔

فہرست شیخ میں ان کے مصنفات یہ بتائے گئے ہیں۔

۱۔ کتاب النوادر۔ ۲۔ کتاب الزکوٰۃ۔ ۳۔ کتاب الصلوٰۃ۔

ان کی عمر نوّے سال سے کچھ زیادہ ہوئی اور ۲۰۹ھ میں وفات پائی۔

علی بن یقطین بن موسیٰ

یہ اصل میں کوفہ کے رہنے والے تھے مگر بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ مروان حمار نے آپ کے باپ کو بجرم تشیع گرفتار کرنا چاہا تو وہ بھاگ گئے، ۱۲۴ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے ان کی ماں ان کو اور ان کے بھائی عبید کو لے کر مدینہ بھاگ گئیں اور جب بنی عباس کی سلطنت کا آغاز ہوا تو یقطین ظاہر ہوئے اور علی کی ماں بھی مع اپنے بچوں کے کوفہ واپس آگئیں، یقطین ابوالعباس سفاح اور ابوجعفر المنصور کی خدمت میں رہے، مذہب تشیع کے پابند تھے۔ اور علی بن یقطین بھی سلاطین عباسیہ کے یہاں عہدۂ وزارت پر فائز تھے اور صاحب جاہ و دولت مند تھے۔

علی بن یقطین نہایت ثقہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت تھے، امام جعفر صادقؑ سے تو انھوں نے صرف ایک ہی حدیث کی روایت کی ہے مگر امام موسیٰ کاظمؑ سے بہت سی احادیث کی روایت کی ہے۔

امام موسی کاظمؑ علی بن یقطین کے لئے بہشت کے بھی ضامن ہوئے تھے۔

معرفۃ اخبار الرجال میں ہے کہ ایک مرتبہ امام موسیٰ کاظمؑ نے علی بن یقطین سے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے ایک بات کی ضمانت کرو، میں تمہارے لئے تین باتوں کی ضمانت کرتا ہوں، علی نے عرض کیا میں کس چیز کی ضمانت کروں اور حضور کن چیزوں کی ضمانت فرمائیں گے، حضرت نے ارشاد

فرمایا کہ میں جن تین چیزوں کا ضامن ہوتا ہوں وہ یہ ہیں :-
۱- تم کو کبھی حرارت آہن نہ پہنچے گی۔ (تلوار وغیرہ سے قتل نہ ہوسکو گے) ۲- فقر و فاقہ کی تکلیف نہ ہو گی۔ (۳- قید خانہ میں محبوس نہ ہو گے۔

علی نے عرض کیا کہ میں کس چیز کی ضمانت کروں، حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی برادر مومن آئے تو اس کا اکرام کرنا۔

پس علی بن یقطین اس کے ضامن ہوئے اور حضرتؑ نے متذکرہ بالا تینوں باتوں کی ضمانت فرمائی۔

علی بن یقطین نے جس بات کی ضمانت کی تھی اس پر ثابت قدم رہے اور جن چیزوں کی حضرتؑ نے ضمانت فرمائی تھی اُن میں سے ایک کی بھی ان کو تکلیف برداشت کرنا نہ پڑی۔

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے علی بن یقطین کو ایک خلعت عطا کیا۔ جس میں سیاہ ریشم کا دراعہ تھا جو زرتار اور لباس شاہی میں تھا۔ علی بن یقطین نے تمام خلعت مع اُس دراعہ کے امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں بھیجدیا اور اس کے ہمراہ اور مال خمس بھی بھیجا، جب یہ حضرت کی خدمت میں پہنچا تو حضرت نے تمام مال و خلعت تو قبول فرمایا مگر اس دراعہ کو واپس کر دیا اور علی بن یقطین کو تحریر فرمادیا کہ اسے حفاظت سے رکھنا تمہیں اس کی ضرورت پڑے گی، علی بن یقطین کو تردد ہوا کہ حضرت نے

اس کو واپس کر دیا مگر سبب معلوم نہ ہو سکا، اُنھوں نے حفاظت سے اس کو رکھ لیا۔

کچھ دنوں کے بعد علی بن یقطین اپنے خاص غلام پر غصہ ہوئے اور اُسے برخاست کر دیا، غلام کو یہ معلوم تھا کہ علی بن یقطین امام موسیٰ کاظمؑ سے بہت عقیدت رکھتے ہوئے اور اموال وغیرہ ان کی خدمت میں بھیجتے رہتے ہیں پس غلام نے ہارون الرشید سے ان کی چغلخوری کی اور کہدیا کہ وہ امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کے قائل ہیں اور ہر سال اُن کے پاس خمس بھیجتے ہیں اور بادشاہ نے جو دراعہ ان کو مرحمت فرمایا تھا وہ بھی اُنھوں نے امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں بھیجدیا، یہ سن کر ہارون الرشید کو بہت غصہ آیا اور کہا کہ میں اس کی تحقیق کرتا ہوں اگر یہ سچ ہے تو میں اسے قتل کر دوں گا، اُسی وقت علی کو بلوایا جب وہ آئے تو اُن سے دریافت کیا کہ میں نے جو تمھیں وہ دراعہ دیا تھا کہاں ہے، اُنھوں نے کہا کہ امیر المومنین وہ میرے پاس ایک جامہ دان میں مہر لگا ہوا اور خوشبو سے بسا ہوا رکھا ہے میں نے اُسے حفاظت سے رکھ چھوڑا ہے روزانہ صبح کو اُسے کھولتا اور اُس کی زیارت کرتا اور اُسے بوسہ دیتا ہوں۔ اور پھر اُسی جگہ رکھ دیتا ہوں اور جب شام ہوتی ہے پھر ایسا ہی کرتا ہوں، ہارون الرشید نے کہا اُسے بھی حاضر کرو، علی بن یقطین نے کہا کہ بہت اچھا اور ایک خدمت گار کو بلا کر اس سے کہا کہ گھر جاؤ اور فلاں مکان کی کنجی فلاں کنیز سے لے کر اُسے کھولو پھر فلاں صندوق کو کھولو اور جس جامہ دان پر مہر لگی ہے اُسے لے آؤ، غلام گیا اور فوراً

جامہ دان جس پر مہر لگی تھی لے آیا اور ہارون الرشید کے سامنے رکھ دیا پس مہر توڑنے اور کھولنے کا حکم دیا جب جامہ دان کھولا گیا تو دراعہ اس میں لپٹا ہوا رکھا تھا اور خوشبو میں بسا ہوا یہ دیکھ کر ہارون الرشید کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، اور علی بن یقطین سے کہا کہ اسے مکان کو واپس کر دو اب ہم تمھارے بارے میں کسی چغلخور کی کوئی بات نہیں سُنیں گے اور ان کو بہت کچھ گرانقدر انعامات دیے جانے کا حکم دیا اور غلام کے ہزار تازیانے لگائے جانے کا حکم دیا، ابھی پانچ سو ہی تازیانے لگے تھے کہ وہ مر گیا۔

ایک مرتبہ علمائے شیعہ میں مسح پا کے متعلق اختلاف ہوا کہ وضو میں انگلیوں سے ٹخنوں تک مسح کرنا چاہیئے یا ٹخنوں سے انگلیوں تک، علی بن یقطین نے امام موسیٰ کاظمؑ کو لکھا کہ ہم لوگوں میں پاؤں کے متعلق اختلاف ہے، اس مسئلہ میں حضور اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمادیں تاکہ اس کے موافق عمل کیا جائے، حضرتؑ نے تحریر فرمایا کہ وضو کے متعلق جس اختلاف کا تم نے ذکر کیا اس کا حال معلوم ہوا، اس مسئلہ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تین مرتبہ کلی کرو۔ تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالو، تین مرتبہ چہرہ دھو۔ اور ڈاڑھی کے بالوں کو بھی حرکت دے لو اور اپنے تمام سر کا مسح کرو اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ۔ اور اس کے خلاف نہ کرو، جب حضرت کی تحریر علی بن یقطین کے پاس پہنچی تو حیران ہوئے اس لئے کہ جن مسائل پر فرقہ شیعہ کا اجماع ہے اس کے خلاف حضرت نے تحریر فرمایا تھا، مگر امامؑ کی حکم کی تعمیل میں وضو اسی طریقے سے کرنے لگے، اور

جو شیعوں کا متفق علیہ طریقۂ وضو تھا اُسے چھوڑ دیا اور کہنے لگے کہ امامؑ بہتر جانتے ہیں مجھے تو حضرت کے حکم کا امتثال کرنا ضروری ہے۔

اسی زمانہ میں پھر کسی نے ہارون الرشید سے علی بن یقطین کی چغلی کھائی اور کہا کہ وہ تو رافضی ہیں آپ کے مخالف ہیں، ہارون الرشید نے ایک خواص سے کہا کہ ابن یقطین کے متعلق بار بار لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ وہ رافضی ہے اور میں اس کے کام میں کوئی کوتاہی نہیں پاتا کئی دفعہ اس کا امتحان بھی کیا مگر کوئی بات اُس میں ایسی نہیں پائی، چاہتا ہوں کہ ایک مرتبہ اور اُس کی جانچ کروں اس طرح کہ اُسے پتہ نہ چلے کہ اپنا بچاؤ کرلے، اُس نے کہا کہ امیر المومنین رافضیوں کا وضو ہمارے وضو کے مخالف اور ہلکا ہوتا ہے پاؤں نہیں دھوتے لاعلمی میں اس کے وضو کو دیکھ لیجئے، ہارون الرشید نے کہا ہاں اس طریقہ سے پتہ چل جائے گا، کچھ دنوں کے بعد اُن کو ایک روز کام میں مشغول رکھا تا اینکہ نماز کا وقت آگیا علی بن یقطین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ ایسے وقت گھر کے ایک گوشہ میں جاکر وضو کرتے اور نماز پڑھ لیتے تھے، نماز کا وقت آجانے کی وجہ سے علی بن یقطین حسب معمول ایک گوشہ میں گئے، ہارون الرشید تو اس وقت کی تاک ہی میں تھا ایک دیوار کے پیچھے اس طرح چھپ کر کھڑا ہوگیا کہ خود ابن یقطین کو دیکھ لے پس علی بن یقطین نے پانی منگایا اور اسی طریقہ سے وضو کرنا شروع کیا جیسا کہ امامؑ نے تحریر فرمایا تھا چونکہ وہ اہل سنت کے وضو کا طریقہ تھا اس لئے ہارون الرشید کو بے انتہا مسرت ہوئی اپنے

آپے میں نہ رہا اور بے تحاشا ابن یقطین کے سامنے آکر کہنے لگا :-

کذب یا علی بن یقطین من زعم انّك من الرّافضه

علی بن یقطین جو تمہیں رافضیوں میں خیال کرے وہ جھوٹا ہے۔

اور ہارون الرشید کی نظر میں ان کا اعتبار بڑھ گیا، اور اس کے بعد ہی امامؑ کا خط ان کے پاس پہنچ گیا کہ اب وضو اس طریقہ سے کیا کرو جس طرح خدا نے حکم دیا ہے ایک مرتبہ مُنھ کو بہ نیت وجوب اور دوسری بار بہ نیت استحباب دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سے اسی طریقہ سے دھوؤ اور مقدم سر اور ظاہر قدمین کا[۱] وضو کی بقیہ تری سے مسح کرو تمھارے متعلق جو خوف تھا اب وہ جاتا رہا۔

علی بن یقطین کو امام موسیٰ کاظمؑ سے بے انتہا خلوص وعقیدت تھی اور حضرتؑ بھی ان کو بہت دوست رکھتے تھے۔

بیشتر ایسا ہوتا تھا کہ یہ ایک لاکھ سے تین لاکھ درہم تک حضرتؑ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجتے تھے اور حضرت اُسے فقرا رشیعہ اور اپنے اہل و عیال پر تقسیم فرما دیتے تھے۔[۲]

امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے تین یا چار لڑکوں کی شادی کی جن میں حضرت

---

[۱] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲۔ [۲] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲

علی الرضاؑ بھی تھے تو علی بن یقطین کو تحریر فرمایا کہ اُن کا مہر تمہارے ذمہ ہے۔ پس علی نے اپنے وکلاء کو حکم دیا کہ ان کا جو مال و متاع ہے اُسے فروخت کر کے مقدار مہر ادا کر دیں اور علاوہ بریں تین ہزار دعوت ولیمہ کے لئے حضرتؑ کی خدمت میں پہنچا دیں، اس سب کی مقدار ایک دفعہ میں تیرہ ہزار (۱۳۰۰۰) دینار تھی۔[1]

ایک سال حج کے موقع پر شمار کیا گیا تو علی بن یقطین کی طرف سے تین سو یا دو سو پچاس آدمی حج کر رہے تھے اور کوئی سال ایسا نہ ہوتا تھا کہ ان کی طرف سے حج کرنے والا نہ ہو، جن میں سے بعض کو بیس ہزار درہم تک دیئے گئے جیسے کاہلی عبد الرحمن بن الحجاج وغیرہ اور کم سے کم جو رقم دی گئی وہ ایک ہزار درہم کی تھی۔[2]

سلیمان بن الحسین جو علی بن یقطین کے کاتب تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سال کا جو میں نے حساب کیا تو اُن کے ایک سو پچاس آدمی آئے اُن کو جو رقم عطا کی گئی اس میں کم سے کم سات سو درہم اور زیادہ سے زیادہ دس ہزار درہم تھے۔

علی بن یقطین کے مصنفات میں بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے حسب ذیل کتابوں کا فہرست شیخ میں تذکرہ ہے۔

۱۔ کتاب ما سُئل عن الصادقؑ من الملاحم۔ ۲۔ کتاب مناظرۃ الشاک بحضرتہؑ۔ ۳۔ کتاب مسائل عن ابی الحسنؑ موسیٰ بن جعفرؑ۔

---

[1] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲۔ [2] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲

علی بن یقطین نے حضرت امام موسی کاظمؑ ہی کی حیات میں سنہ ۱۸۰ھ میں انتقال کیا۔

انھوں نے مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کی اولاد بھی مصر میں رہی۔ اُن کے مصنفات سے چند کتابیں ہیں[۱] جن میں وہ احادیث ہیں جو امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے آبا، طاہرین کے سلسلۂ سند سے بیان فرمائی ہیں، تفصیل کتب یہ ہے۔

۱۔ کتاب الطہارۃ۔ ۲۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ۳۔ کتاب الزکوٰۃ۔ ۴۔ کتاب الصوم۔ ۵۔ کتاب الحج۔ ٦۔ کتاب الجنائز۔ ۷۔ کتاب الطلاق ۸۔ کتاب النکاح۔ ۹۔ کتاب الحدود۔ ۱۰۔ کتاب الدیات۔ ۱۱۔ کتاب الدعاء۔ ۱۲۔ کتاب السنن والاداب۔ ۱۳۔ کتاب الرویا۔

حسن بن علی بن یقطین بن موسیٰ

یہ امام موسیٰ کاظمؑ اور امام رضاؑ کے راوی اور فقیہ و متکلم تھے۔ ان کے مصنفات میں کتاب مسائل ابی الحسن موسیٰؑ ہے۔

عبداللہ بن المغیرۃ البجلی الکوفی

یہ نہایت ثقہ تھے جلالت قدر، دیانت اور ورع میں ان کا

---

[۱] فہرست طوسی ۱۲

کوئی ہمسر نہ تھا۔ امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی ہیں ان کے مصنفات میں تیس کتابیں بیان کی جاتی ہیں جن میں سے کتب ذیل مشہور ہیں:۔

۱۔ کتاب الوضوء ۔ ۲۔ کتاب الصلوٰۃ ۔ ۳۔ کتاب الزکوٰۃ ۔
۴۔ کتاب الفرائض ۔ ۵۔ کتاب فی اصناف الکلام

علی بن عبید اللہ بن حسین بن علی بن الحسین

یہ اپنے زمانہ میں آل ابی طالب میں سب سے زائد زاہد عابد تھے۔ امام موسیٰ کاظمؑ اور امام رضاؑ سے اختصاص رکھتے تھے۔ ان کے مصنفات میں کتاب الحج ہے اور تمام کتاب میں امام موسیٰ کاظمؑ کی احادیث ہیں۔

محمد بن صدقۃ العنبری البصری

یہ امام موسیٰ کاظمؑ اور امام رضاؑ کے راوی ہیں ان کے مصنفات میں ایک کتاب ہے جس میں امام موسیٰ کاظم کی احادیث ہیں۔

علی بن حمزہ بن الحسن بن عبید اللہ بن العباس بن امیر المومنین علی بن ابی طالب

یہ ثقہ اور کثیر الروایات تھے۔ ان کی ایک کتاب ہے جس میں امام موسیٰ کاظمؑ کے مرویات ہیں۔

موسیٰ بن ابراہیم المروزی

یہ امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی ہیں ان کی ایک کتاب ہے جس میں امام موسیٰ کاظمؑ کے احادیث ہیں۔

جس زمانہ میں امام موسیٰ کاظمؑ سندی بن شاہک کے پاس مقید تھے اُس وقت انھوں نے حضرتؑ سے احادیث کو سنا تھا اس لیے کہ یہ سندی کے بچے کو پڑھاتے تھے۔

یونس بن عبد الرحمان الیقطینی

ان کی کنیت ابو محمد تھی، بڑے جلیل القدر اور عظیم المنزلت تھے۔ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں پیدا ہوئے، صفا و مروہ کے درمیان امام جعفر صادقؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے مگر حضرتؑ سے کوئی روایت نہیں کی۔

امام موسیٰ کاظمؑ کے راوی تھے۔ امام رضاؑ ان کو صاحب علم و فتوی سمجھتے تھے جماعت واقفیہ کی طرف سے ان کو بہت کچھ مال دیا گیا مگر اُنھوں نے قبول نہ کیا اور جادۂ حق پر قائم رہے۔

عبد العزیز بن المہتدی کا بیان[1] ہے کہ یونس بہترین قمیین سے تھے

---

[1] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲

جن کی میں نے زیارت کی ہے امام رضا علیہ السلام کے وکیل تھے اور اُن سے خصوصیت خاصّہ رکھتے تھے، ایک مرتبہ میں نے حضرتؑ سے عرض کیا کہ میں ہر وقت حضور کی زیارت نہیں کر سکتا، دینی مسائل کس سے حاصل کروں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "یونس بن عبدالرحمٰن" سے

اور یہ بڑی بھاری منزلت ہے۔

امام رضاؑ ان سے تین مرتبہ بہشت کی ضمانت[1] فرمائی ہے، فضل بن شاذان[2] کہا کرتے تھے کہ سلمان فارسی سے فقیہ تر کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ اور ان کے بعد یونس بن عبدالرحمٰن سے فقیہ تر کوئی شخص نہیں ہوا۔

امام رضا علیہ السلام نے ایک حدیث میں ارشاد[3] فرمایا ہے کہ:

یونس اپنے زمانہ میں ویسے ہی ہیں جیسے سلمان اپنے زمانہ میں تھے۔

فضل بن شاذان کا بیان[4] ہے کہ یونس بن عبدالرحمٰن نے چوّن[54] حج کئے اور چوّن[54] عمرے بجالائے یونس کے ۴۰ بھائی تھے جن کے سلام کے لئے یہ ہر روز جایا کرتے تھے پھر اپنے مکان پر واپس آکر کھانا کھاتے اور نماز کے لئے آمادہ ہو جاتے پھر تصنیف و تالیف کے لئے بیٹھ جاتے تھے۔

---

[1] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲ — [2] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲
[3] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲ — [4] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲

بیان کیا جاتا ہے کہ ائمہ اطہار کا علم چار آدمیوں کے پاس آیا سلمان فارسی، جابر، رشید، یونس بن عبد الرحمن۔

یونس بن عبد الرحمان کی تصنیفات بہت ہیں
یونس نے ایک ہزار جلدیں صرف مخالفین کی رد میں تصنیف کیں، رجال نجاشی میں یونس بن عبد الرحمان کے مصنفات کی فہرست میں حسب ذیل کتابوں کا ذکر ہے۔

۱۔ کتاب السہو۔ ۲۔ کتاب الادب والدلالۃ علی الخیر۔
۳۔ کتاب الزکوٰۃ۔ ۴۔ کتاب جوامع الآثار۔ ۵۔ کتاب الشرائع۔
۶۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ۷۔ کتاب العلل (الکبیر) ۸۔ کتاب اختلاف الحج۔
۹۔ کتاب الاحتجاج (فی الطلاق) ۱۰۔ کتاب علل الحدیث۔
۱۱۔ کتاب الفرائض۔ ۱۲۔ کتاب الفرائض (الصغیر) ۱۳۔ کتاب الجامع الکبیر (فی الفقہ) ۱۴۔ کتاب التجارات۔ ۱۵۔ کتاب تفسیر القرآن۔
۱۶۔ کتاب الحدود۔ ۱۷۔ کتاب الآداب۔ ۱۸۔ کتاب المثالب۔
۱۹۔ کتاب علل النکاح وتحلیل المتعہ۔ ۲۰۔ کتاب البداء۔ ۲۱۔ کتاب نوادر البیوع۔ ۲۲۔ کتاب الرد علی الغلاۃ۔ ۲۳۔ کتاب ثواب الحج۔
۲۴۔ کتاب النکاح۔ ۲۵۔ کتاب المتعہ۔ ۲۶۔ کتاب الطلاق۔
۲۷۔ کتاب المکاسب۔ ۲۸۔ کتاب الوضوء۔ ۲۹۔ کتاب البیوع والمزارعات۔ ۳۰۔ کتاب اللؤلؤ۔ فی الزہد۔ ۳۱۔ کتاب الامامۃ۔
۳۲۔ کتاب فضل القرآن۔ ۳۳۔ کتاب یوم ولیلہ۔

فہرست شیخ میں اُن کے مصنفات کی فہرست میں ایک کتاب
اختلاف الحدیث ومسائلہ عن ابی الحسن موسیٰ بن جعفرؑ کا ذکر کیا ہے
پھر کتابوں کا سلسلۂ روایت نقل کیا ہے۔[1]

محمد بن علی بن الحسینؒ کا بیان ہے[2] کہ میں نے محمد بن الحسن کو یہ
کو فرماتے ہوئے سنا کہ یونس بن عبدالرحمان کی کتابیں جو روایات سے
پہنچی ہیں سب کے سب صحیح اور قابل اعتماد ہیں سوائے اس کتاب کے
جس کی روایت محمد بن عیسیٰ بن عبید نے یونس سے کی ہو اور ان کے علاوہ
کسی اور نے روایت نہ کی ہو تو اس کتاب پر اعتماد نہیں ہو سکتا اور اس کے
موافق فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ یونس بن عبدالرحمٰن کی "کتاب یوم ولیلہ"
ائمہ اطہار میں سے بعض کے ملاحظہ میں بھی گذری تھی۔

احمد بن ابی خلف ناقل ہیں[2] کہ میں بیمار تھا حضرت امام محمد تقیؑ
میری عیادت کے لئے تشریف لائے میرے سرہانے کتاب یوم ولیلہ بھی
تھی، حضرت اسے ملاحظہ فرمانے لگے، یہاں تک کہ اول سے آخر تک ملاحظہ
فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ:۔

رحمہ اللہ یونس   رحمہ اللہ یونس

رحمہ اللہ یونس

ابو ہاشم داؤد بن القاسم الجعفری بیان کرتے ہیں کہ یونس کی کتاب

---

[1] فہرست الشیخ ۱۲ [2] معرفۃ الرجال ۱۲

"یوم ولیلہ" میں نے حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں پیش کی تو حضرت امام حسن عسکریؑ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی تصنیف ہے میں نے عرض کیا یونس آل یقطین کی حضرتؑ نے ارشاد فرمایا:۔

اعطاہ اللہ بکل حرف نوراً یوم القیامۃ

ابو جعفر الکمیری بیان کرتے ہیں کہ میں کتاب "یوم ولیلہ" تالیف یونس بن عبدالرحمٰن حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں لے گیا تو حضرت نے پوری کتاب ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا:۔

ھذا دینی و دین اٰبائی وھوالحق کلہٗ

یہ میرا اور میرے آبائے (طاہرینؑ) کا دین ہے اور اس کا حرف حرف صحیح ہے۔

محمد بن ابی عمیر الازدی بغدادی

ان کی کنیت ابو محمد تھی، حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور احادیث بھی سنی تھیں، حضرتؑ نے ان کو یا ابا احمد کہہ کر کنیت سے مخاطب بھی فرمایا تھا، حضرت امام رضا علیہ السلام کے راوی ہیں اور نہایت جلیل القدر و عظیم المنزلت تھے۔

فضل بن شاذان ناقل ہیں کہ کسی شخص نے محمد بن عمیر کے متعلق

لہ معرفۃ اخبار الرجال ۱۲ ؎ معرفۃ اخبار الرجال ۱۲

بادشاہ (مامون عباسی) سے شکایت کر دی کہ ان کو عراق کے شیعوں کے نام معلوم ہیں، بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کے نام بتاؤ اُنھوں نے انکار کیا تو اُن کو برہنہ کر کے ٹکٹکی پر لٹکایا گیا اور سو کوڑے لگائے گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے محمد بن عمیر کو کہتے ہوئے سنا کہ جب میرے سو کوڑے لگ چکے اور تکلیف انتہا کو پہنچ گئی اور میری حالت ایسی ہو گئی تھی کہ قریب تھا کہ شیعیانِ عراق کے نام بتا دوں تو میں محمد بن یونس بن عبدالرحمٰن کی آواز سنی کہ وہ کہہ رہے ہیں:-

محمد بن عمیر موقفِ حساب میں اپنا پیش خدا کھڑا ہونا یاد کرو۔

اس آواز سے مجھ میں قوت آگئی اور میں نے صبر کیا شیعیانِ عراق کے نام نہ بتائے والحمد للہ۔

محمد بن عمیر بڑے عابد و زاہد تھے۔ فضل بن شاذان کا بیان[1] ہے کہ ایک مرتبہ میں عراق آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے ساتھی پر عتاب کر رہا ہے اور کہہ رہا کہ تم عیال دار آدمی ہو مجھے اندیشہ ہے کہ کثرتِ سجود سے تمھاری آنکھیں نہ جاتی رہیں، جب اس شخص نے زیادہ کہا سنا تو اس نے جواب دیا اگر سجدوں سے کسی کی آنکھیں جاتی رہتیں تو ابن ابی عمیر کی آنکھیں ضرور جاتی رہتیں۔ ایسے شخص کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے جو نمازِ فجر کے بعد سجدۂ شکر کرے اور زوالِ شمس تک سر سجدے

---

[1] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲

سے اٹھائے۔ فضل ہی کا بیان[1] ہے کہ محمد بن ابی عمیر کے تشیع کی وجہ سے ایک سو بیس تازیانے مارے گئے۔ یہ تازیانے ہارون کے حکم سے لگائے گئے تھے اور اس کا متصدی سندی بن شاہک تھا۔

بہرحال محمد بن ابی عمیر نے تشیع کی وجہ سے بہت سے مصائب برداشت کئے، امام رضاؑ کے بعد ان کے تازیانے بھی لگائے گئے اور قید بھی کئے گئے جس سے انھوں نے ایک لاکھ اکیس ہزار (درہم) دے کر خلاصی[2] حاصل کی۔

یہ نہایت مالدار آدمی تھے، پانچ لاکھ درہم کے مالک[3] تھے، محمد بن ابی عمیر نقل احادیث میں بھی بہت زیادہ محتاط تھے، فضل بن شاذان بیان[4] کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے باپ نے محمد بن ابی عمیر سے دریافت کیا کہ تم سے بہت سے مشائخ عامہ سے ملاقات ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تم ان سے کسی حدیث کی سماعت نہ کی، محمد بن ابی عمیر نے جواب دیا کہ میں نے ان سے احادیث کو سنا تو ہے مگر میں نے اپنے بہت سے اصحاب کو دیکھا کہ انھوں نے علم عامہ اور علم خاصہ کو سنا اور دونوں کو مخلوط کر دیا یہاں تک کہ حدیث عامہ کو خاصہ سے اور حدیث خاصہ کو عامہ سے روایت کیا، مجھے یہ اختلاط مکروہ معلوم ہوا اور میں نے اس کو ترک کر دیا اور صرف احادیث

---

[1] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲ — [2] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲ — [3] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲ — [4] معرفۃ اخبار الرجال ۱۲

خاصہ پر اکتفا کی۔

فہرست طوسی میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خاصہ اور عامہ دونوں کے نزدیک تمام لوگوں میں زیادہ ثقہ، زیادہ عبادت گزار، زیادہ متقی پرہیزگار تھے۔ جاحظ نے اپنی کتاب "فخر قحطان علی عدنان" میں بھی محمد بن عمیر کے اس وصف کا تذکرہ کیا ہے اور تحریر کیا ہے کہ ان تمام اوصاف میں یہ یگانۂ روزگار تھے انھوں نے ائمۂ اطہار میں تین اماموں کے زمانہ کا ادراک کیا ہے

۱۔ امام موسیٰ کاظمؑ ان سے کوئی روایت نہیں کی۔

۲۔ امام رضاؑ ان کے راوی ہیں۔

۳۔ امام محمد تقیؑ

احمد بن محمد بن عیسیٰ نے محمد بن ابی عمیر سے امام جعفر صادقؑ کے سو راویوں کی کتابوں کی روایت کی ہے۔

محمد بن ابی عمیر کے مصنفات بہت کثیر ہیں، ابن بطہ نے ان کی تصنیف میں چورانوے ۹۴ کتابیں بتائی ہیں جن میں سے حسب ذیل کتابوں کا رجال نجاشی میں تذکرہ ہے۔

۱۔ کتاب المغازی ۔ ۲۔ کتاب الکفر والایمان ۔ ۳۔ کتاب البداء ۴۔ کتاب الاحتجاج فی الامامۃ ۔ ۵۔ کتاب الحج ۔ ۶۔ کتاب فضائل الحج۔ ۷۔ کتاب المتعہ ۔ ۸۔ کتاب الاستطاعۃ (والافعال والرد علی اہل القدر والجبر) ۹۔ کتاب الملاحم ۔ ۱۰۔ کتاب یوم ولیلہ ۔ ۱۱۔ کتاب الصلوٰۃ۔

۱۲۔ کتاب مناسک الحج۔ ۱۳۔ کتاب الصیام۔ ۱۴۔ کتاب اختلاف الحدیث۔
۱۵۔ کتاب المعارف۔ ۱۶۔ کتاب التوحید۔ ۱۷۔ کتاب النکاح۔
۱۸۔ کتاب الطلاق۔ ۱۹۔ کتاب الرضاع۔ ۲۰۔ کتاب النوادر[1] (یہ
کتاب بڑی اور عمدہ ہے) ۲۱۔ مسائل[2] امام رضاؑ

جس زمانہ میں محمد بن ابی عمیر مقید تھے ان کی بہن نے ان کی کتابوں کو زمین میں دفن کر دیا تھا، یہ چار سال تک مقید رہے اور کتابیں زمین میں مدفون رہنے کی وجہ سے ضائع ہو گئیں اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ کتابیں ایک کھڑکی میں رکھ دی تھیں وہاں بارش کا پانی آیا جس کی وجہ سے ضایع و برباد ہو گئیں۔

اس مصیبت کے بعد محمد بن ابی عمیر احادیث کو قوت حافظہ کی مدد سے بیان کرتے تھے اور بعض احادیث کو ان کتابوں کے ذریعہ سے جو اس واقعہ سے قبل لوگوں کے پاس پہنچ گئی تھیں اسی لئے ہمارے اصحاب ان کی مراسیل پر بھی اطمینان کرتے ہیں۔

ابو عمرو کشی نے اپنی کتاب معرفۃ الاخبار الرجال میں لکھا ہے کہ

ذھبت کتب ابن ابی عمیر فلم یخلص

---

[1] کتاب النوادر کا تذکرہ فہرست شیخ میں ہے، اور ابو العباس النجاشی نے لکھا ہے کہ محمد بن ابی عمیر کے نوادر بہت ہیں اور نوادر کے رواۃ بھی کثیر ہیں۔
[2] ان مسائل کا تذکرہ بھی فہرست شیخ میں ہے نجاشی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے ۱۲

كتب احاديثه فكان يحفظ اربعين مجلدًا فسمّاه نوادر فلذا لك يوجد احاديث منقطعة الاسانيد

ابن ابی عمیر کی کتابیں ضائع ہوگئیں اُن کو چالیس مجلد زبانی یاد تھے ان کا نام انھوں نے نوادر رکھا اس لئے اسکی ایسی احادیث پائی جاتی ہیں جو مقطوع الاسناد ہیں۔ ان کی وفات ۲۱۷ھ میں واقع ہوئی۔

عبداللہ بن محمد بن حصین الحصینی لاہوازی

یہ امامؑ کے راوی اور نہایت ثقہ تھے۔ ان کے مصنفات میں ایک کتاب ہے جس میں امام رضاؑ کے سائل ہیں۔

علی بن علی بن رزین الخزعی

ان کی کنیت ابوالحسن تھی، دعبل خزاعی کے بھائی تھے۔ امام رضاؑ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل تھا۔ ان کے مصنفات میں ایک بڑی کتاب ہے جس میں امام رضا علیہ السلام کی احادیث ہیں۔

اس کتاب کی ابتدا میں حدیث الذبیب الاحمر اور آخر میں حدیث ان اللہ حرم لحمہ ولد فاطمۃ علی النار ہے۔

ان کی ولادت ۱۷۲ھ میں اور وفات ۲۸۳ھ میں ہوئی ہے ان کی

عمر ایک سو گیارہ[1] سال کی ہوئی۔

صفوان بن یحییٰ البجلی الکوفی

ان کی کنیت ابو محمد تھی، ان کی باپ تو امام جعفر صادق علیہ السلام کے راوی تھے مگر یہ خود امام رضا کے راوی اور نہایت ثقہ ہیں۔ کشی نے ان کا تذکرہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے راویوں میں کیا ہے۔ یہ امام رضا علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام کے وکیل اور بڑے عابد و زاہد تھے۔ شیخ الطائفہ نے اپنی فہرست میں تحریر کیا ہے کہ یہ اہل حدیث کے نزدیک اپنے زمانہ میں اوثق ناس سے تھے، اور سب سے زیادہ عبادت گذار ہر روز ایک سو پچاس[150] رکعت نماز پڑھتے تھے۔ سال میں تین مہینہ روزے رکھتے اور ہر سال تین مرتبہ زکوٰۃ نکالتے تھے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صفوان بن یحییٰ، عبد اللہ بن جندب اور علی بن نعمان نے خانۂ خدا میں یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو جو بعد میں زندہ رہے وہ مدت العمر اس کی طرف سے نماز پڑھے روزہ رکھے، حج ادا کرے۔ زکوٰۃ دے۔ عبد اللہ بن جندب اور علی بن نعمان کا پہلے انتقال ہوا اور صفوان باقی رہے، انھوں نے عہد پر وفا کی، یہ دونوں کی طرف سے نماز پڑھتے تھے۔ روزہ رکھتے تھے۔ حج ادا کرتے تھے۔ زکوٰۃ دیتے تھے، اور اپنے لئے جو کار خیر کرتے تھے ان دونوں کے لئے بھی کرتے تھے، یہ امام رضا اور امام محمد تقی کے راوی ہیں، انھوں نے امام جعفر صادق

علیہ السلام کے چالیس [۴۰] راویوں سے بھی روایت کی ہے، حسین بن سعید کی طرح ان کی تصنیف سے بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے حسبِ ذیل [۱] کتابیں ہیں:-

۱۔ مسائل واحادیث امام موسیٰ کاظمؑ ۔ ۲۔ کتاب الوضو۔ ۳۔ کتاب الصلوٰۃ ۔ ۴۔ کتاب الصوم ۔ ۵۔ کتاب الحج ۔ ۶۔ کتاب الزکوٰۃ۔ ۷۔ کتاب النکاح ۔ ۸۔ کتاب الطلاق ۔ ۹۔ کتاب الفرائض ۔ ۱۰۔ کتاب الوصایا ۱۱۔ کتاب الشری والبیع ۔ ۱۲۔ کتاب العتق والتدبیر ۔ ۱۳۔ کتاب البشارات (بشارت المومن) ۱۴۔ کتاب التجارات ۔ یہ کتاب الشری والبیع کے علاوہ ہے ۔ ۱۵۔ کتاب المجتہ والوظائف ۔ ۱۶۔ کتاب الآداب ۔

ان کی وفات سنہ ۲۱۰ھ میں ہوئی ۔

معاویہ بن حکیم بن معاویہ بن عمار الدُّہنی

یہ امام رضا علیہ السلام کے اصحاب میں ثقہ اور جلیل القدر تھے، انھوں نے چوبیس [۲۴] اصول کی روایت بھی کی ہے ان کے مصنفات میں بھی چند کتابیں ہیں ۔

۱۔ کتاب الطلاق ۔ ۲۔ کتاب الحیض ۔ ۳۔ کتاب الفرائض

۱؎ رجال نجاشی ۱۲ ۔ ۲؎ نجاشی و فہرست طوسی ۱۲

۴۔ کتاب النکاح ۔ ۵۔ کتاب الحدود ۔ ۶۔ کتاب الدیات ۔
۷۔ نوادر ۔

زکریا ابن آدم بن عبد بن سعد الاشعری القمیؒ

یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اصحاب میں ہیں، ثقہ اور جلیل القدر رہیں۔ امام رضا علیہ السّلام کے یہاں باوجاہت تھے۔ ان کے مصنفات میں حدیث کی ایک کتاب ہے اور ایک کتاب میں امام رضا علیہ السّلام کے مسائل ہیں۔

اسماعیل بن مہران بن ابی نصر السکونی

یہ امام رضا علیہ السّلام کے اصحاب میں ہیں اور ثقہ و معتمد علیہ ہیں۔ ان کے مصنفات میں یہ کتابیں ہیں:۔

۱۔ کتاب الملاحم ۔ ۲۔ کتاب ثواب القرآن ۔
۳۔ کتاب الاہلیلجہ ۔ ۴۔ کتاب صفۃ المومن والفاجر ۔
۵۔ کتاب خطب امیر المومنینؑ ۔ ۶۔ کتاب النوادر ۔

فہرست شیخ میں ہے کہ ان کی ایک کتاب اصل ہے ۔

حسن بن محبوب السرّادؒ

یہ امام رضا علیہ السلام کے راوی اور ثقہ تھے امام جعفر صادق

علیہ السلام کے ساٹھ راویوں سے بھی انھوں نے احادیث کی روایت کی ہے۔ یہ اپنے زمانہ کے جلیل القدر اور فقیہ تھے۔

ان کے مصنفات میں حسبِ ذیل کتابیں ہیں:-

۱۔ کتاب المشیخہ۔ ۲۔ کتاب الحدود۔ ۳۔ کتاب الدیات۔
۴۔ کتاب الفرائض۔ ۵۔ کتاب النکاح۔ ۶۔ کتاب الطلاق۔
۷۔ کتاب النوادر۔ (یہ کتاب دوہزار صفحات کی ہے۔) ۸۔ کتاب التفسیر
۹۔ کتاب العتق۔ ۱۰۔ کتاب المزاح۔

عبدالرحمٰن بن ابی نجران التمیمی

ان کی کنیت ابوالفضل ہے امام رضا علیہ السلام کے راوی اور نہایت ثقہ تھے، ان کی روایات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ ان کے مصنفات میں بھی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے یہ ہیں:-

۱۔ کتاب البیع والشری۔ ۲۔ کتاب القضایا۔ یہ کتاب محمد بن قیس کی ہے اس میں عبدالرحمٰن نے بہت کچھ اضافہ کیا ہے
۳۔ کتاب المطعم والمشرب۔ ۴۔ کتاب یوم ولیلہ۔
۵۔ کتاب النوادر۔

حسین بن سعید بن حماد بن مہران الاہوازی

یہ ثقہ اور امام رضا علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام اور

امام علی نقی علیہ السلام کے راوی تھے ، اصل میں کوفہ کے رہنے والے
تھے وہاں سے اپنے بھائی حسن کے ہمراہ اہواز میں آگئے اور وہاں سے
قم چلے گئے اور حسن بن ابان کے یہاں منزل کی اور قم ہی میں انتقال
فرمایا ، ان کے مصنفات میں تیس کتابیں ہیں ۔

۱۔ کتاب الوضوء ۔ ۲۔ کتاب الصلوٰۃ ۔ ۳۔ کتاب الزکوٰۃ ۔
۴۔ کتاب الصوم ۔ ۵۔ کتاب الحج ۔ ۶۔ کتاب النکاح ۔
۷۔ کتاب الطلاق ۔ ۸۔ کتاب العتق والتدبیر المکاتبہ ۔
۹۔ کتاب الایمان والنذور ۔ ۱۰۔ کتاب التجارات والاجارات ۔
۱۱۔ کتاب الخمس ۔ ۱۲۔ کتاب الشہادات ۔ ۱۳۔ کتاب الصید والذبائح
۱۴۔ کتاب المکاسب ۔ ۱۵۔ کتاب الاشربہ ۔ ۱۶۔ کتاب الزیارات ۔
۱۷۔ کتاب التقیہ ۔ ۱۸۔ کتاب الرد علی الغلات ۔ ۱۹۔ کتاب المناقب ۔
۲۰۔ کتاب المثالب ۔ ۲۱۔ کتاب الزہد ۔ ۲۲۔ کتاب المروہ ۔
۲۳۔ کتاب حقوق المومنین وفضلهم ۔ ۲۴۔ کتاب تفسیر القرآن ۔
۲۵۔ کتاب الوصایا ۔ ۲۶۔ کتاب الفرائض ۔ ۲۷۔ کتاب الحدود ۔
۲۸۔ کتاب الدیات ۔ ۲۹۔ کتاب الملاحم ۔ ۳۰۔ کتاب الدعاء ۔

ان کتابوں کی تصنیف میں حسین سعید کے بھائی حسن بھی شریک
تھے مگر حسین کی شہرت ہوگئی ۔

یہ کتابیں بنی سعد کی کتابیں کہلاتی ہیں ، یہ کتابیں عمدہ اور
معمول بہ ہیں ابو العباس نجاشی نے ان کے متعلق تحریر کیا ہے ۔

وكتب بني سعد كتب حسنة

معمول عليها۔

بنی سعد کی کتابیں اچھی ہیں اور اُن پر عمل بھی کیا

جاتا ہے۔

علی بن مہزیار الاہوازی

ان کی کنیت ابوالحسن تھی۔ امام رضا علیہ السلام اور امام محمد تقیؑ کے راوی تھے۔ امام محمد تقی علیہ السلام اور امام علی النقی علیہ السلام سے خصوصیت خاصہ رکھتے تھے اور بعض مقامات پر ان کی طرف سے وکیل بھی تھے۔

معرفۃ اخبار الرجال میں ہے کہ یہ پہلے نصرانی تھے پھر خدا نے ان کی ہدایت فرمائی اور مسلمان ہو گئے فارس کے دیہات میں سے ایک قریہ کے رہنے والے تھے پھر اہواز میں آکر سکونت اختیار کر لی۔

رجال نجاشی میں ہے کہ دورقی تھے ان کے باپ نصرانی تھے بعد میں مسلمان ہوئے، اور بیان کیا جاتا ہے کہ علی بچپن ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، خدا نے ان کو مذہب حق کی طرف ہدایت فرمائی اور اُن کو مذہب امامیہ کی معرفت حاصل ہوئی علوم دینیہ کی انھوں نے تحصیل کی اور فقیہ ہوئے۔

جن مقامات پر یہ حضرت کی طرف سے وکیل تھے وہاں کے

شیعوں کے نام ان کے نام کے متعلق حضرت کی توقیعات بھی آئیں جوانکی جلالت قدر پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ ثقہ تھے۔ ان کے متعلق کسی قسم کی کوئی طعن نہیں ہے۔ صحیح الاعتقاد تھے۔

یہ بڑے عبادت گذار تھے۔ جب آفتاب طلوع کرتا تھا تو یہ سجدہ میں جاتے تھے اور اس وقت تک سجدے سے سر بلند نہ کرتے تھے جب تک اپنے ہزار برادرانِ ایمانی کے لئے وہی دعا نہ کرلیں جو اپنے نفس کے لئے کرتے تھے۔ ان کی پیشانی میں سجدہ کا ایسا نشان پڑ گیا تھا جیسا کہ اونٹ کا زانو ہوتا ہے۔

یہ کتب مشہورہ کے مصنف ہیں جو حسین بن سعد کی کتابوں کے مثل اور اُس سے زائد ہیں:۔

۱۔ کتاب الوضوء ۔ ۲۔ کتاب الصلوٰۃ ۔ ۳۔ کتاب الزکوٰۃ ۔
۴۔ کتاب الصوم ۔ ۵۔ کتاب الحج ۔ ۶۔ کتاب الطلاق ۔
۷۔ کتاب الحدود ۔ ۸۔ کتاب الدیات ۔ ۹۔ کتاب التفسیر ۔
۱۰۔ کتاب الفضائل ۔ ۱۱۔ کتاب العتق والتدبیر ۔
۱۲۔ کتاب التجارات والاجارات ۔ ۱۳۔ کتاب المکاسب ۔
۱۴۔ کتاب المثالب ۔ ۱۵۔ کتاب الدعاء ۔ ۱۶۔ کتاب التجمل والمروہ ۔
۱۷۔ کتاب المزار ۔ ۱۸۔ کتاب الرد علی الغلاۃ ۔ ۱۹۔ کتاب الوصایا ۔
۲۰۔ کتاب المواریث ۔ ۲۱۔ کتاب الخمس ۔ ۲۲۔ کتاب الشہادات ۔
۲۳۔ کتاب فضائل المومن وبرھم ۔ ۲۴۔ کتاب الملاحم ۔ ۲۵۔ کتاب التقیہ ۔

۲۶ - کتاب الصید والذبائح - ۲۷ - کتاب الزہد - ۲۸ - کتاب الاشربہ
۲۹ - کتاب النذور والایمان والکفارات -

احمد بن عبد اللہ البرقی کا بیان ہے کہ علی بن مہزیار نے حسین بن سعید کے مصنفات میں کچھ زیادتی کردی ہے - اور کتاب الوضوء - کتاب الصلوٰۃ - کتاب الحج میں تو اتنی زیادتی کی ہے کہ وہ حسین بن سعید کی کتابوں کے مقابلہ میں کئی گنی زیادہ ہوگئیں -

۱ - کتاب الحروف (کتاب حروف القرآن فہرست)
۲ - کتاب القائم - ۳ - کتاب البشارات - ۴ - کتاب الانبیاء -
۵ - کتاب النوادر - ۶ - رسائل علی بن اسباط - ۷ - کتاب وفات ابی ذرؓ - ۸ - کتاب حدیث بدو اسلام سلمانؓ الفارسی -

محمد بن عیسیٰ بن عبید بن یقطین

ان کی کنیت ابو جعفر تھی ، امام محمد تقی علیہ السلام کے راوی نہایت ثقہ اور کثیر الروایت تھے ، فضل بن شاذان کو دوست رکھتے ان کی مدح وثنا کرتے رہتے اور ان کی طرف میلان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے اقران و امثال میں ان ایسا کوئی نہیں ہے ، یہ بڑے اچھے مصنف تھے ان کی تصانیف میں یہ کتابیں ہیں :-

۱ - کتاب الامامہ - ۲ - کتاب الواضح المکشوف فی الرد علے اہل الوقوف - ۳ - کتاب الموقہ - ۴ - کتاب بعد الاسناد -

۵۔ کتاب الوصایا۔ ۶۔ کتاب اللولؤ۔ ۷۔ کتاب المسائل المحرمہ
۸۔ کتاب الطرائف۔ ۹۔ کتاب التوقیعات۔ ۱۰۔ کتاب التحمل والمردہ۔
۱۱۔ کتاب الفئی والخمس۔ ۱۲۔ کتاب الرجال۔ ۱۳۔ کتاب الزکوٰۃ۔
۱۴۔ کتاب ثواب الاعمال۔ ۱۵۔ کتاب النوادر۔

فہرست شیخ میں ان کے مصنفات میں کتاب تفسیر القرآن، کتاب اہل الرجا بھی ہے۔

فضل بن شاذان بن الخلیل الازدی النیشاپوری

ان کی کنیت ابو محمد ہے، امام محمد تقی علیہ السلام کے راوی ثقہ اور نہایت فقیہ و متکلم تھے۔ ان کی جلالتِ قدر و شہرت ان کی توصیف سے مستغنی کرتی ہے، بعض نے ان کو امام رضا علیہ السلام کے راویوں میں بتایا ہے، بہرحال یہ بڑے مرتبہ کے بزرگ تھے ان کے مصنفات میں ایک سو اسّی کتابیں بتائی جاتی ہیں جن میں سے یہ ہیں

۱۔ کتاب النقض علی الاسکافی فی تقویۃ الجسم۔ ۲۔ کتاب العروس (یہ کتاب العین ہے) ۳۔ کتاب الوعید۔ ۴۔ کتاب الرد علی اہل التعطیل۔ ۵۔ کتاب الاستطاعت۔ ۶۔ کتاب مسائل فی العلم۔ ۷۔ کتاب الاعراض والجواہر۔ ۸۔ کتاب العلل۔ ۹۔ کتاب الایمان۔ ۱۰۔ کتاب الرد علی الثنویہ۔ ۱۱۔ کتاب اثبات الرجعہ۔ ۱۲۔ کتاب الرجعہ حدیث۔ ۱۳۔ کتاب الرد علی الغالیہ المحمدیہ۔ ۱۴۔ کتاب تبیان اصل الضلالہ۔ ۱۵۔ کتاب الرد علی

محمد بن کرام - ۱۶ - کتاب التوحید فی کتب اللہ - ۱۷ - کتاب الرّد علی احمد
بن الحسین - ۱۸ - کتاب الرّد علی الاصم - ۱۹ - کتاب فی الوعد والوعید -
۲۰ - کتاب الرّدِ علی البیان بن رئاب - ۲۱ - کتاب الرّد علی الفلاسفہ -
۲۲ - کتاب محنۃ الاسلام - ۲۳ - کتاب السنن - ۲۴ - کتاب الاربع مسائل
فی الامامہ - ۲۵ - کتاب الرّد علی المنانیہ - ۲۶ - کتاب الفرائض الکبیر
۲۷ - کتاب الفرائض الاوسط - ۲۸ - کتاب الفرائض الصغیر -
۲۹ - کتاب المسح علی الخفّین - ۳۰ - کتاب الرّد علی المرجۂ - ۳۱ - کتاب
الرّد علی القرامطہ - ۳۲ - کتاب الطلاق - ۳۳ - کتاب مسائل البلدان
۳۴ - کتاب الرّد علی البائیہ - ۳۵ - کتاب اللطیف - ۳۶ - کتاب القائم
علیہ السلام - ۳۷ - کتاب الملاحم - ۳۸ - کتاب حذو النعل بالنعل -
۳۹ - کتاب الامامۃ الکبیر - ۴۰ - کتاب فضل امیر المومنین ؑ - ۴۱ - کتاب
معرفۃ الھدیٰ والضلالہ - ۴۲ - کتاب البصری والحاصل -
۴۳ - کتاب الخصال فی الامہ - ۴۴ - کتاب المعیار والموازنہ -
۴۵ - کتاب الرّد علی الحشویہ - ۴۶ - کتاب النجاح فی عمل شہر رمضان -
۴۷ - کتاب الرّد علی الحسن البصری فی التفصیل - ۴۸ - کتاب النبۃ
بین الجبریۃ والتبریۃ -

احمد بن محمد بن عیسیٰ بن عبداللہ بن سعد بن مالک بن الاحوص بن السائب بن مالک بن عامر الاشعری القمی

ان کی کنیت ابو جعفر تھی، یہ شیخ قمیین اور اہل قم میں بڑے وجیہ و فقیہ تھے۔ امام رضا علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں اور امام محمد تقی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی زیارت کا بھی شرف حاصل کیا ہے۔ ان کے مصنفات میں یہی چند کتابیں ہیں۔

۱۔ کتاب التوحید۔ ۲۔ کتاب فضل النبیؐ۔ ۳۔ کتاب المتعہ۔ ۴۔ کتاب الناسخ والمنسوخ۔ ۵۔ کتاب الاظلہ۔ ۶۔ کتاب المسوخ۔ ۷۔ کتاب فضائل العرب۔ ۸۔ کتاب فی الحج۔ ۹۔ کتاب النوادر۔ اس کتاب میں ابواب نہ تھے " داؤد بن کورہ " نے اس میں ابواب قائم کئے۔

علی بن اسباط بن سالم الکوفی

یہ بڑے ثقہ اور صادق اللہجہ تھے۔ یہ فطحی مسلک تھے ان سے اور علی بن مہزیار سے اس بارے میں مراسلت بھی ہوئی اور پھر دونوں نے امام محمد تقی علیہ السلام کی طرف رجوع کی اور علی بن اسباط نے اپنا مسلک تبدیل کر دیا حضرت سے قبل م انھوں نے امام رضا علیہ السلام

سے بھی روایت کی ہے۔

ان کے مصنفات یہ ہیں۔

۱۔ کتاب الدلائل۔ ۲۔ کتاب التفسیر۔ کتاب المزار۔ ۴ کتاب

النوادر۔

فہرست شیخ میں ہے کہ ان کے مصنفات میں ایک اصل بھی ہے۔

ایوب بن نوح بن درّاج النجعی

یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور امام علی الرضا علیہ السلام کے وکیل تھے، اور ان کی نظر میں بڑی منزلت رکھتے تھے یہ بڑے متقی و پرہیزگار، بڑے عبادت گذار اور روایات میں ثقہ تھے۔ ان کے باپ نوح بن دراج کوفہ میں قاضی اور صحیح الاعتقاد تھے۔

ان کے مصنفات میں لا کتاب النوادر ہے۔ اور فہرست شیخ میں ہے کہ ان کے مصنفات میں ایک کتاب ابوالحسن الثالث امام علی نقی علیہ السلام کے روایات و مسائل ہیں۔

علی بن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بھائی نہایت جلیل القدر اور ثقہ ہیں، انھوں نے عُریض میں جو مدینہ کے اطراف میں ہے سکونت اختیار کر لی تھی، ان کی اولاد اسی کی طرف منسوب ہوئی نجاشی نے

لکھا ہے کہ ان کی تصنیف سے ایک کتاب حلال و حرام میں ہے۔
اور فہرست شیخ میں ان کی تصنیف سے دو کتابیں بتائی گئی ہیں۔
۱۔ کتاب المناسک۔ ۲۔ کتاب المسائل۔ اس کتاب میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مسائل ہیں۔

احمد بن اسحاق بن عبداللہ بن سعد بن مالک بن الاحوص الاشعری القمی

ان کی کنیت ابو علی ہے، بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے، امام محمد تقی علیہ السلام اور امام علی نقی علیہ السلام کے راوی ہیں امام حسن عسکری علیہ السلام سے خصوصیت رکھتے تھے۔ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے ہیں، یہ شیخ القمیین تھے، ان کے مصنفات میں چند کتابیں ہیں جن میں سے ایک کتاب "علل الصلوٰۃ"[1] ہے یہ بڑی کتاب ہے اور ایک اور کتاب ہے جس میں امام علی نقی علیہ السلام کے رواۃ سے مسائل جمع کئے گئے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کے عہد سے لے کر امام حسن عسکری علیہ السلام

---

[1] فہرست طوسی میں کتاب کا نام "علل الصلوٰۃ" ہے۔ رجال نجاشی میں "علل الصوم" ہے۔

کے زمانہ تک چھ ہزار چھ سو سے زائد کتابیں تصنیف ہو گئیں جیسا کہ الشیخ الحافظ محمد بن الحسن الحر صاحب وسائل[1] نے تحریر فرمایا ہے۔

ان کتابوں میں احادیث کو بطریق اہلبیت علیہم السلام جمع کیا گیا تھا، انھیں میں وہ چار سو کتابیں بھی ہیں جن کو چار سو مصنفین نے تصنیف کیا تھا اور وہ اصول اربعماۃ۔ (چار سو کتابوں) کے نام سے مشہور ہیں حدیث کی تمام مصنفہ کتابوں میں اصول اربعماۃ کو قبولیت کا جو مرتبہ حاصل تھا وہ اور کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوا۔

مذہب شیعہ کی بنیادیں حدیث کی ان ہی مستند اور مشہور اصول اربعماۃ پر قائم تھیں، اصول و فروع اعتقادات و اعمال اخلاق و عادات غرض کہ تمام امور شرعیہ اور مسائل دینیہ کا دارومدار ان ہی اصول اربعماۃ کی احادیث پر تھا، فرقہ شیعہ کے افراد اصول اربعماۃ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور ان کی احادیث کو معتبر و مستند اور باوثوق و قابل سمجھتے تھے۔

جس شخص کے پاس ان میں سے جتنی کتابیں بھی ہوتی تھیں وہ اُن کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا ارباب علم ان کی احادیث پر فتوی دیتے اور مومنین ان پر عمل کرتے تھے۔

---

[1] وسائل الشیعہ الی احکام الشریعہ حدیث کی مشہور و مبسوط کتاب ہے ۱۲

[2] منقول از کتاب الشیعہ و فنون الاسلام تالیف السید حسن الصدر ۱۲

بہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں نہ پریس کا رواج تھا نہ مطابع موجود تھے نہ نقل و اشاعت میں وہ سہولتیں تھیں جو آج موجود ہیں ورنہ فرقۂ شیعہ کا کوئی فرد جو پڑھ سکتا ہو ایسا نہ نظر آتا جس کے پاس اصول اربعماۃ کا ذخیرہ نہ ہو، اور وہ احادیث کی ان چار سو کتابوں کے ایک چھوٹے سے کتب خانہ کا مالک نہ ہو۔

علاوہ بریں وہ زمانہ بھی فرقۂ شیعہ کے لئے ناموافق تھا محبت اہلبیتؑ رسولؐ اس زمانہ میں ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا تھا۔ تشیع کے جرم میں لوگ مصائب و آلام کا شکار بنتے تھے محبوس ہوتے تھے قتل کئے جاتے تھے، ان کا گھر بار برباد کر دیا جاتا تھا ان کی جان آبرو تک کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی تقیہ میں زندگی بسر کر کے اپنی عزت کی حفاظت کرتے تھے جان بچاتے تھے۔

ایسے ناموافق زمانہ میں اہلبیتؑ رسولؐ کی احادیث عام طور سے کیونکر شایع کی جا سکتی تھیں، اسی لئے اصول اربعماۃ کی اشاعت جیسی ہونی چاہیئے ویسی نہ ہو سکی۔

جس شخص کے پاس حدیث کی کوئی کتاب ہوتی تھی خواہ وہ اسی کی تصنیف ہو یا دوسرے کی تالیف وہ اُسے بنہایت حفاظت اور رازداری کے ساتھ رکھتا، اور جس شخص کی دیانت داری اور امین و رازدار ہونے پر پورا اعتماد و بھروسہ نہ ہو اسے نہ دکھاتا تھا، نہ نقل دیتا تھا، صرف اسی شخص کو دکھاتا جس پر کامل وثوق و اعتماد ہوا ور اسی کو نقل بھی

دیتا تھا مگر باوجود اس کے رازداری کے عہد و پیمان کی تجدید کر لیتا تھا اور
جو شخص نقل لیتا تھا وہ بھی حفاظت و رازداری کے تمام طریقوں کو ملحوظ
رکھتا تھا اور وہ شخص کسی کو صرف اُسی وقت نقل دیتا جب اس کے
متعلق پورا اطمینان ہو جائے اور عام طور سے اُس کی نقل نہ دیتا تھا کہ
جس کا دل چاہے وہ آکر نقل کرے خواہ اس کے اوپر وثوق و اعتماد ہو
یا نہ ہو اس لئے کہ ہر شخص کو پورا خطرہ رہتا تھا کہ اگر راز فاش ہو گیا اور
اس کے تشیع کا اظہار ہو گیا تو اس کے جان و مال و عزت و آبرو کی خیر
نہ ہو گی۔

اس لئے ہر شخص مجبور ہوتا تھا کہ ان خاص اشخاص کے علاوہ
جن کی دیانتداری کا پورا یقین ہو۔ اور کسی کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دے اور
دشمنوں سے پوشیدہ رکھے۔

ایسے افراد تو بہت ہی کم ہوں گے جن کے کتب خانہ میں کل اصول
اربعماۃ ہوں بیشتر تو ایسا ہی تھا کہ جس شخص نے جتنے اصول نقل کر لئے
وہ اس کے پاس رہے کچھ اصول کسی کے پاس۔

پھر ان اصول میں کوئی اصل بھی ایسی نہ تھی جس میں کل موردِ فقہیہ
اور مسائل شرعیہ کے متعلق احادیث جمع ہوں اس لئے کہ ہر مصنف نے
اپنی مدونہ اصل میں صرف انھیں احادیث کو جمع کر لیا تھا جو اس نے
امام سے سُنی تھیں یا امام کے کسی راوی سے حاصل کی تھیں، اور ان میں عام طور
سے ابواب و فصول بھی قائم نہ کئے گئے تھے جس کی وجہ سے ناظر آسانی سے

اس حدیث کو نکال سکے جس کی اُسے ضرورت پیش آئے اگرچہ بعض اصول ایسے ہیں جن میں ابواب قائم کر دیے گئے ہیں مگر وہ شاذ و نادر ہیں، اور الشاذ کالمعدوم ہر شاذ مثل نہ ہونے کے ہے۔

اصول چونکہ تقیہ کی وجہ سے پوشیدہ رکھے جاتے تھے مصنفین اور ناقلین خوف کی وجہ سے عام طور پر ظاہر نہ کر سکتے تھے اس لئے ان اصول کے ضایع و برباد اور تلف ہو جانے کا صرف احتمال ہی نہیں بلکہ یقین تھا اس لئے اس امر کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ احادیث کا یہ بیش بہا ذخیرہ محفوظ ہو جائے اور تلف نہ ہونے پائے، دوسرے اس امر کی بھی شدید ضرورت محسوس کی جاتی تھی کہ ان اصول سے ایک ایسا مجموعہ تیار کر لیا جائے جس میں کل احادیث جمع ہو جائیں، اس لئے کہ چار سو کتابوں کے مقابلہ میں ایک کتاب کا رکھنا ہر شخص کے لئے سہل و آسان ہے پھر ایسی صورت میں جب وہ کتاب ایسی مکمل اور جامع ہو جس میں کل مذہبی ضروریات کے متعلق احادیث موجود ہوں مگر کسی شخص نے اس ضرورت کو پورا کرنے کی ہمت نہ کی۔ نظریں ڈھونڈتی تھیں کہ کوئی شخص اس کام کو انجام دے مگر یہ کام سہل و آسان نہ تھا جس کو ہر شخص کر سکتا ہو اس کے لئے ایک ایسے عالم کی ضرورت تھی جو علم و کمال میں ممتاز ہو تحقیق و تدقیق میں مہارت تامہ رکھتا ہو رواۃ کے احوال پر مطلع ہو صحیح و سقیم کے امتیاز کا خیال رکھتا ہو رئیس المحدثین ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب

الکلینی الرازی طیب اللہ رمسہ ، چونکہ محقق کامل اور زبردست محدث تھے اس لئے زیادہ تران پر نظر پڑ رہی تھیں ، ایسی کتاب کی تصنیف کا احساس ہر طرف ہو رہا تھا اس لئے دور دور سے ان کے پاس فرمائشیں پہنچیں کہ وہ احادیث میں ایسی مکمل اور جامع کتاب تالیف کر دیں جو فرقہ شیعہ کے لئے ہر طرح کافی ہو ثقۃ الاسلام نے بھی خدا کا نام لے کر اس کام کو شروع کر دیا اصول کو تلاش کیا ، راویوں سے ملاقاتیں ، احادیث کو جمع کرنے میں بڑی کد و کاوش کی ، اور بڑی محنت شاقہ اٹھائیں غیبت صغریٰ کا زمانہ تھا اور ثقۃ الاسلام کا قیام بھی بغداد میں سفراء کے پاس تھا ، مومنین کے معروضات ان کے ذریعہ سے خدمت امام علیہ السلام میں پہنچتے تھے اور وہاں سے جوابات بھی ملتے تھے ، فرمان و توقیعات بھی صادر ہوتے تھے ، اجلاء اہل ایمان سفراء کی امام علیہ السلام کے پاس آمد و رفت بھی رہتی تھی ، امام علیہ السلام کے وکلاء بھی آتے جاتے رہتے تھے ، ثقۃ الاسلام کو احادیث کی تنقید اور اس مسئلہ میں بحث و مباحثہ تحقیق و تنقید کا قدرت کی طرف سے نہایت اچھا موقع مل گیا تھا ۔

انہوں نے بیس سال جان توڑ کوشش کر کے احادیث کو جمع کیا ، تحقیق و تنقید کے بعد جو حدیث کتاب میں درج کرنے کے قابل ہوئی اُسے ضبط تحریر میں لائے ۔ کتاب کو ابواب پر قائم کیا اور جو حدیث جس باب کی ہوئی اُسے وہاں جگہ دی اور یہ بے نظیر مجموعہ تیار ہو گیا جس کا نام اسم بامسمیٰ کافی رکھا ۔

اس کے علاوہ اور علماء نے بھی ثقۃ الاسلام کی تاسی کی اور احادیث کو جمع کیا ، ان سب کتابوں میں چار کتابوں کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی اور وہ کتب اربعہ کہلاتی ہیں جن پر فرقہ شیعہ کے مسائل و اعمال کا دارومدار ہے۔

کتب اربعہ

۱۔ احادیث میں جو کتابیں تالیف ہوئیں ان میں کتب اربعہ زیادہ مشہور ہیں اور زیادہ تر ان ہی کی احادیث پر عمل ہوتا ہے۔ (وہ چار کتابیں حسب ذیل ہیں)

۱۔ کافی ۔ یہ رئیس المحدثین ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الرازی الکلینی کی تالیف ہے کتب اربعہ میں یہ سب سے زیادہ مقدم سب سے زیادہ مکمل اور جامع ہے ، صاحب کافی کے حالات ان کے علمی کمال کا تذکرہ ایک رسالہ میں تفصیل سے کیا جائے گا اُنھوں نے کافی کو بیس سال میں تالیف کیا۔

۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ ۔ یہ کتاب رئیس المحدثین ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی کی تالیف ہے ان کا لقب شیخ صدوق ہے ، یہ امام عصر عجل اللہ فرجہ کی دعا سے پیدا ہوئے تھے جس پر فخر بھی کیا کرتے تھے۔

انا ولدت بدعوۃ صاحب الامر

علیہ السّلام۔

میں صاحب الامر علیہ السلام کی دعا سے پیدا ہوا ہوں۔

اور اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ان کے باپ علی بن الحسین ایک مرتبہ عراق تشریف لے گئے اس زمانہ میں ابو القاسم حسین بن الروح امام عصرؑ کے سفیر تھے، یہ ان کے پاس گئے اور اُن سے کچھ مسائل دریافت کئے جب وہاں سے واپس آئے تو علی بن جعفر بن اسود کے ہاتھ ایک خط لکھ کر حسین بن رَوح کے پاس بھیجا اس میں ایک رقعہ بھی تھا اور ان سے یہ خواہش کی تھی کہ اس رقعہ کو امام عصر علیہ السّلام کی خدمت میں پیش کر دیں اور اس رقعہ میں اولاد کی خواہش کی گئی تھی جب یہ رقعہ حضرتؑ کے حضور میں پیش ہوا تو حضرت کی طرف سے ایک توقیع برآمد ہوئی جس میں حضرتؑ نے اُن کو تحریر فرمایا۔

قد دعونا الله لك بذالك وسترزق ولدين ذكرين خيّرين۔

ہم نے تمہارے لئے اس امر میں خدا سے دعا کی ہے عنقریب تم کو دو لڑکے عطا ہوں گے جو دونوں باخیر ہوں گے۔

پس علی بن بابویہ کے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک ابو جعفر (الشیخ صدوق) اور دوسرے ابو عبد اللہ شیخ صدوق علوم و کمالات میں یگانۂ روزگار تھے۔ ان کے کمال کا شہرہ دور دور تھا، احادیث و اخبار کے بڑے ناقد اور حافظ تھے، صاحب امل آمل نے تحریر کیا ہے

کہ ابو جعفر جلیل القدر احادیث کے حافظ، رجال کی بصیرت رکھنے والے اور اخبار کی تنقید کرنے والے تھے، اہل قم میں حفظ اور کثرت علم میں ان کے مثل کوئی نہیں ہوا، ان کے مصنفات کی تعداد بھی تین سو کے قریب ہے۔

مومنین رے کی خواہش سے رے میں سکونت کر لی تھی اور مسائل کی تعلیم دیتے تھے، خراسان کے شیعہ بھی اُن کے فتویٰ پر عمل کرتے تھے، جب اُن کے فضل و کمال کا شہرہ ہوا اور سلطان رکن الدولہ نے ان کی تعریف سُنی تو اپنے یہاں بلایا نہایت عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا اور ان سے بہت سے مسائل دریافت کئے رکن الدولہ کی صحبت میں اور علماء سے بھی علمی مسائل میں گفتگو ہوئی اور سب نے ان کے علمی کمال کا اعتراف کیا۔

۳۵۵ھ میں جب شیخ صدوق وارد بغداد ہوئے تو وہاں بڑے بڑے علماء نے اُن سے حدیث کی سماعت کی حالانکہ اس وقت یہ نوعمر ہی تھے۔

کتاب من لایحضرہ الفقیہ کی تصنیف

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب من لا یحضرہ الفقیہ نعمۃ اللہ ابو عبداللہ محمد الحسن بن اسحاق بن الحسن بن الحسین، بن اسحاق بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب علیہم السّلام

کی فرمائش سے تصنیف کی۔

شیخ صدوق بلخ تشریف لے گئے تھے، ابو عبداللہ نعمت اللہ بھی وہاں تشریف لائے علمی ذوق رکھتے تھے دیانت دار اور متقی پرہیزگار تھے، ان سے اور جناب شیخ سے اکثر گفتگو رہتی تھی اور جناب شیخ بھی ان کی صحبت سے بہت خوش تھے، ایک روز ابو عبداللہ نے محمد بن زکریا المتطبب الرازی کی کتاب من لایحضرہ الطبیب کا تذکرہ کیا اور کہا کہ جس مطلب میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اُس کے لئے کافی وشافی ہے اور ساتھ ہی ساتھ جناب صدوق سے یہ خواہش کی کہ آپ فقہ میں ایک ایسی ہی کتاب تصنیف فرما دیجئے جس میں حلال وحرام اور شرائع واحکام پورے طریقہ سے ہوں اور اس کا نام بھی من لایحضرہ الفقیہ رکھا تاکہ وہ مرجع اور معتمد الیہ ہو جائے، چنانچہ شیخ صدوقؒ نے ان کی فرمائش منظور کرتے ہوئے یہ کتاب تالیف فرمائی۔

۱۔ اس کتاب میں احادیث کے سلسلۂ اسناد کو حذف کر دیا ہے تاکہ اس کے طریقے کثیر نہ ہوں اور سلسلہ اسناد کو آخر میں تحریر کر دیا ہے۔

۲۔ اس کتاب میں مصنف نے یہ خیال نہیں کیا کہ فقہ کے متعلق جس قدر احادیث ہوں وہ سب اس کتاب میں جمع کر دی جائیں بلکہ صرف انھیں احادیث کو لکھا ہے جس کے موافق وہ فتوی دیتے ہیں اور جس کو صحیح سمجھتے ہیں اور اپنے اور خدا کے درمیان اس کی حجت ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

۴۔ اس کتاب میں مشہور اور معتمد الیہ کتابوں سے جو مرجع قرار پاتی ہیں احادیث کو حاصل کیا گیا ہے۔ جیسے

۱۔ کتاب عبید اللہ بن علی الحلبی۔

۲۔ کتب علی بن مہزیار الاہوازی۔

۳۔ کتب حسین بن سعید۔

۴۔ نوادر احمد بن محمد بن عیسیٰ۔

۵۔ کتاب نوادر الحکمۃ تصنیف محمد بن یحییٰ بن عمران الاشعری۔

۶۔ کتاب الرحمۃ تصنیف سعد بن عبد اللہ۔

۷۔ جامع شیخ محمد بن الحسن بن الولید۔

۸۔ نوادر محمد بن ابی عمیر۔

۹۔ کتاب المحاسن تصنیف احمد بن ابی عبد اللہ البرقی۔

۱۰۔ رسالۂ علی بن الحسین۔ جو انھوں نے اپنے صاحبزادے شیخ صدوق کو تحریر فرمایا۔

علاوہ بریں اور بھی اصول و مصنفات جن کا فہرست کتب میں تذکرہ ہے اور اُن کو مؤلف نے اپنے مشائخ و اسلاف سے روایت کیا ہے، اس کتاب میں پانچ ہزار نو سو ساٹھ (۵۹۶۰) احادیث ہیں جن میں سے تین ہزار نو سو تیرہ (۳۹۱۳) حدیثیں مسند اور دو ہزار پچاس حدیثیں مرسل ہیں۔

صدوق علیہ الرحمہ کی وفات ۳۸۱ھ ہجری میں ہوئی۔

الشیعہ و فنون الاسلام میں لکھا ہے کہ ابو جعفر صدوق نے علم الحدیث میں چار سو کتابیں تالیف کیں جن میں سب سے بڑی کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ہے اور اس میں نو ہزار چالیس حدیثیں احکام و سنن میں ہیں۔

۳۔ تھذیب الاحکام

یہ شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی کی تصنیف ہے۔ شیخ الطائفہ ۳۸۵ھ ہجری میں متولد ہوئے۔ ۴۰۸ھ میں جب آپ کی عمر ۲۳ برس کی تھی عراق میں وارد ہوئے اور شیخ مفید علیہ الرحمہ کے درس میں شرکت کی، جب تک وہ زندہ رہے اُنھیں سے تعلیم حاصل کی اور مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کی اور اُن کے علمی کمالات کا ہر شخص نے اعتراف کیا اور موافق و مخالف سب اُن کے فیض سے مستفید ہونے لگے۔ ان کو اگرچہ ہر فن میں مہارت و کمال حاصل تھا مگر خصوصیت سے فقہ و حدیث میں تو امام وقت مانے جاتے تھے۔

تصنیف و تالیف کا بہت شوق تھا، اکثر اوقات علمی مشاغل ہی میں گذرتے تھے، تصنیف و تالیف درس و تدریس، فتویٰ و تعلیم احکام، علمی بحث و مناظرہ یہی اُن کے مشاغل تھے۔ بغداد میں قیام رہتا تھا۔ ۴۴۸ھ ہجری میں جب وہاں سُنی شیعہ کا جھگڑا ہوا، ان کی کتابیں نذر آتش کر دی گئیں۔ مکان جو باب الکرخ میں تھا جلا دیا

گیا تو نجف اشرف تشریف لے گئے اور ۴۶۶ھ ہجری میں وہیں انتقال فرمایا۔ ان کے مصنفات میں بہت سی کتابیں تھیں۔

کتاب تھذیب الاحکام کی تالیف

شیخ الطائفہ نے اپنے بعض احباب کی خواہش پر اس کتاب کو تالیف کیا ہے فروع کے متعلق جس قدر احادیث کا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے وہ مشکل سے کسی کتاب میں مل سکے گا۔

مؤلف علیہ الرحمہ نے جس قابلیت اور محنت سے اس کام کو انجام دیا ہے وہ اُن کے تبحرِ علمی پر شاہد عدل ہے۔ یہ کتاب شیخ مفید علیہ الرحمہ کی مشہور کتاب مقنعہ کی شرح ہے، چونکہ مقنعہ باوجود مختصر ہونے کے نہایت مکمل کتاب تھی اور اس میں ضروریات کے بیشتر احکام شرعیہ موجود تھے اس لئے اس کا انتخاب کیا، اور شرح شروع کر دی، مقنعہ کے ابتدائی ابواب جن کا تعلق توحید، عدل، نبوت، امامت سے ہے اس کی شرح نہیں کی گئی، بلکہ باب الطہارت سے شرح کی ہے اور تمام فروع کی شرح کی ہے یہ شرح تو برائے نام ہی ہے اصل میں حدیث کی ایک مستقل کتاب ہے۔

مؤلف علیہ الرحمہ نے عنوانات تو وہی قرار دیے ہیں جو مقنعہ کے ہیں مگر شرح میں پہلے تو مسئلہ کا ذکر کیا ہے پھر اُس پر حسب ذیل چیزوں سے استدلال کیا ہے۔

۱۔ ظاہر قرآن۔
۲۔ احادیث متواترہ یا وہ احادیث احاد جن کی صحت پر قرائن موجود ہوں۔
۳۔ اجماع مسلمین اگر اس مسئلہ میں موجود ہو،
۴۔ اجماعِ فرقہ شیعہ۔

بعد ازاں اِن مشہور احادیث کو لکھا ہے جو اس مسئلہ کے متعلق وارد ہوئی ہیں، پھر ان احادیث کا تذکرہ کر کے جو ان احادیث مشہورہ کے خلاف ہیں یا اُن کی ضد ہیں اُن سے بحث کی ہے۔

اگر کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو ان مختلف احادیث میں جمع کی صورت پیدا ہو جائے تو اس کا ذکر کیا ہے یا اگر ان میں کوئی وجہ فساد موجود ہو تو اس کو بھی تحریر کیا ہے خواہ وہ سند کا ضعف ہو یا فرقہ شیعہ کے علماء کا عمل اس حدیث کے مضمون کے خلاف ہو۔

اور اگر دونوں حدیثوں میں یکسانی ہو اور ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے اسباب موجود نہ ہوں تو اس حدیث پر عمل کو واجب بتایا ہے جو دلیل اصل کے موافق ہو اور مخالف پر عمل نہ ہو سکنے کا اظہار کر دیا ہے۔ اور جس حکم کے متعلق خاص طور سے کوئی نص نہیں تو اس کو مقتضائے اصل پر محمول کیا ہے۔

اور اسناد میں طعن کئے بغیر جہاں تک حدیث کی تاویل ہو سکتی تھی وہ کی ہے اور یہ بھی کوشش کی ہے کہ جو تاویل کی گئی ہے اس معنی

کی کوئی دوسری حدیث وارد کر دی گئی ہے۔

اور اس کتاب میں ہر مسئلہ کے متعلق اس قدر وضاحت کی گئی ہے کہ ناظرین کے لئے کسی قسم کا التباس واشتباہ باقی نہ رہے۔

رسالۂ مقنعہ میں جو فتاوی ہیں صرف اُنھیں کے لئے احادیث کو وارد کیا گیا ہے خواہ وہ موافق ہوں یا مخالف اور اس سے زیادتی نہیں کی گئی ہے۔

الشیعہ وفنون الاسلام میں لکھا ہے کہ شیخ الطائفہ نے اپنی کتاب "تہذیب الاحکام" کو تین سو ترانوے ۳۹۳ ابواب پر منقسم کیا ہے اور اس میں تیرہ ہزار پانچ سو نوے ۱۳۵۹۰ احادیث کو تحریر کیا ہے۔

۴۔ الاستبصار فیما اختلف من الاخبار یہ کتاب بھی شیخ الطائفہ صاحب "تہذیب الاحکام" کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بھی احکام حلال وحرام میں ہے پہلے ابواب کا عنوان قرار دیا ہے پھر ان احادیث کا تذکرہ کیا ہے جو مؤلف کی نظر میں معتمد علیہ تھیں پھر اس کی مخالف احادیث لکھ کر صورت جمع لکھی ہے یہ کتاب بھی بڑی نادر اور مؤلف کی علمی جلالت قدر پر روشنی ڈالنے والی ہے۔ اس کتاب میں پانچ ہزار پانچسو گیارہ احادیث ہیں۔

الشیعہ وفنون الاسلام میں لکھا ہے کہ استبصار کے ابواب نو سو ۹۲۰ بیس ہیں جن میں پانچ ہزار پانچ سو گیارہ ۵۵۱۱ حدیثیں ہیں۔

شیخ الطائفہ علیہ الرحمہ کی دونوں کتابوں کا (تہذیب و استبصار) خصوصاً تہذیب میں فروع کے متعلق احادیث کا اتنا ذخیرہ موجود ہے جو ایک مجتہد و فقیہ کے لئے بہت کافی و وافی ہے، فقیہ کو احکام کے متعلق جن احادیث کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس میں موجود ہیں پھر فقہی استدلال اور اصول و رجال پر تنبیہ مختلف احادیث میں جمع کرکے نقل و اخبار سے شاہد اس پر مستزاد ہیں شیخ کے بعد جس قدر بھی فقہار و مجتہدین ہوئے اُنھوں نے ان ہی کی کتابوں سے استفادہ کیا۔

شیخ الطائفہ نے چونکہ اپنی کتابوں میں احادیث مختلفہ کو جمع کیا اور ان میں وجہ جمع بھی پیدا کی جس کی وجہ سے ان کے فتاوی میں بھی اختلاف ہوا جیسا کہ اُن کی کتابوں سے واضح ہوتا ہے اس کی وجہ سے علمائے شیعہ کو جرأت ہوئی اور اُن کے فتاوی میں بھی اختلاف واقع ہوا اگرچہ ہر ایک عالم کا فتوی شیخ کے کسی نہ کسی قول کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اور فتوی کا یہ اختلاف شیخ الطائفہ سے قبل نہ تھا اس لئے کہ علماء شیعہ کے عمل کا دارومدار کتاب **کافی** کی احادیث پر تھا اور اس کی احادیث میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔

کتب اربعہ کے مصنفین میں ہر ایک کا نام محمد ہے اس لئے ان کو محمدین ثلثہ کہتے ہیں، جس طرح یہ تینوں بزرگوار نام میں شریک ہیں اسی طرح کنیت میں بھی شریک ہیں اور تینوں کی کنیت ابوجعفر ہے۔

ثقۃ الاسلام کے زمانہ سے شیخ الطائفہ کے زمانہ تک حدیث کی صرف یہی چار کتابیں تصنیف نہیں ہوئیں بلکہ بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں مگر ان کو وہ شہرت و مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جو کتب اربعہ کے لیے حاصل ہو گئی۔

کتب اربعہ کی احادیث

متذکرہ بالا چاروں کتابیں فرقہ شیعہ میں معتبر و مستند سمجھی جاتی ہیں مگر ان کے معتبر و مستند ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر کوئی حدیث ایسی ہو جس میں شرائط قبول موجود نہ ہوں تو صرف اس بنا پر حجت ہو جائے کہ کتب اربعہ میں موجود ہے۔

اسی طرح جس حدیث میں شرائط قبول موجود ہوں اور وہ کتب اربعہ میں نہ ہو تو وہ صرف اس بنا پر غیر معتبر اور ناقابل عمل نہ ہوگی کہ کتب اربعہ میں موجود نہیں ہے۔ اگر وہ حدیث کسی ایسی کتاب میں موجود ہو جس کا مؤلف معلوم ہو اور وہ ثقہ و معتبر ہو جیسے عیون اخبار الرضا و خصائل وغیرہ تو یہ حدیث اسی طرح حجت ہوگی جس طرح کتب اربعہ کی وہ حدیث حجت ہوتی ہے جس میں شرائط قبول موجود ہوں۔

حدیث کے حجت ہونے نہ ہونے کا معیار کتب اربعہ میں موجود ہونے نہ ہونے پر نہیں ہے بلکہ ان امور کی جانچ کر لینے پر ہے جن سے حدیث کو قبول کیا جاتا ہے اور خبر واحد کی حجیت کے متعلق جن دلائل کو ہم ذکر کر چکے ہیں وہ بھی ان اخبار و احادیث کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں جو کتب

اربعہ میں موجود ہوں بلکہ عام ہیں، جس حدیث میں بھی شرائط قبول موجود ہوں گے اس پر عمل کیا جائے گا خواہ وہ کتب اربعہ میں موجود ہو یا کسی دوسری معتبر کتاب میں اور علماء کا طرز عمل بھی یہی رہا ہے کہ وہ کتب اربعہ کی احادیث نیز ان احادیث پر عمل کرتے رہے ہیں جو دوسری معتبر کتابوں میں موجود ہیں جیسا کہ ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے، یہ ضرور ہے کہ کتب اربعہ کے علاوہ دیگر کتب احادیث کی روایتوں پر عمل کم رہا ہے اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ فرعی احکام سے جو احادیث متعلق ہیں وہ زیادہ تر انھیں کتابوں میں ہیں اور کتابوں میں کم ہیں۔

کتب اربعہ کی شہرت کا سبب

کتب اربعہ کے مصنفین کی جلالتِ قدر ان کے فضائل و کمال اور تبحر علمی کے علاوہ کتب اربعہ کی شہرت کا بڑا سبب ایک یہ بھی ہو گیا کہ ان سے قبل جو احادیث کی کتابیں تصنیف ہوئیں وہ زیادہ تر ایسی تھیں کہ ان میں ابواب و عنوانات نہ تھے، بلکہ احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا تھا" اگر کسی خاص حدیث کو دیکھنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو ناظرین کو سخت زحمت گوارا کرنا پڑتی تھی، کل کتاب کو دیکھنا پڑتا تھا جب وہ حدیث ملتی تھی جس کی وجہ سے وقت بھی زیادہ صرف ہوتا تھا اور دقت بھی ہوتی تھی۔

کتب اربعہ کے مصنفین نے اس دقت و دشواری کو دور کرنے

کے لئے اپنی کتابوں کو ابواب پر تقسیم کیا اور عنوانات قائم کئے جس سے سہولت اور آسانی پیدا ہو گئی کہ جس مضمون کے متعلق حدیث دیکھنے کی ضرورت ہو اُس مضمون کے لئے جو عنوان اور باب قائم کیا گیا ہے اُس میں دیکھا جائے وہ حدیث مل جائے گی پوری کتاب اور تمام احادیث پر نظر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

چونکہ ناظرین کو اس ترتیب سے بہت فائدہ پہنچا اور ان کو احادیث کے تلاش کر لینے میں بہت کچھ آسانی ہو گئی، وقت بھی بہت کم صرف ہوا علاوہ بریں ان کتابوں میں احادیث کا ذخیرہ بھی بہت کچھ جمع تھا اس لئے علماء نے زیادہ تر انھیں کتابوں سے کام لینا شروع کر دیا اور سابقہ کتابیں متروک ہو گئیں یہاں تک کہ زیادہ تر دار و مدار انھیں کتابوں پر ہو گیا۔

لیکن جو احادیث کہ کتب اربعہ میں موجود نہیں ہیں ان کا کتب اربعہ میں موجود نہ ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ کتب اربعہ کے مصنفین کے نزدیک وہ معتبر نہ ہوں گی اس وجہ سے اُنھوں نے اِن احادیث کو چھوڑ دیا، اس لئے کہ کتب اربعہ کے مصنفین نے اس امر کا کہیں اظہار نہیں کیا کہ انھوں نے یہ قصد کر لیا تھا کہ تمام معتبر احادیث کو ان کتابوں میں جمع کر دیں کیونکہ یہ دشوار ہی نہیں بلکہ ایک حد تک محال عادی بھی تھا اس لئے کہ اس وقت آمد و رفت کی وہ سہولتیں موجود نہ تھیں جو اب موجود ہیں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے

کہ جو احادیث ان کو دستیاب ان کو جمع کردیں اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انھوں نے کل احادیث معتبرہ کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اور ان کو جمع بھی کیا اور صرف ان روایات کو ترک کر دیا جو اُن کی نظر میں غیر معتبر تھیں تو یہ اجتہاد تھا جس کی تقلید ہمارے اوپر فرض نہیں ہے۔

کتب اربعہ کے علاوہ حدیث کی اور کتابیں

کتب اربعہ کے مصنفین کو محمدین ثلثۃ الاوائل کہا جاتا ہے اس لئے کہ ان کے بعد علماء سے تین بزرگوار اور ایسے گذرے ہیں جنھوں نے حدیث کی بڑی بڑی کتابیں تصنیف فرمائیں اور اُن کو محمدین ثلثۃ الاواخر کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ مولانا محمد باقر بن محمد التقی المجلسیؒ جو علامہ مجلسیؒ مشہور ہیں انھوں نے حدیث میں "بحار الانوار" جس کی نہایت مبسوط اور ضخیم ۲۶ جلدیں ہیں تصنیف فرمائی ہے یہ سب کتابوں سے جامع تر ہے۔

۲۔ علاّمہ محمد بن مرتضیٰ بن محمود جو مُلّا محسن کاشانی مشہور ہیں اور ان کا لقب فیض ہے اُنھوں نے حدیث میں وافی تالیف فرمائی ہے، جس میں کتب اربعہ کی احادیث ہیں اور جا بجا احادیث کے فقرات

کی وضاحت بھی کی ہے، ان کی وفات ۱۰۹۱ھ ہجری میں ہوئی اُن کے مصنفات میں قریب قریب دو سو ۲۰۰ کتابیں ہیں۔

۳۔ علامہ محمد بن الحسن الحر الشامی العاملی المشغری اُنھوں نے حدیث میں "وسائل الشیعہ الیٰ تحصیل احادیث الشریعہ" کتب فقیہہ کی ترتیب پر تالیف کی ہے۔

مؤلف علیہ الرحمہ نے حدیث کی اسی کتابوں سے جو ان کے پاس موجود تھیں احادیث کو لیا ہے اور ستر کتابوں سے بالواسطہ نقل کیا ہے، ان کی وفات ۱۱۰۴ھ ہجری میں ہوئی ہے۔

ان کے علاوہ حدیث میں اور بھی بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں جن کا تذکرہ طوالت سے خالی نہیں صرف دو چار کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل۔ تالیف العلامہ حسین النوری، اس کتاب کو وسائل کے ابواب کے اوپر لکھا ہے اور صاحب وسائل سے جو رہ گیا تھا وہ اُنھوں نے اس میں پورا کر دیا اور اسی لئے اس کا نام مستدرک الوسائل رکھا، یہ احادیث میں بڑی کتاب ہے اور مثل کتاب الوسائل ہی کے ہے۔ مؤلف اس کی تصنیف سے ۱۳۱۹ھ ہجری میں فارغ ہوئے اور ۱۳۲۰ھ میں وفات پائی۔

۲- شرح الاستبصار فی احادیث الائمۃ الاطہار

تالیف الشیخ قاسم بن محمد بن جواد ہے جو ابن الوندی اور فقیہ کاظمی مشہور ہیں اور شیخ محمد بن الحسن الحر العاملی صاحب الوسائل کے معاصر ہیں، یہ بھی بڑی کتاب ہے اور چند جلدوں میں ہے۔

۳- جامع الاخبار فی ایضاح الاستبصار

تالیف الشیخ الفقیہ عبداللطیف بن علی بن احمد بن ابی جامع الحارثی الہمدانی الشامی العاملی یہ بھی بڑی کتاب ہے جو چند جلدوں میں ہے۔

۴- الشفافی حدیث آل المصطفیٰ

تالیف الشیخ محمد رضا بن الشیخ عبداللطیف التبریزی یہ کتاب بھی چند جلدوں میں ہے، مولف نے اس کی تالیف سے ۱۱۵۸ھ میں فراغت پائی۔

۵- جامع الاحکام

تالیف السید العلامہ عبداللہ بن السید محمد رضا الشبری الکاظمی، یہ کتاب پچیس (۲۵) بڑی جلدوں میں ہے، علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے بعد ان سے زیادہ کثیر التصانیف کوئی عالم نہیں ہوا ان کی وفات ۱۲۴۲ھ ہجری میں کاظمین میں ہوئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہ الطاہرین

ثقۃ الاسلام کے حالات

ان کا نام "محمد" کنیت ابو جعفر" تھی، یعقوب بن اسحاق الرازی کے صاحبزادے اور علان الکلینی کے بھانجے تھے۔

کلین جورے میں ایک قریہ ہے وہاں کے رہنے والے تھے ان کے باپ یعقوب بن اسحاق کا وہاں مقبرہ بنا ہوا ہے جو مشہور مزار ہے۔

ثقۃ الاسلام کی نشوونما و تعلیم کے حالات کا پتہ نہیں چلا مگر خیال ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے ماموں ابوالحسن علی بن ابراہیم بن ابان الرازی الکلینی سے جو علان کلینی کے ساتھ مشہور ہیں تعلیم حاصل کی ہوگی اس لئے کہ علان الکلینی فاضل اور صاحب تصانیف تھے، اُن کے مصنفات میں کتاب اخبار القائم ہے۔

علان کلینی مکہ معظمہ کے راستہ میں قتل کئے گئے، انھوں نے حضرت صاحب الامر سے حج کیلئے مکہ معظمہ جانے کی اجازت مانگی تھی جس کے بعد حضرت

لہ رجال نجاشی

کا فرمان صادر ہوا کہ اس سال مکہ جانے سے توقف کرو انھوں نے مخالفت کی (اور مکہ چلے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راستہ میں قتل کر دیے گئے) ثقۃ الاسلام اپنے ماموں سے روایت بھی کرتے ہیں۔

بہر حال ثقۃ الاسلام کی تعلیم کے حالات بہت کچھ مجہول ہیں اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اُنھوں نے کن بزرگواروں سے پڑھا اور کہاں، مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں سر آمد علما ر تھے ان کا شُہرہ بھی دور دور تھا دور دراز کے بعض شیعوں نے ان سے کتاب کافی لکھنے کی فرمائش کی تھی جس پر اُنھوں نے اس کتاب کو تالیف کیا۔

ثقۃ الاسلام نے غیبت صغرےٰ کے زمانہ میں کافی کو بکمال احتیاط بیسؔ سال کے عرصہ میں تصنیف کیا ہے، اس زمانہ میں سفرار امام عصر کے توسط سے مومنین اپنے مطالب کو امام کی خدمت میں عرض کرتے تھے ان کے علاوہ وکلار بھی تھے مومنین سے مال خُمس و زکوٰۃ وصول کر کے امامؑ کی خدمت میں پہنچاتے تھے، ثقۃ الاسلام بغداد میں سفرار کے پاس رہتے تھے، اور احادیث کے متعلق بحث و مباحثہ اور تنقید کا اچھا خاصہ موقع تھا ان کو غیبت صغرےٰ کا زمانہ مل گیا تھا، اسی زمانہ میں اُنھوں نے کافی کو بیسؔ سال کی محنت اور عرق ریزی میں تالیف کیا، بعض حضرات سے تو یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ کافی حضرت صاحب الامر کے حضور میں بھی پیش ہوئی اور حضرتؑ نے اُسے ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ ــــــ یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔

اگرچہ کافی کا امام عصر کے حضور میں پہنچنا اور حضرت کا اس کے متعلق یہ

ارشاد فرمانا کہ یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا
مگر اس امر میں کوئی شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ کتاب شیعوں کے لئے اسم با مسمیٰ
کافی ہے اس لئے کہ مذہب شیعہ کے تمام ضروریات کے متعلق احادیث کا ذخیرہ
اس میں موجود ہے خواہ وہ ضروریات اصول دین سے ہوں یا فروغ دین
سے یا اخلاق و معاشرت سے، ہر شخص اس کتاب کے مطالب پر نظر کر کے
اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ یہ کتاب علوم کا ایک ذخّار دریا ہے جس میں غوطہ
لگا کر بے شمار زر و جواہر حاصل کئے جا سکتے ہیں، اس کتاب نے ثقۃ الاسلام
کی جلالتِ قدر اور تبحرِ علمی کو روز روشن کی طرح واضح و آشکار کر دیا ہے اور
ان کی علمی دستگاہ کا ہر موافق و مخالف کو اعتراف کرنا پڑا۔

ثقۃ الاسلام کی تصنیفات میں کافی آخری تصنیف ہے ان کے مصنفات
میں کافی کے علاوہ حسبِ ذیل کتابیں بھی ہیں۔

۱۔ کتاب الردّ علی القرامطہ۔ ۲۔ کتاب رسائل الائمہ۔ ۳۔ کتاب تعبیر الرؤیا
۴۔ کتاب الرجال۔ ۵۔ کتاب ماقیل فی الائمہ من الشعر۔

وفات ثقۃ الاسلام نے شعبان ۳۲۹ھ میں انتقال کیا یہ سنہ
تناثر النجوم[1] کہلاتا ہے، ابو الحسن علی بن محمد السمری جو امامِ عصر کے آخری سفیر
تھے اُنھوں نے بھی اسی سنہ میں انتقال فرمایا۔ فہرست شیخ طوسی میں ثقۃ الاسلام
کا سنہ وفات ۳۲۸ھ تحریر ہے۔

---

[1] ستارے ٹوٹنے کا سال ۱۲

بعض علماء نے لکھا ہے کہ بغداد کے بعض حکام نے جب دیکھا کہ لوگ قبور ائمہ کی زیارت کے دلدادہ ہیں تو اُس نے عداوت سے امام کی قبر کھودنے کا ارادہ کیا اور کہا کہ رافضیوں کے خیال کی بنا پر وہ صاحب فضل و شرف ہیں تو قبر میں موجود ہوں گے ورنہ ہم لوگوں کو قبور ائمہ کی زیارت سے منع کر دیں گے۔ پس حاکم بغداد سے کسی شخص نے یا ایک قول کی بنا پر اس کے وزیر نے کہا کہ شیعہ اپنے علماء کے بارے میں بھی اس امر کے مدعی ہیں جس کے ائمہ کے بارے میں مدعی ہیں اور یہاں ان کے ایک مشہور عالم مدفون ہیں جن کا نام محمد بن یعقوب کلینی ہے اور ان علمائے شیعہ سے ہیں جن پر شریعت کا دار و مدار ہے لہٰذا آزمائش کے لئے ان کی قبر کھودنا کافی ہے، پس حاکم بغداد نے حکم دیا چنانچہ قبر کھودی گئی تو ان کو قبر میں اسی طرح پایا کہ گویا ابھی دفن کئے گئے ہیں۔ پھر اُس حاکم نے ایک بڑا قبہ ان کی قبر پر بنوایا اور ان کی قبر کے احترام و تعظیم کا حکم دیا۔ اور ان کی قبر ایک زیارت گاہ ہو گئی۔

صاحب کافی علماء اہلسنت کی نظر میں

اہلسنت و جماعت کے بڑے بڑے علماء نے صاحب کافی کی علمی جلالت قدر کا اعتراف کیا ہے بلکہ بعض نے تو ان کو تیسری صدی کے مجددین شریعت میں شمار کیا ہے جو اُن کی انتہائی جلالتِ قدر پر روشنی ڈالتا ہے۔

۱۔ علامہ طیبی جو اہلسنت و جماعت کے مشہور عالم ہیں اور علوم عربیہ و معقولات اور معانی بیان میں تو امام زمانہ اور علامۂ وقت مانے گئے ہیں وہ شرح مصابیح

یں آنحضرتؐ کی حدیث :-

ان اللہ عزّوجلّ یبعث لھٰذہ الامۃ علیٰ راس
کلّ مأۃ سنۃ من یجدد ھا

خداوند عالم اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں
کوئی نہ کوئی مجدد و شریعت مبعوث فرماتا ہے۔

کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں[1] :-

اس حدیث میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ اس مجدد سے کیا مراد ہے۔
ہر ایک نے من یجدد ھا کا مشار الیہ اپنے مذہب کے موافق
قائم آخرالزمانؑ کو قرار دیا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ حدیث کو عموم پر محمول
کیا جائے اس لئے کہ لفظ من جو حدیث میں ہے وہ واحد اور جمع سب
کے لئے بولا جاتا ہے بلکہ فقہاء کے ساتھ بھی مخصوص نہیں ہے اسلئے
کہ اس لئے کہ اس گروہ سے اگرچہ اُمّت بہت کچھ فائدہ اٹھاتی ہے
مگر ساتھ ہی اس کے اولی الامر اصحاب حدیث قرّاء اور واعظین
وزہاد سے اُمّت بہت منتفع ہوتی ہے کیونکہ دین اور قوانین سیاست
کی حفاظت عدل وانصاف جاری کرنا اولی الامر کا وظیفہ ہے اور
قرّاء واصحاب حدیث سے یہ فائدہ ہے کہ وہ قرآنی آیات واحادیث کو جو
احکام شریعت کے ماخذ و دلیل ہیں منضبط کرتے ہیں اور واعظین و زہاد

---

[1] از روضات الجنات ۱۲ -

اپنے مواعظ سے فائدہ پہنچاتے پرہیزگاری اور ترک دنیا کی طرف رغبت دلاتے ہیں اس بنا پر جس مجدّد کی طرف حدیث میں اشارہ ہے چاہیئے کہ وہ فقہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ ہر صدی کے شروع میں ہر فن کا ایک مجدد مبعوث ہو۔

اس کے بعد علامۂ موصوف نے پہلی اور دوسری صدی کے مجددین کا تذکرہ کر کے تیسری صدی کے مجدّدین کے متعلق تحریر کیا ہے کہ

اور تیسری صدی کے اولی الامر میں "المقتدر باللہ" اور فقہا میں ابو العباس شریح الشافعی، ابو جعفر الطحاوی الحنفی، ابن حلال الحنبلی، ابو جعفر الرازی الامامی اور متکلمین میں ابو الحسن الاشعری اور قرا میں ابو بکر احمد بن موسیٰ بن مجاہد اور محدثین میں ابو عبد الرحمان النسائی مجدد ہوئے۔

بعد ازاں چوتھی اور پانچویں صدی کے مجددین کو بتا کر تحریر کیا ہے کہ یہ سب لوگ اس اُمّت میں مشہور و معروف ہوئے ہیں۔

علامۂ طیبی نے تیسری صدی کے مشہور فقہا میں جن کو اس صدی کا مجدّد شریعت بتایا ہے، ابو جعفر الرازی الامامی کا بھی تذکرہ کیا جن سے ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی الرازی مراد ہیں۔

۲- ابن اثیر جزری نے کتاب "جامع الاصول" میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

---

[۱] روضات الجنات ۱۲

ابوجعفر محمد بن یعقوب الرازی مذہب اہلبیتؑ میں پیشوا اور امام گذرے ہیں، ان کے مذہب کے بڑے عالم اور اُن کے نزدیک مشہور عالم ہیں، اور ان کا ذکر ان لوگوں میں ہوا ہے جو تیسری صدی کے مجدد شریعت تھے۔

۳۔ حافظ ابوالفضل شیخ الاسلام شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی جو علماء اہلسنت میں جلیل القدر عالم گذرے ہیں اور خصوصیت سے علم حدیث میں نہایت باکمال اور یکتائے زمانہ سمجھے جاتے ہیں بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں کتاب تبصیرہ میں لکھتے ہیںؒ کہ

ابوجعفر محمد بن یعقوب الکلینی مقتدر باللہ کے زمانہ میں شیعوں کے رؤسا و فضلا سے ہیں اور وہ کلین کی طرف منسوب ہیں جو عراق میں ایک قریہ ہے۔

صاحب کافی علماء شیعہ کی نظر میں

۱۔ ابوالعباس احمد بن علی بن احمد بن العباس النجاشی اپنی رجال کی مشہور و مستند کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

محمد یعقوب بن اسحاق ابوجعفر الکلینی الرازی تھے، رے میں اپنے زمانہ کے علماء میں شیخ اور ان سے ممتاز تھے اور حدیث میں تمام علماء سے زیادہ باوثوق اور محل اعتماد تھے۔

لہ روضتہ الجنات ۱۲

۲۔ شیخ الطائفہ محمد بن الحسن بن علی الطوسی جو علمائے شیعہ میں بڑے جلیل القدر اور متبحر عالم گزرے ہیں اور حدیث میں بڑے ماہر تھے، کتب اربعہ میں ان کی دو کتابیں جو نہایت مشہور اور معتبر ہیں وہ ثقۃ الاسلام کے متعلق اپنی فہرست میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ :۔

محمد بن یعقوب الکلینی ثقہ اور احادیث کی معرفت رکھنے والے ہیں۔

اور کتاب رجال میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ :۔

محمد بن یعقوب الکلینی جلیل القدر احادیث کے جاننے والے ہیں۔

۳۔ عزۃ الملۃ والدین حسین بن عبد الصمد بن محمد الحارثی الہمدانی العاملی الجبعی جو بڑے متبحر عالم اور شیخ بہائی کے والد تھے کتاب الدرایہ میں ثقۃ الاسلام کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی اپنے زمانہ کے شیخ اور سرآمد علماء و عقلاء تھے۔ حدیث میں تمام علماء سے زیادہ موثق اور سب سے زیادہ حدیث کی معرفت رکھنے والے تھے۔

۴۔ مولانا محمد تقی بن مقصود علی المجلسی الاصفہانی جو ملا محمد باقر مجلسیؒ کے والد ہیں اور زبردست عالم ہیں اور حدیث کی مشہور کتاب من لا یحضرہ الفقیہ کے شارح بھی ہیں جس کا نام روضۃ المتقین فی شرح اخبار الائمۃ المعصومین مولانائے موصوف ثقۃ الاسلام کے متعلق

تحریر فرماتے ہیں کہ:-

اقوال علماء کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کلینی پر سب سے زیادہ وثوق واعتماد ہے، اور ان کے بعد صدوق پر اور اُن کے بعد شیخ ابوجعفر طوسی پر اگرچہ شیخ ابوجعفر طوسی کا فضل وشرف پوشیدہ نہیں ہے اور مثل ان کے کسی عالم کے لئے فضل وشرف نہیں لیکن بوجہ کثرت تصانیف کبھی اُن سے یا اُن کی کتاب کے لکھنے والوں سے سہو بھی واقع ہو جاتا ہے، بخلاف کلینی کے کہ اُنھوں نے اس ایک کتاب (کافی) کو بیس برس کے عرصہ میں تصنیف کیا۔

۵۔ محمد باقر بن الحاجی امیر زین العابدین الموسوی الخوانساری "روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات میں ثقۃ الاسلام کے حالات لکھتے ہیں:-

ثقۃ الاسلام کی شان ایسی اجل وارفع ہے کہ وہ فریقین کے علماء پر مخفی رہنے کے قابل نہیں ہے اور ہر صاحب نظر کے نزدیک ان کا فضل وشرف ایسا واضح ہے جس کی روشنی ہمارے درمیان سے محو نہیں ہو سکتی یہ بزرگوار حقیقت میں امین اسلام اور طریقت میں بڑے بڑے علماء کے ہادی ورہبر اور شریعت میں جلیل القدر ہیں۔

له روضات الجنات ۱۲۔

ان کے ثقہ اور قابل اعتماد ہونے میں کسی ایک شخص کو بھی کلام نہیں ان کا پیشوایان دین کے نزدیک عظیم المنزلت ہونا مسلّم ہے، ان کے فضل و شرف کے لئے یہ امر کافی ہے کہ علمائے فرقۂ امامیہ نے اس امر پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ محمد بن ثلاثہ[1] میں جنھوں نے کتب اربعہ کو تصنیف و تالیف کیا ہے اور شریعت مطہرہ کے رؤسا ہیں (ثقۃ الاسلام) سب سے زیادہ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

کافی علماء شیعہ کی نظر میں

۱۔ شمس الملۃ والدین ابو عبداللہ محمد بن الشیخ جمال الدین المکی العاملی الجزینی جو جلیل القدر عالم متبحر تھے اور شہید اول مشہور ہیں انھوں نے اپنے اجازہ میں جو شیخ فقیہ علی بن الخازن الحائری کو عطا فرمایا تھا کتاب کافی کے متعلق تحریر فرمایا تھا کہ

---

[1] محمد بن ثلاثہ سے

۱۔ ثقۃ الاسلام ابو جعفر بن محمد بن یعقوب الرازی الکلینی صاحب کتاب کافی۔

۲۔ ابو جعفر محمد بن علی بن موسیٰ بن بابویہ القمی الملقب بالصدوق صاحب من لا یحضرہ الفقیہ۔

۳۔ شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی صاحب کتاب تہذیب الاحکام و کتاب الاستبصار مراد ہیں چونکہ تینوں کا نام محمد ہے اس لئے ان کو محمد بن ثلاثہ کہتے ہیں ۱۲

کافی کے مثل فرقۂ امامیہ میں کوئی کتاب تیار نہیں ہوئی۔

۲۔ الشیخ الاجل زین الدین بن علی بن احمد بن محمد بن علی جمال الدین الجبعی العاملی جو شہید ثانی کے ساتھ مشہور ہیں اور جن کی جلالتِ قدر رفعت شان، تبحر علمی، فضل و کمال کا موافق و مخالف سب کو اعتراف ہے وہ کافی کے متعلق شرح درایۃ الحدیث میں تحریر فرماتے ہیں کہ

احکام شریعت کا ان چار سو مصنفات پر دار مدار تھا جن کو چار سو مصنفین نے حدیث میں لکھا تھا اور ان کا نام اصول اربعۃ رکھا تھا۔ انھیں پر ان کا اعتماد تھا، پھر حوادثِ زمانہ سے اکثر اصول ناپید ہو گئے اور ان اصول کو علماء کی ایک جماعت نے لوگوں کی سہولت کے لئے بطور خلاصہ مخصوص کتابوں میں جمع کر لیا، اور جن کتابوں میں یہ اصول جمع کئے ان سب میں محمد بن یعقوب کلینی کی کافی اور شیخ ابو جعفر طوسی کی تہذیب بہتر ہے[1]

۳۔ الشیخ الجلیل علی بن عبد العالی الکرکی العاملی جو بڑے پایہ کے عالم تھے اس اجازہ میں جو انھوں نے قاضی صفی الدین عیسیٰ کو عطا فرمایا تھا تحریر فرمایا ہے کہ:۔

جن روایات کا میں اجازہ دیتا ہوں منجملہ ان کے[2] الشیخ الامام السعید الحافظ المحدث الثقہ جامع احادیث اہل البیت ابی جعفر محمد بن یعقوب الکلینی کے تمام مصنفات و مرویات ہیں اور وہ (ابو جعفر)

---

[1] روضات الجنات ۱۲ [2] روضات الجنات ۱۲

حدیث کی ایک بڑی کتاب کافی کے مصنف ہیں جس کے مثل کوئی
کتاب تصنیف نہیں ہوئی (الیٰ ان قال) اس کتاب میں شریعت
کی احادیث اور دین کے اسرار اس قدر جمع ہیں جو اس کے علاوہ
کسی اور کتاب میں نہیں ہیں۔

۴۔ العلامۃ الفہامہ مولانا محمد باقر بن محمد تقی بن مقصود علی الاصفہانی جو
علامہ مجلسی مشہور ہیں جن کے تبحر کا زمانہ معترف ہے، ان کے مصنفات میں حضرت
بحار الانوار ہی ایک ایسی کتاب ہے جو ان کے کمال علمی پر شاہد عادل ہے۔
بڑے باکمال اور وسیع النظر تھے احادیث پر بہت اطلاع رکھتے تھے کافی کے
متعلق اپنے خیالات کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے کہ:۔

کافی میں "اصول" سب کتابوں سے زیادہ منضبط اور
جمع ہیں اور وہ (کافی) فرقہ ناجیہ کے تمام تالیفات سے بہتر اور
بزرگ ہے۔

۵۔ مولانا الشیخ خلیل بن غازی القزوینی، جنھوں نے کافی کی ایک
شرح عربی میں کی ہے اور فارسی میں اس کا ترجمہ کیا ہے وہ کافی کے
متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ

حق یہ ہے کہ احادیث اہلبیت علیہم السلام کی کتابوں میں
کافی سب کتابوں سے عمدہ کتاب ہے۔

کافی کی مقبولیت

کافی کو جس قدر قبولیت عامہ حاصل ہوئی وہ کسی زیادہ بیان کی

محتاج نہیں، ہر زمانہ کے علماء خواہ وہ متقدمین ہوں یا متأخرین سب اس کو انتہائی وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اپنے معمولات میں اسی کی طرف رجوع کرتے تھے، جب سے یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے اس وقت سے آج تک اس کی مقبولیت یکساں رہی، تمام علماء کا دار و مدار اسی کتاب پر رہا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس سے زیادہ جامع اور کوئی کتاب تصنیف بھی نہیں ہوئی اسی لئے اس کی طرف توجہ زیادہ رہی اور ہے، علماء نے اس کی بہت کچھ خدمت بھی کی اس کی درس و تدریس ہوتی تھی اور اس کی روایت کے اجازے دیئے جاتے تھے بڑے بڑے علماء نے اس پر حواشی بھی لکھے، اسکی مشکلات کو حل کرنے کے لئے کتابیں لکھیں اور اس کی شرحیں تحریر کیں دوسری زبانوں میں اس کے تراجم بھی کئے گئے تاکہ اس کا نفع عام ہو اور ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے، اس مقام پر ہم بعض علماء کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنھوں نے اس کے حواشی یا شرحیں تحریر کیں یا جنھوں نے اس کے دوسری زبانوں میں ترجمہ کئے

کافی کے محشی اور شارحین

بہت سے علماء نے کافی پر حاشیہ تحریر کئے اور اس کی شرح کی جن میں سے بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ الشیخ محمد بن الحسن بن زین الدین (الشہید الثانی) العاملی۔

یہ متبحر عالم تھے، بڑے فقیہ اور محدث تھے ان کی بہت سی تصنیفات

ہیں، حدیث کی مشہور کتاب "تہذیب الاحکام" اور "استبصار" کے شارح بھی تھے، شاعری سے بھی شوق تھا ان کا ایک دیوان بھی ہے، جلیل القدر عالم اور خوش تقریر تھے انھوں نے اصول کافی پر ایک حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔

۲-۱ الشیخ علی بن محمد بن الحسن بن زین الدین الشہید الثانی العاملی الجبعی

یہ بھی بڑے متبحر عالم گذرے ہیں، ان کی تصنیفات میں بہت سی کتابیں ہیں انھوں نے کافی کی شرح لکھی جس کا نام الدر المنظوم فی کلام المعصوم ہے یہ شرح مکمل نہ ہو سکی صرف ایک جلد میں "کتاب العقل اور کتاب العلم" شائع ہوئی۔

۳- السید بدر الدین بن احمد الحسینی العاملی الانصاری

یہ شیخ بہائی کے شاگرد رشید تھے اور خود بھی بڑے عالم تھے، طوس میں مُدرّس تھے مشکل احادیث پر ان کے بہت سے حواشی ہیں۔ اُنھوں نے ایک لطیف حاشیہ اصول کافی پر بھی تحریر فرمایا ہے۔

۴- مولانا محمد امین الاسترآبادی۔

یہ بھی بڑے فاضل اور محدث تھے، انھوں نے بھی "اصول کافی" اور تہذیب کی شرح شروع کی (مگر شاید تمام نہ کر سکے)

۵- السید الاجل محمد باقر بن شمس الدین محمد الحسینی الاسترآبادی

یہ میر باقر داماد مشہور ہیں معقولات و منقولات دونوں میں یدطولیٰ حاصل تھا، ہر فن میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، منطق و فلسفہ میں تو یگانۂ روزگار تھے، الافق المبین اُن کی مشہور کتاب ہے جو اُن کے کمالِ علم پر دلیل روشن ہے، یہ شیخ بہائیؒ کے معاصر تھے اور صدر الدین محمد الشیرازی جو مُلّا صدرا مشہور ہیں ان کے شاگرد (تھے) یہ کثیر التصانیف تھے، انھوں نے حدیث کی مشہور کتاب "استبصار" کی بھی شرح کی ہے اور من لایحضرہ الفقیہ پر بھی حواشی لکھے ہیں۔

اُنھوں نے کافی پر بھی حواشی تحریر کئے ہیں، اور ان کی کتاب "الرواشح السماویہ فی شرح الاحادیث الامامیہ" کافی کی شرح میں مشہور کتاب ہے، یہ کتاب طبع ہو چکی ہے اور رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے جس میں کافی کے خطبہ اور دیباچہ کی شرح ہے اس کے ۳۹ رواشح ہیں جن میں فن حدیث کے متعلق بہترین ذخیرہ ہے۔

۶۔ صدر الدین محمد بن ابراہیم الشیرازی

یہ مُلّا صدرا مشہور ہیں، بڑے زبردست عالم تھے، حکمت میں مہارت تامہ رکھتے تھے، صدرا ان کی مشہور تصنیف ہے۔

کافی کی بھی انھوں نے شرح کی ہے۔

رامپور کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو کافی کے کتاب العقل اور کتاب العلم کی شرح ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے

کہ شارح نے کتاب العقل اور کتاب العلم کی شرح کو ۱۰۴۴ھ میں تمام کیا۔

۷۔ حسام الدین محمد صالح بن احمد المازندرانی

یہ مشہور عالم تھے، ملا محمد تقی کے داماد اور ملّا باقر مجلسی کے بہنوئی تھے بڑے فقیہ اور محدث تھے ان کی تصنیفات میں بہت سی کتابیں ہیں، حدیث کی مشہور کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" کی بھی اُنھوں نے شرح کی ہے۔

اُنھوں نے اصول کافی کی بھی لطیف شرح کی ہے جو نہایت اچھی شرح ہے کہیں کہیں مُلّا صدرا لشیرازی کی شرح پر اعتراض بھی کیا ہے۔

رامپور کے کتب خانہ میں اس شرح کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس میں "کتاب العقل والعلم" اور کتاب التوحید کی شرح ہے۔

علامۂ موصوف کمال درجہ محتاط تھے، اُنھوں نے فروع کافی کے احادیث کی شرح صرف اس خیال سے نہیں کی کہ شاید ان کو مرتبہ اجتہاد حاصل ہو حالانکہ اصول کی ہی شرح اس امر کو بتاتی ہے کہ علم فقہ میں ان کو کیا رفیع مرتبہ حاصل تھا۔

۸۔ رفیع الدین محمد بن السید حیدر الحسنی الطباطبائی

یہ میرزا رفیعا نائنی مشہور ہیں۔ ان کا شمار بھی جلیل القدر علماء میں ہے یہ علامہ مجلسی کے مشائخ سے ہیں، ان کی تصنیف سے کئی کتابیں ہیں۔

انھوں نے اصول کافی کی شرح بھی لکھی مگر تمام نہ ہوئی، رامپور کے کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ ہے جو ابتداء سے "کتاب التوحید باب المعانی الاسماء واشتقاقہا" تک ہے۔

علامہ موصوف نے کتاب العقل کتاب العلم، کتاب التوحید اور کتاب الحجۃ کی شرح کی ہے یہ شرح ایک حاشیہ کی حیثیت رکھتی ہے ۔

۹ - مولانا الشیخ خلیل بن غازی القزوینی

یہ مشہور عالم ہیں، شیخ بہائی اور میر باقر داماد کے شاگرد ہیں، ان کا مسلک اخباری تھا انھوں نے فخر العلماء خلیفہ سلطان الحسینی الملقب بسلطان العلماء کے اشارہ سے ۱۰۵۷ھ میں کافی کی شرح لکھنا شروع کردی جس کا نام "شافی فی شرح الکافی" رکھا ۔ یہ شرح وہ مکمل نہ کر سکے اور صرف ابواب طہارت شرح کی ۔

۱۰ - مولانا محمد باقر بن محمد تقی بن مقصود علی الاصفہانی

یہ علامہ مجلسی مشہور ہیں، بڑے متبحر اور جلیل القدر عالم تھے ۔ ان کے تبحر علمی کا ہر شخص معترف ہے علم حدیث میں تو یہ امام وقت ہی تھے، انھوں نے احادیث اور علوم شرعیہ کی جس قدر اشاعت کی وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انھوں نے اپنے زمانہ میں علوم کے دریا بہا دیے اور احادیث کی تو اس قدر خدمت کی کہ شاید ہی کسی نے کی ہو ۔

فارسی میں ترجمے کئے، حدیث میں ان کی کتاب "بحار الانوار" بڑی مکمل و مبسوط کتاب ہے جو علامہ موصوف کے محدث کامل ہونے پر شاہد عدل ہے ۔

علامۂ موصوف نے کافی کی شرح بھی کی ہے جس کا نام مرآۃ العقول فی شرح اخبار الرسول ہے۔ یہ شرح نہایت جامع اور مبسوط شرح ہے اور مؤلف کے خیال میں اس شرح سے بہتر کوئی شرح نہیں ہے، علامۂ موصوف نے ہر حدیث کے ساتھ یہ بھی تحریر کر دیا ہے کہ یہ حدیث کس قسم کی ہے۔

کافی کے مترجمین

بہت سے علمار نے کافی کا دوسری زبانوں میں ترجمہ بھی کیا تاکہ جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ اس سے فائدہ اُٹھا سکیں، اس مقام پر بعض مترجمین کا تذکرہ کرنا مناسب ہے۔

۱۔ مولانا الشیخ خلیل بن غازی القزوینی

انھوں نے کافی کی شرح عربی میں بھی کی ہے جس کا نام شافی ہے، علامہ موصوف نے کافی کا فارسی میں ترجمہ کیا جس کا نام "الصافی فی شرح الکافی" رکھا۔

اور اس ترجمہ کا سبب یہ ہوا کہ ۱۰۶۴ھ میں سلطان محمد الملقب بشاہ عباس الثانی الحسینی الموسوی الصفوی قزوین تشریف لائے۔ اس زمانہ میں علامۂ موصوف عربی میں شافی تحریر فرما رہے تھے، جب شاہ کو یہ معلوم ہوا کہ علامہ شرح کافی لکھ رہے ہیں تو انھوں نے فارسی میں ترجمہ و شرح کرنے کی فرمائش کی اور علامۂ موصوف نے صافی شروع کی اور غالباً اسی وجہ سے شافی

تکمیل نہ ہو سکی اور ناتمام رہ گئی۔

علامۂ موصوف نے بیس برس میں کافی کا ترجمہ کیا گویا جتنے دنوں میں کافی تصنیف ہوئی اتنے ہی دنوں میں اس کا ترجمہ بھی ہوا۔

۲۔ حیدر آبادی صاحب

ایک صاحب جو حیدر آباد دکن کے رہنے والے تھے یا وہاں ان کا قیام تھا انھوں نے کافی کے "کتاب الکفر والایمان" کے کچھ ابواب کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ علاّمہ مولانا ظہور حسین صاحب نے جب کافی کا اُردو ترجمہ شروع کیا تو موصوف نے اپنا ترجمہ بھیجدیا، تقریباً پندرہ برس ہوئے جب میں نے اس کو مولانا کے پاس دیکھا تھا ترجمہ مطلب خیز اور اچھا تھا، افسوس ہے کہ مترجم صاحب کا نام مجھے معلوم نہیں، خدا ان کو ان کی محنت کا صلہ عنایت کرے۔

۳۔ آیۃ اللہ مولانا السید ظہور حسین ابن السید فرزند علی البارہوی

یہ جلیل القدر اور متبحر عالم تھے، بالخصوص علم کلام اور معقولات میں مہارت تامہ رکھتے تھے "کتاب عرق جنب بجرام" اور کتاب اصالت برارت" اور کتاب الدر المنتظم فی حل الجذر الاصم" علامۂ موصوف کی تصنیفات میں ممتاز کتابیں ہیں، علامہ موصوف کی اردو میں بھی تصنیفات ہیں۔

علامۂ موصوف نے ــــ میں اصول کافی کا ترجمہ بھی شروع کیا

جس کا نام "القول الشافی فی حل اصول الکافی" ہے۔

اس ترجمہ کا سبب یہ ہوا کہ جنّت مکان نواب حامد علیخاں صاحب بہادر مرحوم فرمانروائے ریاست عالیۂ رامپور نے علاّمۂ موصوف سے فرمائش کی کہ احادیث کی کتب اربعہ کا اُردو میں ترجمہ کر دیا جائے تاکہ اس سے اردو داں بھی فائدہ اٹھا سکیں کافی چونکہ کتب اربعہ میں سب سے پہلی کتاب ہے اسلئے علاّمۂ موصوف نے اس کا ترجمہ شروع کیا اور "کتاب الایمان والکفر" سے ترجمہ کی ابتدا کی جس قدر ابواب کا ترجمہ طبع ہوا ہے اسی قدر ترجمہ بھی ہوا تھا۔ چونکہ درمیان میں نواب صاحب جنت مکان نے یہ فرمائش کر دی کہ اردو میں ایک ایسی کتاب لکھ دی جائے جس میں مذہب امامیہ کے کل ضروریات ہوں چنانچہ علاّمۂ موصوف نے اس کتاب کی تالیف کا سلسلہ شروع فرمایا اور نواب جنت مکان کے نام کی مناسبت سے اس کا نام جَامِع حَامِدِی رکھا اور اُسے اٹھارہ حِصّوں پر تقسیم کیا۔ اس کے چار حصّے طبع ہو کر شایع ہو گئے، التوحید۔ العدل۔ النبوت (عامّہ) خصائص معادیہ۔

اگرچہ جامع حامدی کی تالیف نہایت مفید تھی مگر اس کا افسوس ہے کہ کافی کا ترجمہ ناتمام رہ گیا، اگر وہ پورا ہو جاتا تو ایک بڑا علمی ذخیرہ اردو میں ہو جاتا۔

ترجمہ جس قدر بھی شایع ہوا ہے وہ بہترین ہے، صفحہ کے شروع میں اصل عربی عبارت ہے، اس کے نیچے ذرا جلی قلم سے ترجمہ ہے اس کے

بعد ایک لکیر کھینچ کر خفی قلم سے حاشیہ لکھا گیا ہے جو ایک شرح کی حیثیت رکھتا ہے اور نایاب چیز ہے۔

علامۂ موصوف کی وفات ۲۴ر دسمبر ۱۹۳۸ء روز شنبہ وقت عصر بمقام لکھنؤ ہوئی۔ اور جوار مقدس سید الشہداء کربلائے معلیٰ میں دفن ہوئے۔

۴-مولانا السید یوسف حسین بن حاجی سید مرتضی حسین امروہوی

مولانا موصوف نے بھی اصول کافی کا ترجمہ کیا ہے مگر نہایت مختصر، موصوف کا ترجمہ انجمن یوسفیہ میرٹھ کے ماہوار رسالہ ہادی میں جو مولوی محمد ممتاز حسین صاحب نقوی مرحوم ادیب فاضل، فقیہ فاضل، بدر الافاضل، کی زیر ادارت اور مولانا موصوف کی زیر سرپرستی میرٹھ سے شایع ہوتا تھا اس میں یہ ترجمہ بھی شایع ہوا ہے، چنانچہ رسالہ مذکور کی جلد ا کے نمبر ۶ و ۷ بابت ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۲۶ء و ۱۱ ر بابت ماہ مارچ ۱۹۲۷ء میں یہ ترجمہ ہم نے بھی دیکھا ہے۔

موصوف نے "کافی کے دیباچہ" اور کتاب العقل والجہل" کی بعض احادیث کا ترجمہ کیا ہے افسوس ہے کہ یہ ترجمہ بھی مکمل نہ ہوسکا۔

ترجمہ جس قدر بھی شایع ہوا ہے اچھا ہے اور جا بجا ضروری حواشی ہیں، یہ ترجمہ ۱۹۱۹ء میں شایع ہونا شروع ہوا اور مطبع احسن المطابع میرٹھ میں طبع ہوا۔

کافی دو حصوں پر منقسم ہے۔

۱- ایک اصول کافی کے نام سے مشہور ہے۔

۲- دوسرا فروع کافی کہلاتا ہے۔

کافی کی کتابیں اصول کافی آٹھ کتابوں پر مشتمل ہے اور فروع کافی اٹھائیس[۲۸] کتابوں پر، اور کافی چھتیس[۳۶] کتابوں کے مجموعے کا نام ہے۔

کافی کے ابواب کافی کی کتابوں کے ماتحت مختلف عنوانات قائم کیے گئے ہیں جن کو ابواب سے تعبیر کیا ہے، اصول کافی پانچسو ابواب پر اور فروع کافی ایک ہزار سات سو ستر[۱۷۷۰] ابواب پر مشتمل ہے، اور پوری کافی میں دو ہزار دو سو ستر ابواب ہیں جن میں ہر باب کے مناسب احادیث کو اس باب کے ماتحت درج کیا ہے۔

کافی کی احادیث اصول کافی میں تین ہزار سات سو تین[۳۷۰۳] حدیثیں ہیں اور فروع کافی میں گیارہ ہزار چار سو ستاون، اور کل کافی میں پندرہ ہزار ایک سو ساٹھ[۱۵۱۶۰] احادیث ہیں۔

اس مقام پر ہم نے ایک نقشہ مرتب کر کے منسلک کر دیا ہے جس سے ہر شخص کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ کافی میں کون کونسی کتابیں ہیں اور ہر کتاب کے اندر کس قدر ابواب اور کتنی احادیث ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	تعداد ابواب	تعداد احادیث	نمبر شمار	نام کتاب	تعداد ابواب	تعداد احادیث
۱-	کتاب العقل والجہل	۱	۳۴	۲	کتاب العلم	۲۲	۱۷۵

نمبر شمار	نام کتاب	تعداد ابواب	تعداد احادیث	نمبر شمار	نام کتاب	تعداد ابواب	تعداد احادیث
-۳	کتاب التوحید	۳۵	۲۱۱	-۲۰	کتاب الطلاق	۸۰	۴۹۸
-۴	کتاب الحجۃ	۱۲۹	۱۰۱۶	-۲۱	کتاب العتق والتدبیر والکتابۃ	۱۹	۱۱۳
-۵	کتاب الکفر والایمان	۲۰۸	۱۶۰۷	-۲۲	کتاب الصید	۱۷	۱۱۹
-۶	کتاب الدعاء	۶۱	۴۱۸	-۲۳	کتاب الذبائح	۱۵	۷۴
-۷	کتاب فضل القرآن	۱۴	۱۲۳	-۲۴	کتاب الاطعمہ	۱۳۴	۷۰۹
-۸	کتاب العشرہ	۳۰	۱۱۹	-۲۵	کتاب الاشربہ	۳۸	۲۶۶
-۹	کتاب الطهارة	۴۵	۳۲۱	-۲۶	کتاب الزی والتجمل	۴۶	۴۰۵
-۱۰	کتاب الحیض	۲۵	۹۳	-۲۷	کتاب المروۃ	۲۲	۱۴۵
-۱۱	کتاب الجنائز	۹۷	۵۶۵	-۲۸	کتاب الدواجن	۱۲	۱۰۲
-۱۲	کتاب الصلوٰۃ	۱۰۳	۹۲۲	-۲۹	کتاب الوصایا	۳۹	۲۴۱
-۱۳	کتاب الزکوٰۃ	۸۹	۵۲۹	-۳۰	کتاب المواریث	۶۶	۳۱۶
-۱۴	کتاب الصیام	۸۳	۴۵۳	-۳۱	کتاب الحدود	۶۳	۴۲۵
-۱۵	کتاب الحج	۲۳۷	۱۱۸۵	-۳۲	کتاب الدیات والقصاص	۷۵	۳۶۱
-۱۶	کتاب الجہاد	۲۶	۱۱۲	-۳۳	کتاب الشہادات	۲۳	۱۲۱
-۱۷	کتاب المعیشۃ	۱۵۸	۱۰۴۳	-۳۴	کتاب القضاء والاحکام	۱۹	۷۷
-۱۸	کتاب النکاح	۱۹۱	۹۸۶	-۳۵	کتاب الایمان والنذور والکفارات	۱۸	۱۴۳
۱۹	کتاب العقیقہ	۳۷	۲۱۷	-۳۶	کتاب الروضہ		۵۹۷
					میزان	۲۳۶۰	۱۵۱۶۰

کافی کی کتابوں کو ہم نے موجودہ مروجہ نسخوں کی بنا پر تحریر کیا ہے ورنہ کتابوں کی تعداد میں تھوڑا سا اختلاف ہے اس لئے کہ بعض نے دو دو کتابوں کو ایک کتاب شمار کیا ہے مثلاً موجودہ نسخوں میں کتاب "العقل والجہل" اور "کتاب العلم" کو جدا جدا تحریر کیا ہے، اور نجاشی نے بھی اپنی رجال میں کتاب العقل اور کتاب فضل العلم کو دو کتابیں شمار کیا ہے مگر شیخ الطائفہ علیہ الرحمہ نے اپنی فہرست میں ان دونوں کو جدا جدا شمار نہیں کیا بلکہ دونوں کو ایک ہی کتاب شمار کیا ہے۔

کتاب کی کمی اور زیادتی کا اثر ابواب یا احادیث پر نہیں پڑتا اس لئے کہ جن لوگوں نے دو کتابوں کو ایک قرار دیا ہے، انھوں نے دونوں کتابوں کے ابواب اور احادیث کو ایک ہی کتاب کے اندر مندرج کر دیا ہے، ابو العباس نجاشی اور شیخ الطائفہ نے کافی کی کتابوں کی تفصیل جو اپنی کتابوں میں فرمائی ہے وہ حسبِ ذیل ہے۔

نمبر شمار	تفصیل کتب کافی مطابق رجال نجاشی	تفصیل کتب کافی مطابق فہرست شیخ
۱۔	کتاب العقل	کتاب العقل وفضل العلم
۲۔	کتاب فضل العلم	کتاب التوحید
۳۔	کتاب التوحید	کتاب الحجۃ
۴۔	کتاب الحجۃ	کتاب الایمان والکفر
۵۔	کتاب الایمان والکفر	کتاب الدعاء

نمبر شمار	تفصیل کتب کافی مطابق رجال نجاشی	تفصیل کتب کافی مطابق فہرست شیخ
۶-	کتاب الوضوء والحیض	کتاب فضائل القرآن
۷-	کتاب الصلوٰۃ	کتاب الطہارۃ والحیض
۸-	کتاب الصیام	کتاب الصلوٰۃ
۹-	کتاب الزکوٰۃ والصدقہ	کتاب الزکوٰۃ
۱۰-	کتاب النکاح والعقیقہ	کتاب الصوم
۱۱-	کتاب الشہادات	کتاب الحج
۱۲-	کتاب الحج	کتاب النکاح
۱۳-	کتاب الطلاق	کتاب الطلاق
۱۴-	کتاب العتق	کتاب العتق والتدبیر والمکاتبہ
۱۵-	کتاب الحدود	کتاب الایمان والنذر والکفارات
۱۶-	کتاب الدیات	کتاب المعیشۃ
۱۷-	کتاب الایمان والنذور والکفارات	کتاب الشہادات
۱۸-	کتاب المعیشۃ	کتاب القضایا والاحکام
۱۹-	کتاب الصید والذبائح	کتاب الجنائز
۲۰-	کتاب الجنائز	کتاب الوقوف والصدقات
۲۱-	کتاب العشیرہ	کتاب الصید والذبائح
۲۲-	کتاب الدعاء	کتاب الاطعمہ والاشربہ

نمبر شمار	تفصیل کتب کافی مطابق رجال نجاشی	تفصیل کتب کافی مطابق فہرست شیخ
۲۳-	کتاب الجهاد	کتاب الدواجن والرواجن
۲۴-	کتاب فضل القرآن	کتاب الزی والتجمل
۲۵-	کتاب الاطعمہ	کتاب الجهاد
۲۶-	کتاب الاشربہ	کتاب الوصایا
۲۷-	کتاب الزی والتجمل	کتاب الفرائض
۲۸-	کتاب الدواجن والرواجن	کتاب الحدود
۲۹-	کتاب الوصایا	کتاب الدیات
۳۰-	کتاب الفرائض	کتاب الرّوضہ
۳۱-	کتاب الروضہ	

ہم نے تحریر کیا ہے کہ کافی کی احادیث شمار میں پندرہ ہزار ایک سو ساٹھ ہیں مگر ملا محمد باقر بن الحاجی امیر زین الدین الموسوی الخوانساری نے اپنی کتاب روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات" میں ثقۃ الاسلام کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ صاحب لؤلؤۃ البحرین نے ہمارے بعض مشائخ متاخرین سے نقل کیا ہے کہ —— کافی کی تمام حدیثیں شمار میں سولہ ہزار ایک سو ننانوے (۱۶۱۹۹) ہیں جن کی تفصیل متاخرین کی اصلاح کی بنا پر حسب ذیل ہے۔

۱	صحیح	پانچ ہزار بہتر	۵۰۷۲
۲	موثق	ایک ہزار ایک سو اٹھارہ	۱۱۱۸
۳	قوی	تین سو دو	۳۰۲
۴	ضعیف	نو ہزار چار سو پچاسی [۱]	۹۴۸۵
		میزان	۱۵۹۷۷

صاحب لؤلؤۃ البحرین نے بعض مشائخ متاخرین سے احادیث کافی کی جو تعداد نقل کی ہے وہ ہماری تحریر کردہ تعداد سے زیادہ ہے اور اس اختلاف کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو احادیث مکرر سندوں سے وارد کی گئی ہیں ان کو ہم نے ایک ہی شمار کیا ہے اور سندوں کی زیادتی کی وجہ سے احادیث کے شمار کو زیادہ نہیں کیا ہے، ممکن ہے کہ بعض مشائخ نے احادیث کا شمار کرتے وقت جن حدیثوں کو کئی سندوں سے نقل کیا ہے ان کو انھوں نے چند حدیثیں شمار کر لیا ہو۔

کافی کے مصطلحات

ثقۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے احادیث کی اسناد میں عدۃ من اصحابنا فرمایا ہے اصحاب کی اس جماعت سے کون لوگ مراد ہیں، ثقۃ الاسلام

---

[۱] صاحب لؤلؤۃ البحرین نے احادیث کافی کا شمار سولہ ہزار ایک سو ننانوے بتایا ہے مگر ان کی تفصیل جو کی ہے تو اس کا مجموعہ پندرہ ہزار نو سو ستتر ہوتا ہے اور دو سو بائیس احادیث کی کمی رہتی ہے۔ ۱۲

نے خود ہی اس کی تصریح فرمادی ہے جیسا کہ علامۂ ثقۃ الاسلام نے فرمایا کہ جب میں اپنی کتاب کافی میں یہ کہوں کہ

۱۔ عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن عیسیٰ تو جماعت اصحاب سے یہ لوگ مراد ہوں گے۔

(۱) محمد بن یحییٰ العطار۔ (۲) محمد بن موسی الکمندانی۔ (۳) داؤد بن کورہ (۴) احمد بن ادریس۔ (۵) علی بن ابراہیم بن ہاشم۔ اور جب کہوں

۲۔ عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد تو جماعت اصحاب سے یہ لوگ مراد ہوں گے۔ (۱) علی بن ابراہیم بن ہاشم (۲) علی بن محمد بن عبداللہ بن اذینہ۔ (۳) احمد بن عبداللہ بن امیہ۔ (۴) علی بن الحسن۔ اور جب کہوں

۳۔ عدۃ من اصحابنا عن سہل بن زیاد تو جماعت اصحاب سے یہ لوگ مراد ہوں گے۔ (۱) علی بن محمد علان۔ (۲) محمد بن ابی عبداللہ۔ (۳) محمد بن الحسن۔ (۴) محمد بن عقیل الکلینی۔

فہرست کتاب معارف الاخبار

		صفحہ
۱ -	مؤلف کا تعارف	۱
۲ -	معارف الاخبار	۱
۳ -	حدیث کی تعریف	۱
۴ -	فوائد	۲
۵ -	حدیث کا حجّت ہونا	۳
۶ -	قول معصوم کا حجّت ہونا	۳
۷ -	قول معصوم کے حجّت ہونے پر عقلی دلیل	۴
۸ -	قول معصوم کے حجّت ہونے پر نقلی دلیل	۴
۹ -	فعل معصوم کا حجّت ہونا	۶
۱۰ -	تاسّی اور اتباع کے معنی	۷
۱۱ -	تقریر معصوم کا حجّت ہونا	۱۴
۱۲ -	احادیث کا ماخذ	۱۵
۱۳ -	ائمہ اطہار کی احادیث پیغمبرِ خدا کی احادیث ہیں	۴۷
۱۴ -	خبر کی تقسیم	۵۰
۱۵ -	خبر کی قسمیں - اوّل متواتر	۵۱
۱۶ -	خبر متواتر کی قسمیں	۵۳

۱۷- دوم - احاد ۵۵

۱۸- احادیث پر عمل ۵۶

۱۹- خبر واحد پر عمل کرنا جائز ہے - پہلی وجہ ۵۷

۲۰- دوسری وجہ ۵۸

۲۱- تیسری وجہ - چوتھی وجہ ۵۹

۲۲- راویان حدیث کے شرائط ۶۱

۲۳- حدیث کے اقسام ”اول صحیح“ ۶۶

۲۴- دوم - حسن - سوم موثق ۶۷

۲۵- چہارم - ضعیف ۶۸

۲۶- متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا فرق ۶۸

۲۷- حدیث کی دوسری تقسیم ۷۴

۲۸- ۱- مسند - ۲- متصل ۷۴

۲۹- ۳- مرفوع ۷۶

۳۰- ۴- معنعن - ۵- معلق ۸۰

۳۱- ۶- مفرد - ۷- مدرج ۸۱

۳۲- ۸- مشہور ۸۲

۳۳- ۹- غریب ۸۳

۳۴- ۱۰- مصحف ۸۵

۳۵- علو کی قسمیں ۸۸

۳۶ - شاذ حدیث کی ردّو قبول کا معیار ۸۹

۳۷ - (۱۳) مسلسل (۱۴) مزید، اوّل، مزید فی المتن ۹۰

۳۸ - (۱۵) مزید فی الاسناد ۹۱

۳۹ - ۱۵ مختلف ۱۶ ناسخ و منسوخ ۹۲

۴۰ - ۱۷ غریب لفظاً ۱۸ مقبول ۹۳

۴۱ - موقوف ۹۴

۴۲ - مقطوع - مرسل ۹۶

۴۳ - معلل ۹۷

۴۴ - مدلس الشیوخ ۱۰۰

۴۵ - مضطرب ۱۰۰

۴۶ - مقلوب، موضوع ۱۰۱

۴۷ - واضعین حدیث کی قسمیں ۱۰۳

۴۸ - تدوین احادیث ۱۰۹

۴۹ - پیغمبر اسلام کا احادیث یاد کرنے کی رغبت دلانا ۱۱۰

۵۰ - پیغمبر اسلام کا احادیث کی نشر و اشاعت پر رغبت دلانا ۱۱۲

۵۱ - آیات قرآنی اور احادیث کی نشر و اشاعت کا فرق ۱۱۵

۵۲ - پیغمبر اسلام کا کتابت احادیث کی رغبت دلانا ۱۱۶

۵۳ - اصحاب رسولؐ کو احادیث لکھنے کا شوق ۱۲۰

۵۴ - حضرت عبداللہ بن عباس کا احادیث لکھنا ۱۲۱
۵۵ - حضرت بلال کو احادیث لکھوانے کا شوق ۱۲۳
۵۶ - کتابت احادیث کے متعلق ائمہ اطہارؑ کا طرز عمل ۱۲۶
۵۷ - حضرت رسول خداؐ کا احادیث کی کتابت کو منع کرنا ۱۳۹
۵۸ - حضرت رسولؐ خدا کا احادیث کی کتابت سے ناراض ہونا ۱۴۰
۵۹ - کتابت حدیث سے ممانعت کرنے کا سبب ۱۴۱
۶۰ - عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں احادیث کی تدوین ۱۴۲
۶۱ - تصنیف و تالیف کا طریقہ ۱۴۶
۶۲ - اصل اور کتاب کا باہمی فرق ۱۴۹
۶۳ - نظیر ۱۵۰
۶۴ - کتب احادیث کے مصنّفین ۱۵۱
۶۵ - اسلام میں سب سے پہلے مصنف امیرالمومنین علیہ السلام ہیں ۱۵۳
۶۶ - امیرالمومنینؑ کی کتاب حیات رسولؐ میں مدوّن ہوئی ۱۵۵
۶۷ - امیرالمومنینؑ کی کتابت کا ثبوت صحاح اہلسنت وجماعت سے ۱۵۸

۶۸ - امیرالمومنینؑ کی کتاب میں کس قسم کی احادیث تھیں ۱۶۴
۶۹ - امیرالمومنین کی یہ کتاب کیا ہوئی ؟ ۱۶۷
۷۰ - جندب بن جادہ الغفاری ۱۷۰
۷۱ - ابوعبداللہ سلمان الفارسی ۱۷۵
۷۲ - سلمان فارسیؓ کے ابتدائی حالات اور اسلام لانے کا سبب ۱۷۶
۷۳ - ابورافع ۱۸۶
۷۴ - علی بن ابورافع ۱۸۹
۷۵ - عبیداللہ بن ابورافع ۱۹۰
۷۶ - ربیعہ بن سمیع ۱۹۰
۷۷ - اصبغ بن نباتہ المجاشعی الکوفی ۱۹۱
۷۸ - میثم بن یحییٰ ابوصالح التمار ۱۹۳
۷۹ - عبیداللہ بن الحرؒ الجعفی ۱۹۴
۸۰ - زید بن وہب الجہنی ۱۹۵
۸۱ - سلیم بن قیس الہلالی ۱۹۶
۸۲ - ثابت بن دینار ابوحمزہ الثمالی ۲۰۱
۸۳ - ابان بن تغلب بن ریاح البکری ۲۰۳
۸۴ - جابر بن یزید الجعفی ۲۰۸
۸۵ - فضیل بن یسار النہدی البصری ۲۱۳

۸۶۔ لیث بن البختری المرادی ۲۱۴

۸۷۔ محمد بن مسلم بن ریاح الطایفی الثقفی ۲۱۵

۸۸۔ زرارہ بن اعین الشیبانی الکوفی ۲۲۳

۸۹۔ بُرَید بن معاویہ البجلی ۲۲۶

۹۰۔ محمد بن قیس البجلی الکوفی ۲۲۶

۹۱۔ ابراہیم بن عمر الیمانی الصنعانی ۲۲۷

۹۲۔ وہب بن عبد ربہ بن ابی میمونہ بن یسار الاسدی ۲۲۷

۹۳۔ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ مدنی ۲۲۷

۹۴۔ ابراہیم بن ابی البلاد ۲۲۸

۹۵۔ عبید اللہ بن علی بن ابی شعبہ الحلبی ۲۲۸

۹۶۔ داؤد بن زربی الخندفی ۲۲۹

۹۷۔ ابراہیم بن عبد الحمید الاسدی ۲۳۱

۹۸۔ اسحاق بن جریر بن یزید بن عبد اللہ البجلی ۲۳۱

۹۹۔ حفص بن عبد اللہ السجستانی الکوفی ۲۳۲

۱۰۰۔ حفص بن سالم ابو ولاد الحنّاط ۲۳۲

۱۰۱۔ خالد بن صبیح الکوفی ۲۳۲

۱۰۲۔ سعید بن غزوان اسدی ۲۳۲

۱۰۳۔ شعب بن اعین الحداد الکوفی ۲۳۳

۱۰۴۔ آدم بن المتوکل ابو الحسین بیاع اللؤلؤ الکوفی ۲۳۳

۱۰۵- ابراہیم بن عمر الیمانی الصنعانیؒ ۲۳۳
۱۰۶- ہشام بن الحکم الکندی الشیبانی الکوفی ۲۳۳
۱۰۷- ہشام بن سالم الجوالیقی ۲۴۵
۱۰۸- جمیل بن درّاج ۲۴۵
۱۰۹- ابان بن عثمان الاحمر البجلی ۲۴۵
۱۱۰- ابراہیم بن عثمان الخزاز الکوفی ۲۴۶
۱۱۱- ابراہیم بن حزم الاسدی ۲۴۶
۱۱۲- بشّار بن یسار الضبیعی ۲۴۶
۱۱۳- حمید بن المثنیٰ العجلی الکوفی ۲۴۷
۱۱۴- حفص بن البختری ۲۴۷
۱۱۵- حفص بن سوقہ العمری ۲۴۷
۱۱۶- حکم بن ایمن الحنّاط ۲۴۷
۱۱۷- ذریح بن یزید المحاربی ۲۴۸
۱۱۸- زید الزسی ۲۴۸
۱۱۹- زرعہ بن محمد الحضرمی ۲۴۸
۱۲۰- سعد بن ابی خلف الزام ۲۴۸
۱۲۱- سعید بن یسار الضبیعی ۲۴۹
۱۲۲- سعدان بن مسلم العامری ۲۴۹
۱۲۳- شعیب بن یعقوب العقرقوفی ۲۴۹

۱۲۴۔ عبداللہ بن یحییٰ الکاہلی ۲۴۹

۱۲۵۔ علی بن رئاب الکوفی ۲۵۰

۱۲۶۔ حبیب بن المعلل الخثعمی المدائنی ۲۵۰

۱۲۷۔ منصور بن حازم البجلی ۲۵۰

۱۲۸۔ شہاب بن عبدربہ بن ابی میمونہ ۲۵۱

۱۲۹۔ حماد بن عثمان بن عمرو بن الخالد الفزاری الغزرمی ۲۵۱

۱۳۰۔ حماد بن عیسیٰ الجہنی ۲۵۱

۱۳۱۔ علی بن یقطین بن موسیٰ ۲۵۴

۱۳۲۔ حسن بن علی بن یقطین بن موسیٰ ۲۶۱

۱۳۳۔ عبداللہ بن المغیرۃ البجلی الکوفی ۲۶۱

۱۳۴۔ علی بن عبیداللہ بن حسین بن علی بن الحسین ۲۶۲

۱۳۵۔ محمد بن صدقۃ العنبری البصری ۲۶۲

۱۳۶۔ علی بن حمزہ بن الحسن بن عبیداللہ بن العباس
بن امیرالمومنین علی بن ابی طالب ۲۶۲

۱۳۷۔ موسیٰ بن ابراہیم المروزی ۲۶۳

۱۳۸۔ یونس بن عبدالرحمان الیقطینی ۲۶۳

۱۳۹۔ محمد بن ابی عمیر الازدی بغدادی ۲۶۷

۱۴۰۔ عبداللہ بن محمد بن حصین الحصینی الاہوازی ۲۷۲

۱۴۱۔ علی بن علی بن رزین الخزاعی ۲۷۳

۱۴۲- صفوان بن یحییٰ البجلی الکوفی ۲۷۳

۱۴۳- معاویہ بن حکیم بن معاویہ بن عمار الدُّہنی ۲۷۴

۱۴۴- زکریا بن آدم بن سعد الاشعری القمیؒ ۲۷۵

۱۴۵- اسماعیل بن مہران بن ابی نصر السکونی ۲۷۵

۱۴۶- حسن بن محبوب السّراد ۲۷۵

۱۴۷- عبدالرحمٰن بن ابی نجران التمیمی ۲۷۶

۱۴۸- حسین بن سعید بن حماد بن مہران الاہوازی ۲۷۶

۱۴۹- علی بن مہزیار الاہوازی ۲۷۸

۱۵۰- محمد بن عیسیٰ بن عبید بن یقطین ۲۸۰

۱۵۱- فضل بن شاذان بن الخلیل الازدی النیشاپور ۲۸۱

۱۵۲- احمد بن محمد بن عیسیٰ بن عبداللہ بن سعد بن مالک بن الاخوص بن السائب بن مالک بن عامر الاشعری القمیؒ ۲۸۳

۱۵۳- علی بن اسباط بن سالم الکوفی ۲۸۳

۱۵۴- ایوب بن نوح بن درّاج النخعی ۲۸۴

۱۵۵- علی بن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۲۸۴

۱۵۶- احمد بن اسحاق بن عبداللہ بن سعد بن مالک بن الاخوص الاشعری القمی ۲۸۵

۱۵۷- کتب اربع ۲۹۱

۱۵۸۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ کی تصنیف	۲۹۳
۱۵۹۔ تہذیب الاحکام	۲۹۶
۱۶۰۔ کتاب تہذیب الاحکام کی تالیف	۲۹۷
۱۶۱۔ الاستبصار فیما اختلف من الاخبار	۲۹۹
۱۶۲۔ کتب اربعہ کی احادیث	۳۰۱
۱۶۳۔ کتب اربعہ کی شہرت کا سبب	۳۰۲
۱۶۴۔ کتب اربعہ کے علاوہ حدیث کی اور کتابیں	۳۰۴
۱۶۵۔ اشرح الاستبصار فی احادیث الائمۃ الاطہار	۳۰۶
۱۶۶۔ جامع الاخبار فی ایضاح الاستبصار	۳۰۶
۱۶۷۔ الشفافی حدیث المصطفیٰ	۳۰۶
۱۶۸۔ جامع الاحکام	۳۰۶
۱۶۹۔ حالات رسالہ در ثقۃ الاسلام کلینی	۳۰۷
۱۷۰۔ وفات کلینی	۳۰۹
۱۷۱۔ صاحب کافی علماء اہلسنت کی نظر میں	۳۱۰
۱۷۲۔ صاحب کافی علماء شیعہ کی نظر میں	۳۱۳
۱۷۳۔ کافی علماء شیعہ کی نظر میں	۳۱۶
۱۷۴۔ کافی کی مقبولیت	۳۱۸
۱۷۵۔ کافی کے محشی اور شارحین	۳۱۹
۱۷۶۔ کافی کے مترجمین	۳۲۴

۱۷۷۔ کافی کی کتابیں آٹھ اصول میں ۲۷ فروع میں ایک روضہ کی کل ۳۶ کتابیں ۳۲۸
۱۷۸۔ کافی کے ابواب ۳۲۸
۱۷۹۔ کافی کی احادیث ۳۲۸
۱۸۰۔ فہرست کتب کافی از رجال نجاشی واز شیخ ۳۳۰
۱۸۱۔ تعداد اقسام احادیث ۳۳۳
۱۸۲۔ کافی کے مصطلحات ۳۳۳

تاریخِ تدوینِ حدیث
شائع کردہ
پاکستان حسنی مشن راولپنڈی